فیصلہ شرعیہ بر حرمتِ تعزیہ

تالیف

صدر المدرسین محمد مہر الدین

مدظلہ العالی

مکتبہ غوثیہ لاثانیہ

چاہ میراں روڈ، لاہور

لَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے اُسے مُردہ مت کہو!

فیصلہ شرعیّہ

بر

حُرمتِ تعزیّہ

مُصنّفہ

صدر المدرّسین محمّد مہر الدین دامت برکاتہم العالیہ

مکتبہ غوثیّہ چاہ میراں روڈ لاہور

نام :- ——— فیصلۂ شرعیہ بر حرمتِ تعزیہ

مصنف :- ——— حضرت مولانا محمد مہرالدین صاحب نقشبندی

موضوع :- ——— تحقیق و مناظرہ

سالِ طباعت بارسوم :- ——— ۱۹۸۳ء

ناشر :- ——— مکتبہ غوثیہ۔ چاہ میراں لاہور

مطابع :- ——— کمبائن پرنٹرز ——— لاہور

سائز :- ——— $\frac{۱۸ \times ۳۶}{۱۶}$:. چار سدہ

تعداد :- ——— ایک ہزار

صفحات :- ——— ۲۴۰

قیمت ———

حرمتِ تعزیّہ

۷۵

حضرت مولانا محمد مہر الدّین شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ العزیز الفعّال۔ والصّلوٰۃ والسّلام علی حبیبہٖ سیّدنا محمّد صاحب الحسن والکمال۔ وعلیٰ الہٖ وصحبہٖ خیر صحبٍ وّ ال۔ امین۔ یاذالاکرام والجلال۔

منظور ہے گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

پیارے مسلمان بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہم خدائے قدوس کے بندے ہیں، سرورِ دو جہان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اُمت ہیں یہ دُنیا فانی ہے، آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے، ہمیں مَرکر دوسرے جہان میں جانا ہے قیامت کے دن اللہ تعالےٰ کے رُوبرو کھڑے ہوکر اپنے سب عملوں کا حساب دینا ہے، نیک جنّت میں جائیں گے اور بَد دوزخ میں، مگر افسوس آج ہم عجیب زمانہ میں جارہے ہیں، ایک طوفانِ بے تمیزی بپا ہے، جدھر دیکھئے اُدھر ہی ایک ہنگامہ اور نیا منظر دکھائی دے گا۔ خواہشوں کی پیروی ہوگی، رسم ورواج کی پابندی میں انتہائی طاقت کو صَرف کیا جارہا ہوگا۔ خداوندِ عالم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشادات کی طرف بہت کم توجہ ہوگی، کیفیتِ عمل برائے نام ہوگی، رُوحانیت کے اثرات بالکل ختم ہونگے، وہ اسلامی جوش جس کی وجہ سے ایک وقت مسلمان دُنیا کے جہان پر حاکم تھا، ایک نمونہ خواب ہوگا، حمیت، وغیرت سب کافور ہوں گے۔

میرے پیارے بھائیو! درحقیقت ایسا کیوں ہُوا؟ صرف مذہب سے ناواقفیت کی وجہ سے ہُوا پس اس کی ازبس ضرورت ہے کہ ہم اپنی غلطیوں سے توبہ کریں، اپنا بھُولا ہُوا سبق پھر دُھرائیں، ہر بات میں شریعت پاک کی پناہ لیں، اس بناء پر اس خادمِ قوم نے پورا ارادہ کیا ہے کہ وہ متعصبانہ طریق پر نہیں بلکہ برادرانہ ومخلصانہ طور پر محض حسبۃً لِلّٰہ اپنے معزز بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں ایسی معروضات پیش کرتا رہے جن پر اگر توجہ سے عمل کیا گیا تو قوم کی نہ صرف دنیا بلکہ آخرت بھی سُدھر جائے گی۔ اے اللہ ہم سب کو

حق کہنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما. تاکہ ہم سب تیرے دربارِ گہر بار میں سُرخرو ہو جائیں اور تیرے عذاب سے بچ کر تیرے معزز بندوں کی قیامگاہ یعنی جنت میں پہنچ جائیں آمین یا رب العالمین ثم آمین۔

غرض نقشیست کہ از ما یاد ماند　　　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحب دلے روزے برحمت　　　　کند بر حالِ درویشاں دعائے

بندۂ مسکین مہر الدین نقشبندی قادری عفی عنہ
جمال پوری ثم اللاہوری

سببِ تالیف

ناظرین کرام۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبادت و معرفت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ پھر راہِ ہدایت پر چلنے کے لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا، کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، اولیاء کرام اور علماء ربانی کو ظاہر فرمایا، مگر انسان سے چونکہ خطا و نسیان ہو سکتا ہے، صراطِ مستقیم میں کم و بیشی ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے اس کو بار بار یاد دہانی کرانے کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے، بدیں وجہ تعزیہ مروجہ وغیرہ میں چونکہ شرعی طور پر اکثر بے اعتدالیوں کو اختیار کیا گیا ہے[1]، لہٰذا بغیر کسی تعصب و عناد کے بلکہ برادرانہ طور پر یہ چند سطور سپُردِ قلم کی گئی ہیں تاکہ ہم سب مل کر اس میں جو پہلو شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں ان کو ترک کریں اور اہلِ بیت کرام اور ائمہ عظام کے مبارک راستہ پر گامزن ہوتے ہوئے ثوابِ دارین حاصل کریں۔

وما علینا الا البلاغ وما توفیقی
الا باللہ

[1] جیسا کہ اس استفتاء کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس کتاب کی تکمیل کیلئے جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے وُہ حسب ذیل ہیں

کُتب اہل سُنّت و جماعت

(۱) قرآن مجید (۲) بخاری (۳) مُسلم (۴) ابوداؤد (۵) ترمذی (۶) نسائی (۷) ابن ماجہ (۸) مؤطا امام مالک (۹) مشکوٰۃ شریف (۱۰) سیرۃ النبی (۱۱) تحفہ اثنا عشریہ (۱۲) تاریخ الخلفاءؒ (۱۳) تاریخ ابنِ خلدون (۱۴) بیان الامرا ترجمہ تاریخ الخلفاء (۱۵) کامل ابنِ اثیر (۱۶) فتاوٰے رضویہ (۱۷) سفر السعادت (۱۸) صواعقِ محرقہ (۱۹) فتاوٰی عزیزیہ (۲۰) مکتوبات امام ربانی (۲۱) ازالۃ الخفاء اُردو (۲۲) تاریخ خمیس (۲۳) تاریخ کامل (۲۴) کنز العمال (۲۵) مدارج النبوۃ (۲۶) معارج النبوۃ (۲۷) روضۃ الاحباب (۲۸) مجمع الاوصاف (۲۹) تثبیت تشیع (۳۰) کشف التلبیس (۳۱) النجم (۳۲) دائرۃ الاصلاح (۳۳) فتاوٰی محرم اور تعزیہ داری (۳۴) منتخب اللغات (۳۵) مجمع البحار (۳۶) منتہی الارب (۳۷) مصباح المنیر۔ (۳۸) مختار الصحاح (۳۹) صراح وغیرہ۔

کُتب اہلِ تشیّع

(۴۰) تفسیر عمدۃ البیان (۴۱) تلخیص مرقع کربلا (۴۲) زاد المعاد۔ (۴۳) تحفۃ العوام (۴۴) تہذیب الاحکام (۴۵) ضمیمہ جات قرآنی (۴۶) حیات القلوب قلمی (۴۷) جلاء العیون (۴۸) فروع کافی (۴۹) نیرنگِ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت (۵۰) انارۃ البصائر (۵۱) ذبحِ عظیم (۵۲) ناسخ التواریخ (۵۳) کلینی۔ (۵۴) من لایحضرہ الفقیہ (۵۵) خلاصۃ المصائب (۵۶) جامع عباسی پانزدہ بابی (۵۷) جامع الجعفری (۵۸) منہج (۵۹) اخبار ماتم (۶۰) سپرٹ آف اسلام (۶۱) الذبیح (۶۲) العطشان (۶۳) تفسیر لوامع التنزیل (۶۴) مفتاح الفتح (۶۵) گلزارِ جنّت (۶۶) تصویر کربلا (۶۷) نور الایمان (۶۸) برہان المتعہ (۶۹) صافی شرح اصول کافی (۷۰) سراج العباد (۷۱) مجالس المؤمنین (۷۲) مہیج الاحزان (۷۳) نہج البلاغت (۷۴) تذکرۃ الائمہ (۷۵) کشف الغمہ (۷۶) تحفہ جاوید (۷۷) خصال شیعہ (۷۸) معانی الاخبار (۷۹) رسالہ تبرا (۸۰) اختصاص (۸۱) رجال کشی (۸۲) احتجاج (۸۳) تاریخ الائمہ (۸۴) روضۃ الصفا وغیرہ۔

تنبیہ ضروری

یہ شیعہ کتب شیعہ حضرات کے نزدیک مستند و معتبر ہیں اور قابلِ استدلال، کیونکہ وُہ اپنے احکامِ مذہب کو انہیں کتابوں سے ثابت فرماتے ہیں۔ اور ان کو حجت و دلیل سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ حوالجات و عباراتِ مندرجۂ کتاب ہذا کو تسلیم نہ کریں اور ان کو باوجودیکہ وہ نہایت صحیح و معتبر ہیں رَد کر دیں تو ثابت ہو جائیگا کہ وہ اپنے مذہب و ائمۂ اہلِ بیت کو نہیں مانتے کیونکہ اُن کا احترام و اکرام اور اُن کے اقوال و افعال و جملہ ضروریات آخر انہیں کتابوں کے ذریعہ ان کو معلوم ہوئے ہیں۔ اور ان کو انہیں راویوں نے بیان کیا ہے۔ جن سے یہ حوالجات و عبارات مندرجہ کتاب ہذا منقول ہیں تو جب وہ راوی و کتابیں ہی غیر معتبر ہوئیں تو ائمۂ اہلِ بیت کا احترام وغیرہ سب کچھ گیا۔ مذہب و دین، اصول و فروع سب گئے۔ بہرصورت یہ شیعہ حضرات کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ کتابیں معتبر ہیں۔ اور روایات صحیح جس سے نتیجہ صاف ہے کہ تعزیہ مروّجہ وغیرہ سب ناجائز ہے۔

اور بھی یاد رہے کہ یہ شیعہ کُتب صرف شیعہ حضرات کیلئے مستند ہیں اور اُنہیں پر حجت ہونگی اور بطور الزام ذکر کی جائیں گی۔ ہاں وہ روایتیں جو کہ قرآن مجید و حدیثِ صحیح اور کتبِ معتبرۂ اہلِ سنت وجماعت کے موافق ہونگی، وہ اہلِ سنت کے نزدیک بھی معتبر ہوں گی۔ جیساکہ کُتب اہلِ سنت وجماعت، اہل سنت پر ہی الزام ہوں گی۔ مگر روایاتِ صحیحہ مُشترکہ اہل تشیع پر بھی۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

معذرت قارئینِ کرام! کتاب "فیصلہ شرعیہ برحرمت تعزیہ" میں مضامین مندرجہ کی صحت کیلئے جن حوالجات کا حوالہ دیا گیا ہے حتی الامکان انکی صحت کا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی اگر کہیں کم و بیشی ہو گئی ہو تو ہمیں فوراً اطلاع دیں۔ مناسب انداز پر اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔ فقط۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شریعت مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ عشرۂ محرم الحرام میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہداء کرام کیلئے رسم تعزیہ بایں طور منانا کہ اس میں زور سے ماتم اور نوحہ کرنا، بالوں کو نوچنا، کپڑوں کو پھاڑنا، سیاہ لباس پہننا، چہروں اور سینوں کو پیٹنا، زنجیروں سے بدن کو زخمی کرنا اور مردوں کے علاوہ عورتوں کا نامحرم آدمیوں کے رُوبرُو بلند آواز سے مرثیوں کا پڑھنا، بے صبری سے جزع فزع کرنا اور روضۂ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل بناکر اُس کو قاضی الحاجات سمجھنا۔ اُس کی نذر و نیاز ماننا، اُس پر کاغذ یا چاندی کا گھڑا چڑھانا، عرضیاں باندھنا، اُس کی تعظیم کیلئے اُس کو سجدہ کرنا اور اُس پر زیارت پڑھنا یا کسی گھوڑے کو امام حسین رضی اللہ عنہ کا دُلدُل سمجھ کر خوب زیورات اور جنگی سازو سامان سے آراستہ کرکے اُس پر ایک سفید چادر خون آلودہ ڈال کر ایک خونی منظر پیش کرنا، اور اس پر ان مذکورہ فعلوں کا کرنا اور اُس کے نیچے سے بچوں کو گزارنا، کان چھدوانا، اور رطوائف، اور بعض نوجوانوں کا سُوٹ بوٹ پہن کر نکٹائیاں لگاکر اور شب عاشورہ خوب داڑھیاں کتروا منڈوا کر اُس کے ہمراہ ہونا، اُس (حیوان) کا بچا ہُوا دُودھ بطور تبرک اشرف المخلوقات انسانوں کو پلانا، اس کے نیچے بکرے اور مُرغ ذبح کرنا وغیرہ۔

اسی طرح حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ کی رسم عروسی میں تقریب مہندی کو بڑے تزک و احتشام سے منانا، اور گہوارۂ حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کا تعزیہ منانا اور اُس کے آگے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر سینہ کوبی کرنا، اور اُمور مذکورۂ بالا کا ارتکاب کرنا اور ایسے فعل کرنے والوں کے لئے نیازیں، دعوتیں پکانا اور دودھ و شربتوں کی سبیلیں لگانا اور ان سب کو موجب اجر و ثواب و ذریعۂ ہدایت و نجات خیال کرنا جائز ہے؟

بینوا توجروا ـــــ ـــــ قرآن مجید اور حدیث صحیح و معتبر اور کتب مسلّمہ سے جواب عنایت فرمایا جائے، جزاءکم اللہ تعالےٰ احسن الجزاء

(مستفتی انجمن غوثیہ جمالپور)

الجواب الصحیح

(۱) اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ۔ سب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے الفاظ کی مختصر طور پر تشریح کر دی جائے جن کے ساتھ مضامین کتاب کو تعلق ہے تاکہ مسئلہ کے سمجھنے میں زیادہ دقت نہ ہو۔ (مصطلحات)

ماتم ۔ مصیبت، آفت، سوگ، سیاپا، رنج، غم، ملال، آہ، نالہ، گریہ، زاری، عربوں میں ماتم زنانہ رسم تھی، جسے ایرانی و ہندوستانی شیعہ مردوں نے اختیار کر لیا ہے (منتخب اللغات) اہل تشیع میں پیٹنے کا فعل (فیروز اللغات)

جزع ۔ کسی مصیبت پر بے صبری سے واویلا کرنا، منہ اور سینہ کو پیٹنا، بالوں کو نوچنا وغیرہ۔ عَنْ جَابِرٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَہٗ مَا الْجَزْعُ قَالَ اَشَدُّ الْجَزْعِ الصُّرَاخُ بِالْوَیْلِ وَ لَطْمُ الْوَجْہِ وَ الصَّدْرِ وَ جَزُّ الشَّعْرِ مِنَ النَّوَاصِیْ۔ (فروع کافی نولکشوری ج ا صـ[۱۲])

یعنی جابر شیعی نے امام باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ "جزع" کیا ہے؟ امام نے فرمایا کہ وہ سخت بے صبری سے واویلا کرنا اور چہرہ اور سینہ کو زدو کوب کرنا ماتھے کے بال، کماڈ۔

جزع ۔ ناشکیبائی کردن، یعنی بے صبری کرنا (صراح وغیرہ)

فزع ۔ ترسیدن و پناہ جستن بکسے، یعنی ڈرنا اور گھبرا کر کسی کی پناہ لینا (صراح وغیرہ)۔

ندبہ ۔ اَلنَّدْبُ اَنْ یَذْکُرَ النَّائِحَۃُ الْمَیِّتَ بِاَحْسَنِ اَفْعَالِہٖ وَ اَوْصَافِہٖ

یعنی رونے والی میت کے بہترین افعال و اوصاف بیان کرے

(مجمع البحار صـ۳۴۴ ج ۳۔ منتہی الارب صـ۸۱۹ ج ۲)

اَلنُّدْبَۃُ ۔ بالضم گریہ بر مردہ و محاسن شماری، اور ندبہ پیش کے ساتھ اگر پڑھا جائے تو معنی یہ ہے کہ میت پر رونا اور اس کی خوبیوں کو شمار کرنا۔

نَدَبْتُہٗ اِلَی نَدْبًا مِنْ بَابِ قَتَلَ دَعَوْتُہٗ وَ الْفَاعِلُ نَادِبٌ وَّ الْمَفْعُوْلُ مَنْدُوْبٌ وَّ الْاَمْرُ مَنْدُوْبٌ اِلَیْہِ وَ الْاِسْمُ

ندبہ کے معنے بلانا ہے۔ فاعل نادب مفعول مندوب، امر مندوب الیہ اور ندبہ غرفہ کی طرح اسم مصدر ہے۔

اَلنُّدْبَتُ مِثْلُ غُرْفَةٍ نَدَبَتِ الْمَرْءَةُ الْمَيِّتَ نَدْبًا مِنْ بَابِ قَتَلَ اَيْضًا وَهِیَ نَادِبَةٌ وَالْجَمْعُ نَوَادِبُ لِاَنَّهٗ كَالدُّعَاءِ فَاِنَّهَا تُقْبِلُ عَلٰی تَعْدِيْدِ مُحَاسِنِهٖ كَاَنَّهٗ يَسْمَعُهَا (مصباح المنیر ص۲۱۹ ج ۲)

میت پر ندبہ کرنے والی کو نادبہ کہتے ہیں اور جمع اس کی نوادب ہے اور یہ ندبہ دعا (بلانا) کی طرح ہے۔ کیونکہ عورت ندبہ میں میت کے اوصاف شمار کرتی ہے گویا مُردہ اُس کو سُن رہا ہے۔

نَدَبَ الْمَيِّتَ بَكٰی عَلَيْهِ وَعَدَّ وَ مَحَاسِنَهٗ وَبَابُهٗ نَصَرَ وَالْاِسْمُ النُّدْبَةُ بِالضَّمِّ وَنَدَبَهٗ لِاَمْرٍ فَانْتَدَبَ لَهٗ اَیْ دَعَاهُ لَهٗ فَاَجَابَ (مختار الصحاح ص۶۵۱)

میت پر ندبہ کیا، یعنی اُس پر رویا اور اُس کی خوبیوں کو شمار کیا اور یہ باب نَصَرَ سے ہے۔ نُدبہ پیش کے ساتھ اسم مصدر ہے، محاورہ ہے کسی اَمر کیلئے ندبہ کیا مخاطب نے اُسے قبول کیا۔

ثابت ہُوا کہ ندبہ صرف یہ ہے کہ میت کی خوبیوں اور کمالات کو شمار کیا جائے۔

نوحہ ۔ اَلنَّوْحُ ۔ نوحہ گری، نوحہ کنندہ (منتہی الارب ص۱۹۰۴) نِيَاحًا وَنِيَاحَةً بِكَسْرِهِمَا وَمَنَاحًا۔ گریہ و ماتم نمود بآواز بلند برشوئے۔ نوحہ کرنے والا۔ نِيَاحٌ نِيَاحَةٌ نون کی اور مَنَاحٌ میم کی زبر کے ساتھ خاوند پر بآواز بلند روئی اور اس پر نوحہ ماتم کیا۔ فِيْهِ نُيْدَبُ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ

اَیْ بِسَبَبِ النِّيَاحَةِ اَوْ مَوْصُوْلَةٌ اَیْ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَاجَبَلَاهُ بِاَنْ يُقَالَ اَنْتَ جَبَلٌ عَلَی التَّهَكُّمِ (مجمع البحار ص۲۱۱ ج ۳)

یعنی بہ سبب نوحہ یا اس کی وجہ سے جس کے ساتھ نوحہ کیا گیا، جیسے کہے واجبلاہ یعنے بطریق تہکم و استہزاء کہے کہ تو ایک پہاڑ تھا۔

فِيْهِ لَيْسَ مِنَّا مَنْ حَلَقَ وَصَلَقَ اَلصَّلْقُ اَلصَّوْتُ الشَّدِيْدُ يُرِيْدُ رَفْعَهٗ فِی الْمَصَائِبِ وَعِنْدَ الْفَجِيْعَةِ بِالْمَوْتِ وَ يَدْخُلُ فِيْهِ النَّوْحُ (مجمع البحار ص۲۵۹ ج ۳)

یعنی جو سر منڈائے اور اُونچی آواز سے مصیبت پر نوحہ کرے، وہ ہم سے نہیں ہے صَلق سخت آواز کو کہتے ہیں جو مصیبت اور موت کے موت صادر ہوتی ہے۔ اور اس میں نوحہ داخل ہے۔

(مصباح المنیر ص۲۴۳ ج ۱ و مختار الصحاح ص۳۶۵)

نَاحَتِ الْمَرْءَةُ عَلَی الْمَيِّتِ نَوْحًا

عورت نے میت پر نوحہ کیا

مِنْ بَابِ قَالَ وَالْاِسْمِ النُّوَاحُ وِزَانَ غُرَابٍ وَرُبَمَا قِيلَ النِّيَاحُ فَهِيَ نَاحِيَةٌ وَالنِّيَاحَةُ بِالْكَسْرِ اِسْمٌ مِنْهُ وَالْمَنَاحَةُ بِفَتْحِ الْمِيمِ مَوْضِعُ النَّوْحِ تَنَاوَحَ الْجَبَلَانِ تَقَابَلَا وَقَرَأْتُ نُوحًا اَیْ سُوْرَۃَ نُوْحٍ (مصباح المنیر صـ۲۵۰ جـ۲ ومختار الصحاح ۶۸۴)

نواح۔ غراب کی طرح اسم ہے اور نیاح بھی کہا جاتا ہے۔ عورت، نوحہ کرنے والی کو ناحہ کہتے ہیں۔ اور نیاح نون کی زیر کے ساتھ اسم ہے اور مناح وہ جگہ جس میں نوحہ کیا جائے، اور نوحہ، تقابل کو بھی کہتے ہیں، جیسے دو پہاڑ آپس میں متقابل ہوئے، کہا جاتا ہے اور نوحہ کرنے والی بھی آپس میں متقابل ہو کر نوحہ و ماتم کرتی ہیں۔

ثابت ہوا کہ نوحہ آواز سے رونا اور بجائے محاسن میت کے خلافِ شرع اور چیزوں کو اختیار کرنا، جیسے کپڑے پھاڑنا، بال نوچنا، پیٹنا، سر منڈانا، اور خلافِ اصل میت کے حالات بیان کرنا، جیسے تو پہاڑ تھا، آسمان تھا، شیر تھا وغیرہ وغیرہ، حالانکہ وہ ایسا نہ تھا، برخلاف ندبہ کے کہ اس میں میت کے محاسن بیان ہوتے ہیں۔

بکا۔ اَلدُّمُوْعُ وَخُرُوْجُهَا۔ آنسو اور اُن کا بہنا (مجمع البحار صـ۱۳ جـ۱، مصباح المنیر صـ۸۳ جـ۱، ومختار الصحاح صـ۶۳) (بُکَاءٌ) بکاءٌ بالمد مد الصوت آواز کو لمبا کرنا (مجمع البحار صـ۱۳ جـ۱ ومصباح المنیر صـ۸۳ جـ۱ ومختار الصحاح صـ۶۳)

دُلدُل | دُلْدُل اِسْمُ بَغْلَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ یعنی دُلدُل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خچر کا نام تھا (مجمع البحار صـ۲۱۸)

دُلدُل بضم ہر دو دال خار پشت بزرگ و نوعیست از جانوراں و نام استر سفید بسیاہی مائل کہ حاکم اسکندریہ بحضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرستادہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب بر آں سوار می شد (منتخب اللغات صـ۲۳۵ غیاث اللغات صـ۱۷۵ وصراح وغیرہ)۔

یعنی دُلدُل ہر دو دال کے پیش کے ساتھ بڑے خچر کو کہتے ہیں اور جانوروں کی ایک نوع ہے اور اُس خچر سفید مائل بہ سیاہی کا نام ہے جسے حاکم اسکندریہ نے حضور علیہ السلام کو ہدیۃً پیش کیا تھا اور اُس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سوار ہوتے تھے۔

تعزیت | تعزیت مسنون یہ ہے کہ میت کے تعلق داروں کو تین روز تک تلقین صبر

کی جائے اور اُن کو پیٹنے اور واویلا اور نوحہ کرنے اور جملہ امورِ خلاف شرع کے ارتکاب کرنے سے روک دیا جائے۔

تعزیت مروّجہ۔ رسم و رواج میں تعزیتِ مسنونہ کے ساتھ بعض اور ناجائز باتیں مثلاً نوحہ گری، سینہ کوبی، کپڑوں کو پھاڑنا، بالوں کو نوچنا، زینت و زیبائش کو ضروری ترک کرنا، رنجیدہ و غمزدہ ہونا وغیرہ لازمی طور پر شامل کر لی گئی ہیں جس کی وجہ سے یہ رواجی تعزیہ داری اور ماتم پرستی ناجائز اور ممنوع قرار دی گئی۔

تعزیت امام حسین تعزیتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرۂ محرم الحرام میں بڑے تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے۔ اُس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تعزیت روحانی دوسری تعزیت جسمانی۔

تعزیتِ رُوحانی امام حسین۔ تعزیت روحانی یہ ہے کہ حضرت امام حسین و دیگر شہداء کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے پناہ مصیبتوں کا ذکر کرتے ہوئے نوحہ کرنا پیٹنا، چیخنا، چلانا، کپڑوں کو پھاڑنا، ماتھا مارنا، سیاہ لباس پہن کر سوگ و سیاپا کرنا وغیرہ۔

تعزیتِ جسمانی امام حسین تعزیت جسمانی مختلف صورتوں سے کی جاتی ہے مشہور **اور تعزیہ مروّجہ۔** یہ ہے کہ یہ روضۂ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل ہے جس کو "تعزیۂ امام حسین" بھی کہتے ہیں، جو کہ بانس اور کاغذ وغیرہ سے بنا سجا کر باجوں اور ماتمی مرثیوں کے ساتھ ہر سال محرم میں نکالا جاتا ہے اور بہت سی ناجائز چیزوں پر مثلاً طائف کا ہمراہ ہونا، بلا حجاب و نقاب غیر محرموں کے ساتھ عورتوں کا خلط ملط ہونا، فرائض شرعیہ و دیگر ضروریاتِ دین کو ترک کرنا، وغیرہ پر شامل ہوتا ہے اور جگہ کا تو صحیح حال معلوم نہیں مگر ہندوستان ہر سال محرم میں بڑے دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے۔

تعزیہ مروّجہ کی ابتدا کہا جاتا ہے کہ عہد تیموریہ میں اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ بعض وزیروں بیگمات، اور نیز بعض اہلِ لشکر شیعہ تھے اور ہندوستان میں قیامِ سلطنت و جنگ کے انتظامی معاملات کے باعث وہ ہر سال کربلائے معلیٰ نہیں جا سکتے تھے جس کی اُن کو از حد تکلیف و شکایت تھی، جب بادشاہ کو

اس کی خبر ہوئی تو اُس نے کربلائے معلیٰ سے روضۂ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل حاصل کی، کہ یہاں کے شیعہ اس نقل کے ذریعہ سے زیارت کربلا کا ثواب حاصل کریں، چنانچہ یہی ہوا اور کربلائے معلیٰ کی بجائے اس نقل کی زیارت ہونے لگی جس نے کم وبیش جلد یہ صورت اختیار کر لی، جو اب مروّج ہے۔ (تلخیص مرقع کربلا شیعی ص۸۳)۔

پھر اس میں بتدریج بڑی ترقی ہوئی اور اب تو اس کے ساتھ مسلّح گھوڑا جس کو خلافِ واقعہ دُلدُل اور ذوالجناح وغیرہ سے پکارا جاتا ہے، خونی لباس سے آراستہ کیا ہوا خاص نمونہ کا عَلَم بلند کئے، ماتمی لباس پہنے، ہاتھوں اور زنجیروں سے اپنے کو پیٹتے نوچتے، مختلف آوازوں سے مرثیہ خوانی، وغیرہ کرنے اور بہت سی چیزیں نکلنے لگی ہیں اور خدا جانے کہاں تک، اور کیا کیا نکلیں گی اور بہت سے جاہل اس تعزیہ کے ساتھ بعض ایسے برتاؤ کرتے ہیں جو کہ حدِ شرک تک پہنچ جاتے ہیں اور عجیب غریب حکایتیں تراش کر اسکے متعلق مشہور کی جاتی ہیں جن سے عام مسلم آبادی متاثر ہو کر گمراہ ہو جاتی ہے۔

زیارت۔ مشہور یہ ہے کہ کسی متبرک چیز کو دیکھنا، مگر شیعوں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ غسل کرے اور پاکیزہ پہنے اور کسی بلند جگہ پر جا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضۂ اقدس کی طرف متوجہ ہو کر حضرت امام کو خطاب کرتے ہوئے یہ سلام وصلوٰۃ پڑھے، مثلاً اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ اور دعا سے پہلے یا پیچھے دو رکعت نماز زیارت پڑھے۔ (زاد المعاد ملا مجلسی ص۳۹۷۔ تحفۃ العوام ص۲۱۷ کامل)۔

اثباتِ حکم کا طریقہ

جب ضروری الفاظ زیر بحث کی تشریح ہو گئی تو اب مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض وہ چیزیں جو کہ آئندہ ابحاث وتنقیدات کی صحت وسقم کے لئے معیار ہیں، مختصر طریقے سے عرض کر دوں اور وہ پانچ ہیں۔

۱۔ یہ کہ امور متنازعہ فیہا کیلئے سب سے اول، سب سے مقدم جو امر قولِ فیصل اور فیصلہ قطعی ہوگا وہ قرآن مجید اور حدیث پاک ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ — اے ایمان دارو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی

واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ج فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر

اور فرمانبرداری کرو اُس کے رسول کی اور فرمانبرداری کرو اُن کی جو تم میں سے اولی الامر (یعنی مجتہدین) ہیں پس اگر کسی امر میں مختلف ہو جاؤ تو (فیصلہ کیلئے) اللہ اور اُس کے رسول کی طرف پھرو، اگر تم اللہ اور قیامت کے ساتھ ایمان رکھتے ہو۔

وَاَیضًا قال اللہُ تعالیٰ۔ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ ط

اور فرمایا جو ما انزل یعنی قرآن مجید کے ساتھ فیصلہ نہ دیں وہی کافر ہیں۔

وَایضًا قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ لَّمْ یُحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ ط

اور فرمایا جو ما انزل یعنی قرآن کے ساتھ حکم نہ کرے وہی پکے فاسق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اپنے دینی و دنیوی جملہ معاملات میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اور جمہور ائمۂ مجتہدین کی اطاعت ازبس ضروری ہے اور اختلافی ضرورتوں میں شرعی اصول کو چھوڑ دینا بلکہ انکار کر دینا اور اپنی خواہش کو اختیار کرنا سخت بے دینی ہے۔

وایضًا قَالَ اللہ تَعَالیٰ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔

اور فرمایا جو کچھ تمہیں رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رُک جاؤ۔

وَاَیضًا قال اللہ تعالےٰ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط

اور فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالےٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو۔

وَاَیضًا قَالَ اللہ تعالیٰ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔

اور فرمایا جو ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ارادۃً مخالفت کرے اور مسلمانانِ عالم کی جمہوریت اور اکثریت کو چھوڑے ہم اُسکی نفسیات پر اُسے چھوڑ دینگے اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کرینگے جو کہ کسی حیثیت سے آرام کی جگہ نہیں ہے۔

وَاَیضًا قَالَ اللہُ تعالےٰ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اور فرمایا تیرے پروردگار کی قسم وہ اُس وقت، تک پکے سچے مسلمان نہیں ہو سکتے جبتک کہ وہ اپنے تمام اختلافات میں آپ کو منصف اور حَکَم نہ مان لیں، پھر آپکے فیصلہ کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے قطعی طور پر تسلیم نہ کریں۔

اِن آیاتِ کریمہ سے صاف ثابت ہے کہ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اس اَمر پر مجبور ہے کہ وہ اپنے تمام مناقشات کے طے کرنے میں قرآن مجید اور حدیث پاک کو حَکَم مانے۔

۲۔ یہ کہ بعض امور کے متعلق قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک میں بالتفصیل تشریح نہیں ہوتی لہذا اُن کی تشریح و تحقیق میں جمہور صحابۂ کرام اور تابعین و تبع تابعین و ائمۂ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ارشادات واجب التسلیم ہونگے۔

تفسیر ترجمان القرآن اللطائف البیان جلد ۱ صفحہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں ہے۔

۱؎ القرآن یفسر بالقرآن لان الایۃ منہ یکون مجملاً تارۃً ومفصلا اخرٰی

یعنی تفسیر میں یوں فرمایا گیا ہے کہ قرآن کا بعض حصہ چونکہ بطریق اجمال ہے لہذا اُسکی تشریح کیلئے سب سے اول قرآن مجید ہے۔

۲؎ معنی القرآن الذی فسرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو التفسیر المقدم علی الکل بل التفسیر ھو التفسیر لا غیرہ یجب اتباعہٗ علی الناس طراً۔

یہ کہ جو معنی قرآن مجید کا رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے وہ بہترین تفسیر ہے بلکہ یہی وہ حقیقی اور نفس الامری تشریح ہے کہ جس کی اتباع تمام لوگوں پر عین واجب ہے۔

۳؎ اذا لم یوجد تفسیر القرآن منہ صلی اللہ علیہ وسلم فلیفتش تفسیر الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لانھم ھم السابقون علی الکل فی الکل لانھم یعرفون الاحوال والقرائن

یہ کہ قرآنِ حکیم کے کسی امر کے متعلق اگر حدیث میں تفصیل موجود نہ ہو تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تفسیر تلاش کی جائے گی کیونکہ اُن کی تفسیر بلحاظ اس کے کہ وہ قرآن مجید کے اُن واقعات اور حالات

والواقعات التی نزل فیہا القراٰن الحکیم وبہا یبین القراٰن وھٰکذا فی تفسیر (ابن کثیر ص۲۴ تا ۷، جلد ۱)

کو جن پر قرآن مجید نازل ہوا ہے، اچھی طرح جانتے ہیں ہر امر میں ہر ایک سے مقدم ہوگی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء میں فرماتے ہیں

ان الخلافۃ الراشدۃ التی کانت قریبًا من ثلٰثین سنۃ کانت تتمۃ للنبوۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان ینبغی لہ ان تعیش ھٰذہ المدۃ ایضًا لکن الحکمۃ الالٰہیت اقتضت ان یوخذ ویوتی ھٰذہ الامر من صحابتہ الکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

خلافتِ راشدہ جو کہ تقریبًا تیس سال تک ہے، وہ درحقیقت نبوت کا تتمہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام گویا حق تو یہ تھا کہ اتنی مدت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اور رہ کر خود بنفسِ نفیس خلافتِ راشدہ کے جملہ امور کو جو کہ تتمۂ نبوت تھے پایۂ تکمیل تک پہنچاتے لیکن حکمتِ ایزدی اور مشیّت الٰہی اس امر کی متقاضی ہوئی کہ آپ کے بعد یہ جملہ امور آپ کے فیض یافتہ افراد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے ذریعہ سرانجام پائیں۔

حدیث شریف میں ہے۔

عن العرباض بن ساریۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجھہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منہا العیون وَجَلَتْ منہا القلوب فقال رجل یا رسول اللہ کان ھٰذہ موعظۃ مودّع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ

یعنی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا وعظ فرمایا کہ آنکھیں رونے لگیں اور دل خوفزدہ ہو گئے، ایک شخص نے عرض کی حضورؐ یہ وعظ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی اپنے پسماندگان کو بوقت مفارقت کچھ کلمات وداعیہ کہتا ہے لہٰذا آپ ہمیں کچھ وصیت فرمائیے آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے امیر کی پوری

وان کان عبداً حبشیا فانہٗ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ فی الضلالۃ (مشکوٰۃ شریف)

پوری اطاعت کرو گو وہ حبشی ہی کیوں نہ ہو بلاشبہ جو شخص میرے بعد رہیگا وہ کثیر التعداد اختلاف دیکھے گا پس تم اُس وقت میری اور میرے صحابہ کی سنت کو مضبوط پکڑو گویا کہ تم اپنی ڈاڑھوں سے ایک چیز کو پکڑ رہے ہو اور ہر ایسی نئی چیز سے بچو جو کہ میری شریعت سے (اصولی طور پر) ثابت نہ ہو۔ کیونکہ ایسی ہر نئی چیز بدعت ہے اور یہ بدعت گمراہی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یاتی بعد ذالک قوم تسبق شہادتہم ایمانہم وایمانہم شہادتہم (ازالۃ الخفا وصحاح ستہ)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ ہیں پھر وہ جو دوسرے زمانہ اور قرن آئیں گے پھر وہ جو تیسرے زمانہ اور قرن میں آئیں گے پھر ایسی حالت ہو جائیگی کہ ایک قوم ایسی آئیگی کہ ان کی قسمیں ایمان سے پیشتر اور ایمان قسموں سے پہلے ہونگے یعنی اتنے حریص ہوں گی کہ بلا وجہ اور ناجائز طریقہ پر بلا بُلائے شہادت دے گی اور کذب وافترا کا طریقہ اختیار کرے گی۔

ان حوالجات مذکورہ سے واضح ہوا کہ وہ حضرات جو کہ زمانہ مشہود لہ بالخیر یعنی صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین میں موجود تھے، اُن کے ارشادات بوجہ تتمہ نبوت ہونے اور قرآن وحدیث کی صحیح تشریح ہونے کی حیثیت سے نہ صرف واجب العمل بلکہ قرآن وحدیث کے بعد سب سے مقدم اور بُرہان مستحکم ہوں گے، ان کو چھوڑنا تقاضائے ایمان کے سخت خلاف ہے۔

۳۔ یہ کہ بعض چیزیں جیسے قرآن شریف اور حدیث پاک میں مبہم اور غیر مشرح ہوتی ہیں۔ اُسی طرح صحابہ کرام وتابعین وتبع تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی اُنکی کوئی تفصیل اور تنقیح مذکور نہیں ہوتی، بناء علیہ جو تشریح علماء اور صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ باتفاق آرا

سب مل کر فرمائیں گے اور اُس پر اجماع کر لیں گے وہ قطعاً حجت ہوگی۔ قرآن پاک میں فرمایا۔

من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیراً

یعنی جو ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بالقصد مخالفت کرے اور عام مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے ہم اُسی کی خواہشات پر اُسے چھوڑ دیں گے اور جہنم کی دھکتی ہوئی آگ میں داخل کریں گے جو کہ بہت بُرا مقام ہے۔

حدیث میں ہے۔ ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالۃ (ترمذی)

(فرمایا) کہ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا۔

حدیث میں ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ من شذ شذ فی النار (ابن ماجہ)

(فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت جماعت کے شامل حال ہے، جو الگ ہوا دوزخ میں پڑا۔

حدیث میں ہے۔ من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقه (ابوداؤد)

(فرمایا) کہ جو شخص عام جماعت سے ایک بالشت بھر بھی علیحدہ ہوگا اُس نے قطعاً اپنی گردن کو علاقہ اسلام سے آزاد کر دیا۔

حدیث میں ہے۔ وایاکم والشعاب علیکم بالجماعۃ والعامۃ (رواہ احمد)

(اور فرمایا) بچاؤ اپنے نفسوں کو بُرے راستوں سے اور جماعت اور جمہوریت کا ساتھ لازم پکڑو۔

کتاب الذبیح صہ ۱۹ مصنفہ سید علی رضی الرضوی القمی بن علامہ سید علی الحائری شیعی صاحب تفسیر لامع التنزیل میں بعنوان "اصلاح مراسم تعزیہ داری" ارشاد ہے۔

"پس دانشمندی یہی ہے کہ مومنین تعزیہ داری میں افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں کو چھوڑ دیں جن کی کوئی بھی اصلیت مذہب میں نہیں ہے اور جن اعمال کے متعلق مذہب حق پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور کم از کم حضراتِ علماء مجتہدین کا معمول بہ ہے وہی حدِّ اوسط تعزیہ داری میں سمجھ لیں اور بلاشبہ اُس کو اپنا شعار قرار دیں کیونکہ فعل علماءِ اعلام لازماً حضراتِ ائمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال و اعمال سے مستنبط اور ماخوذ ہوگا۔ عوام الناس کا اپنے خیال اور اپنے قیاس سے کسی چیز کو اچھا یا زینتِ اسلام کا موجب اور ترقیٔ مذہب کا

باعث سمجھ لینا، اور اُس کو مذہب میں داخل کر لینا، مذہباً کسی طرح جائز نہیں ۔"

صافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جلد سوم باب چہاردہم صد۴۲۸ میں ہے۔

عن ابی عبد الله علیه السّلام قال ما جاء به علیّ علیه السّلام اخذ به وما نهی منهُ انتهی عنه جری له من الفضل مثل ما جری لمحمد صلے الله علیه واٰله وسلم ولمحمد صلعم الفضل علی جمیع من خلق الله عزّ وجلّ المتعقب علیه فی شیئ من احکامه کالمتعقب علی الله وعلی رسولهٖ الراد علیه فی صغیرة او کبیرة علی حد الشرك بالله الخ

امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ جو احکام علی علیہ السّلام سے مروی ہیں اُن سے جو کرنے کے لئے ہیں اُن پر عمل کرنا اور جو نہ کرنے کے ہیں انکو ترک کرنا مخلوق پر ازبس ضروری ہے۔ یہ اسلئے کہ زمانہ نبوی میں جو فضائل و فواضل سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے ثابت تھے وہ تمام کے تمام حضرتِ علی علیہ السّلام کے لئے آپ کے زمانہ امامت میں ثابت تھے۔ اور حضور علیہ السّلام کیلئے تمام مخلوق پر فضیلت ثابت ہے لہذا علی علیہ السّلام کیلئے بھی سب پر ثابت) اور علی علیہ السّلام پر عیب جوئی کرنے والا گویا خدا تعالیٰ اور رسولِ پاک کی عیب جوئی کرنے والا ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے کسی چھوٹے یا بڑے مسئلہ کو رد کرنے والا گویا اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے ۔"

نیز کتاب مذکور کے صفحہ ۸۵ پر ہے۔

وکذالك یجری لائمة الهدٰی واحد بعد واحد جعلهم الله ارکان الارض ان تمید باهلها وحجة الله علی من فوق الارض ومن تحت الثرٰی

"اور اسی طرح ائمہ ہدایت کی اوامر ونواہی میں اطاعت و فرمانبرداری کرنا سب مخلوق پر ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے انکو ارکانِ ارض بنایا ہے۔ ارضی کائنات کا نظم ونسق انہی کی بدولت ہے۔ انہی کی وجہ سے زمین میں سکون و قرار پیدا ہے اور انکی اطاعت اُن جملہ افراد پر جو کہ زمین کے اُوپر رہتے ہوں یا نیچے تحت الثرٰی میں واجب اور ضروری ہے ۔"

ان ہر دو روایتوں سے جو کہ شیعہ حضرات کی ایک معتبر و مستند کتاب میں مذکور ہیں۔ ثابت ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور دیگر ائمہ کرام کیلئے اُن کے اپنے اپنے عہد

امامت میں وہ تمام فضائل وکمالات موجود تھے جو کہ حضور سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے زمانۂ نبوت میں حاصل تھے، ان کی اطاعت ضروری وواجب تھی، سفلی وعلوی ساری مخلوق اُن کی مامور تھی اور اُنکی مخالفت سخت بے دینی ہے۔

فضائل نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام میں کسی غیر کو شریک کرنے میں اور کسی کو شائد تامل ہو۔ لیکن شیعہ حضرات کو انکی مسلمہ صحیحہ مذکورہ روایات کی بناء پر کوئی شک نہیں، انکے نزدیک غیر نبی فضائل نبوّت میں شریک ہوسکتا ہے اور غیر نبی ائمہ کرام کی اطاعت کرنا اُن کے ارشادات تسلیم کرنا اوامر ونواہی کو بجالانا، مخالفت نہ کرنا اُسی طرح ضروری ہے جیسا کہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔

ان تفریحاتِ عامۃ الفہم سے واضح ہوا کہ سرور دوعالم فخر بنی آدم وآدم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی اُمت من حیث الجمہوریت کا اجتماع "تاقیامت کسی ایسی چیز پر نہیں ہوسکتا جو کہ موجب ضلالت اور ذریعہ خسارت ہو، بلکہ امت کی اکثریت جس امر پر متفق اور متحد ہوگی۔ وہ واقع اور نفس الامر کے عین مطابق ہوگی اور ایسی عام اور وسیع جماعت سے الگ تھلگ رہنے والا قطعًا اسلامی علاقہ سے آزاد ہے۔ اور ائمہ معصومین حضور سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جملہ کمالات میں برابر کے شریک ہیں اور رسول کی طرح ان کی اطاعت ضروری اور فرض ہے، ائمہ پر کسی طرح کا شک گویا اللہ اور رسول پر شک ہے کائنات عالم کے وجود وبقا کے لئے ایک معیاری اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

نوٹ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ آپکے کسی کمال میں کسی نبی اور رسول کو شریک ماننا انصاف کا خون ہے، چہ جائیکہ کسی غیر نبی اور رسول کو آپ کے جملہ کمالات میں شریک تسلیم کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ عالم امکان اور موجودات بالا وپست میں سے کوئی چیز حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کمال میں شریک نہیں آپ اپنے جمال وکمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ بلکہ یوں کہئے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی وحدانیت اور وصفِ الوہیت میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ اسی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام اپنی وصف محبوبیت اور سمت مصطفائیت میں وحدۂ لاشریک ہیں باقی اپنی مرضی سے جو کسی کا دل چاہے کہتا پھرے، شاعر نے کیا اچھا کہا ہے ؎

نقاش ازل نے صفحہ دہر پہ تیری تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

۴۔ یہ کہ بعض وقت اُمور متنازع فیہا کے فیصلہ کیلئے مدعی کے وہ مسلّمات پیش کئے جا سکتے ہیں جن کو اُس نے خود مقرر کیا ہو، کیونکہ جب اُس کے ہی تسلیم شدہ امور سے بحث کا خاتمہ ہو سکتا ہے، تو اُس سے بڑھ کر اور ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔

۵۔ یہ کہ انسان طبعًا آزاد نہیں ہے، کیونکہ انسان بوجہ مخلوق ہونے کے اپنے قیام و بقا میں ہر ایک آن وحین میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف محتاج ہے۔ اور احتیاجی اور آزادی ہر دو متضاد مفہوم ہیں۔ لہٰذا انسان فطرتًا اور طبعًا آزاد نہیں ہو سکتا کہ جس چیز کو چاہے بلا روک ٹوک اُسے کر سکے یا شرعی احکام سے الگ تھلگ رہ سکے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آزادی کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى۔ (سورہ قیامہ پارہ ۲۹)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اُس کو بیکار چھوڑ دیا جائے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورہ المؤمن پارہ ۱۸)

کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث پیدا کر رکھا ہے اور تم ہماری طرف واپس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی یہ ہر دو صورتیں نہیں ہیں، بلکہ انسان اپنے ہر امر میں ہر نشیب و فراز میں ہر وقت اپنے اُس خالق و مالک کی طرف محتاج ہے جس نے بفحوائے انا کل شئی خلقنٰہ بقدر (ہم نے بلاشبہ ہر ایک چیز کو بہ اندازہ پیدا کیا ہے) اس کو پیدا کیا، اس کی جملہ ضروریات کو مقدر فرمایا، سب قوٰی کو ایک خاص مقدار پر قائم کیا ہے اور پھر جبکہ انسان اپنے قانون شخصی ہوں یا جمہوری سے کسی طرح اور کسی وقت آزاد نہیں ہو سکتا تو شرعی قوانین اور مذہبی قیود سے کس طرح آزاد ہو سکتا ہے؟ بہر صورت یہ خیال کرنا کہ انسان فطرتًا آزاد ہے، جو چاہے کرے، جدھر چاہے جائے کوئی حساب نہیں کوئی کتاب نہیں، کوئی مصلح کوئی شریعت، کوئی قانون اس کی طبعی آزادی کو ضائع

نہیں کرسکتا، از سرتا پا غلط، بلکہ اغلط ہے، ہرگز قابلِ قبول کیا قابلِ التفات بھی نہیں، بلکہ وہ مکلف ہے کہ اپنی زندگی کے جملہ حالات و کوائف کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ڈھالے اور کبھی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کرے جو کسی وقت بھی جاکر موجب ندامت ہو سکے۔

خلاصہ یہ کہ یہ پانچ چیزیں جن کا تذکرہ بالاختصار مذکور ہوا، بحث کے طے کرنے کیلئے از بس ضروری ہیں مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے اپنے تمام مناقشات اور مشاجرات کو ان کی روشنی میں فیصلہ کر سکتا ہے۔

بنا بریں ناظرین اور قارئین حضرات سے التجا ہے کہ وہ کتاب مذکور کی بھی ہر بحث کو پڑھتے وقت ان امور خمسہ کو پیشِ نظر رکھیں اور بار بار کتاب کا مطالعہ فرمائیں، انشاء اللہ تعالےٰ مضامین کی صداقت روزِ روشن سے زیادہ واضح نظر آئیگی اور امید ہے کہ تعزیہ داری کے سلسلے میں افراط و تفریط، کمی و بیشی سے آپ کی طبیعت قطعاً متنفر ہو جائے گی بلکہ آپ کو مجبور کر دے گی کہ آپ ایک صاف مختصر اصحیح، سیدھا راستہ اختیار کریں۔ جو کتاب و سنّت کی روشنی میں ثابت ہو اور وہ وہی ہے جو بزرگانِ اہلِ سنت و جماعت نے اختیار کر رکھا ہے۔

ان ضروری امور کے سمجھ لینے کے بعد اب اصل مسئلہ کا جواب لکھا جاتا ہے، غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

قرآنِ مجید میں ماتم کا حکم اور شہدا کی زندگی

قرآنِ مجید و فرقانِ حمید میں باوجودیکہ وہ تمام دنیوی و اُخروی مصیبتوں کا مکمل حل ہے ہر ایک مشکل سے نجات کا ذریعہ بتاتا ہے، ہر نفع و نقصان پر آگاہ کرتا ہے، مگر اس کا کہیں نام و نشان موجود نہیں ہے کہ انسان کسی جانی یا مالی مصیبت میں صبر کو ہاتھ سے چھوڑ دے، جزع و فزع کو اختیار کرے اور شریعت کے خلاف بہت سی چیزوں کا ارتکاب کرتا پھرے بلکہ اُس کو ہدایت کی ہے کہ وہ ہر رنج و غم، ہر مصیبت و زحمت میں ضبط و استقلال سے کام لے مردانہ وار اُس کا مقابلہ کرے اور شریعتِ مطہرہ کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔

چنانچہ ارشادِ باری عزّ اسمہٗ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (بقرپ ۲)	اے ایمان والو اپنی مصیبتوں میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہو بلاشبہ اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے اور شہیدوں کیلئے یہ مت کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ (کہو کہ وہ) زندہ ہیں لیکن تم انکی زندگی سمجھ نہیں سکتے ہو اور البتہ ضرور ہم تمہارا امتحان لیں گے خوف، بھوک، نقصان مالی و جانی تباہی پیداوار کی وجہ سے، آپ ایسے صبر کرنیوالوں کو (جنت کی) خوشخبری سُنائیں جو کہ عین مصیبت کے وقت بجز اِنّا للّٰہ و انّا الیہ راجعون (یعنی ہم اللہ کی ملک ہیں اور

مرکر اسی کی طرف جانا ہے) کے اور کچھ زبان پر نہیں لاتے یہ لوگ ہیں کہ اُنہیں پر خدا تعالیٰ کی عنایتیں ہیں اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ان آیات سے کیا ثابت ہوا؟ (۱) ہر مصیبت کو جانی ہو یا مالی دنیوی ہو یا اُخروی چھوٹی ہو یا بڑی، صبر و عبادت سے حل کیا جائے یعنی صبر اختیار کیا جائے اور عبادت الٰہی پر ہمیشگی کی جائے، بفضلہ تعالیٰ وہ مصیبت دُور ہو جائے گی (۲) ایسے صبر و استقلال سے خدا تعالیٰ کی معیّت نصیب ہوتی ہے (۳) جو لوگ خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے جان تک قربان کر دیتے ہیں اُن کو دل سے کیا زبان سے بھی مُردہ مت کہو (۴) ایسے شہیدوں کی زندگی عام طور سمجھی نہیں جا سکتی (۵) ہر ایمان دار کیلئے حتمی اور واجبی طور پر امتحان لینے کا اعلان کیا گیا ہے کہ ظالم بادشاہوں سے تم کو خوفزدہ کیا جائیگا اور روزہ و جہاد اور قحط سالی کی وجہ سے تمکو بھوکا رکھا جائیگا، تمہاری تجارتوں میں بسا اوقات نقصان ہوگا، اولاد مختلف اسباب کی وجہ سے ہلاک ہوگی اور پیداوار متعدد آفتوں سے تباہ ہوگی (۶) جو ایماندار ایسے امتحان میں صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے اور سوائے قول انّا للّٰہ الآیہ کے اور کچھ زبان پر نہ لائیں گے۔ اُن پر خدا تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور عنایتیں نازل ہونگی اور درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصلی ہدایت نصیب ہوتی۔

قتل کئے گئے ہیں اُن کو ہرگز ہرگز مُردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ تو اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے اس سے خوش ہیں۔ اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اُبتک اُن سے نہیں ملے ہیں۔ اُن کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں۔ کہ اُن پر کسی طرح کا خوف نہیں ہے۔ اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے' خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں' اور اس کی کہ اللہ مومنوں کے کسی اجر کو ضائع نہیں کرتا"

تفسیر مجمع البیان میں جناب محمد باقرؒ سے منقول ہے کہ یہ آیت شہداءِ بدر و اُحد کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو راہِ خدا میں قتل ہُوا ہو' جہاں جانِ طلب رضائے خدا میں دینی پڑتی ہے' یا جہادِ اکبر میں قتل ہُوا ہو جہاں ریاضت سے ہر خواہش نفسانی کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر عباسی میں جناب امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں جہاد کی طرف بہت راغب ہوں' اور مجھے اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے' حضرت نے فرمایا ضرور تو راہِ خدا میں جہاد کر کہ اُسکی ہر صورت میں فائدہ ہے یعنی اگر تو اس میں قتل ہو گیا تو حقیقت میں تو نے ہمیشہ کے لئے زندگی پائی اور تو خدا کے پاس رزق پائے گا۔ اور اگر تو جہاد کی تیاری یا عین جہاد میں اپنی موت سے مر گیا تب بھی خدا کے ذمہ تیرا اجر رہا۔ اور اگر صحیح وسلامت واپس آیا تو کوئی گناہ تیرے ذمہ نہیں۔ پھر آنحضرت نے فرمایا کہ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا کی یہی تفسیر ہے۔

امام جعفر صادقؒ سے یہ روایت ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت سے یہ عرض کیا کہ عوام الناس یہ روایت کرتے ہیں کہ مؤمنین (یعنی شہداء) کی روحیں عرش خدا کے گرداگرد سبز پرندوں کی پوٹوں میں رہیں گی۔ حضرت نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں' مومن کی عزت خدا کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ ہے کہ وہ اُس کی روح کو کسی پرندہ کے پوٹے میں جگہ دے' بلکہ ان روحوں کو اور بدن مثل ان کے پہلے بدنوں کے دیئے جاتے ہیں (از حاشیہ ترجمہ مقبول احمد مذکور)

شیعی تفسیر "عمدۃ البیان" مطبوعہ مطبع یوسفی دہلوی جلد اول صہ ۶۸ مصنفہ فاضل

اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ط يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

ہیں اُن کو مُردہ خیال کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے ربّ کے پاس سے روزی پاتے ہیں (اور) جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُس پر خوش ہیں اور وہ اُن لوگوں کی طرف سے بھی کہ جو اُنکے پیچھے (دنیا میں زندہ ہیں) اور ابھی ان میں جا کر شامل نہیں ہوئے ہیں خوشیاں مناتے ہیں کہ ان پر کچھ بھی خوف اور غم نہیں۔ خدا کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ کسی مومن کا اجر ضائع نہیں کرتا خوشیاں مناتے ہیں۔"

اسی طرح شیعی تفسیر عمدۃ البیان کے صہ ۲۰۴ پر ہے۔

حضرات اِن آیاتِ مبارکہ سے کیا ثابت ہُوا؟ (۱) جو لوگ فی سبیل اللہ (محبتِ الٰہی یا تلوار کافر سے) شہید ہوگئے اُن کے متعلق اعتقاد رکھنا اور زبان پر لانا کہ وہ مُردہ ہیں، یہی فقط منع نہیں، بلکہ خیال تک نہ کرو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ زبان و اعتقاد سے وہم و خیال سے یہ کہو کہ وہ حقیقی زندگی سے بہرہ ور ہیں (۲) وہ اپنے خاص مقام میں مشاہدۂ انوارِ الٰہی اور معائنۂ تجلیاتِ ربانی اور جنت کی بیشمار نعمتوں سے محظوظ ہوتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، ہر طرح اَمن و چین میں ہیں (۳) اپنے اعزہ و اقارب، دوستوں اور آشناؤں کا جو اُن کے شریکِ کار تھے۔ اُن کو انتظار رہتا ہے کہ دیکھیں وہ کیسے ہم تک پہنچتے ہیں (۴) اُن کو خوشخبری سنائی جاتی ہے کہ جن کا تم کو انتظار ہے۔ اُن پر کچھ خوف و غم نہیں ہے وہ ابھی تمہارے پاس آتے ہیں (۵) اُن کو مژدہ و بشارت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کا اجر ضائع نہیں کرتا تم اپنی نوکری پُوری کر چکے ہو، اب تم پر اس کی رحمت اور فضل و کرم ہے ؎

صابروں پر جبکہ ہوتا ہے مصیبت کا نزول — اناللہ کہہ کے کر لیتے ہیں وہ اُسکو قبول
اُنکے بڑھتے ہیں مدارج جنت الفردوس میں — حاسد انکے سب نظر آتے ہیں غمگین و ملول

راہِ حق میں جان دے کر ہو گئے زندہ حسینؑ
تو اُنہیں مُردہ سمجھ کر بین کرتا ہے فضول

—— . ❖ . ——

عمار علی صاحب میں آیت مذکورہ کے نیچے یوں تفسیر کی ہے کہ،

"یہ آیت حضرت امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ جو کچھ اس آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتی ہے۔ اور رونا ان کی مصیبت پر ثواب عظیم رکھتا ہے، لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعتیں کر کے اپنے ثواب کو ضائع کرتے ہیں۔ باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی روایتیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تفویض کی روایتوں کو مجلسوں میں ذکر کر کے لوگوں کا ایمان فاسد کرتے ہیں۔ اور جو راگ شرع میں ممنوع ہے اُس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں۔ اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں، اور نامحرم اُن کی آوازیں سنتے ہیں، ان امور سے مومنین کو اجتناب ضرور چاہیئے، اور تعزیوں پر محتاج آدمی اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں اور کاغذ کی روٹی کتر کر باندھتے ہیں، کہ اگر میری آسودگی اور فراغت ہوگی تو ہیں چاندی کی روٹی گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھاؤں گا۔ اور بے اولاد آدمی کاغذ کا لڑکا کتر کر تعزیہ پر باندھتے ہیں۔ کہ ہمارے ہاں اگر بیٹا پیدا ہوگا تو ہم چاندی کا لڑکا گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھائیں گے اوّل تو یہ تصویریں انسانی ہیں اور تصویر بنانے سے اجتناب لازم ہے، اور سوائے اس کے حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہیئے، کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ غیر، بعض جہلا جو تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں، یہ طریقہ کفار اور مشرکین کا ہے۔ اور تعزیہ و عَلَم پہ زیارت کا پڑھنا نہ چاہیئے۔ البتہ اگر کربلائے معلّی کی طرف منہ کر کے حضرت امام حسین کے روضہ کی نیت سے زیارت پڑھیں تو مضائقہ نہیں۔"

خط کشیدہ الفاظ کو بار بار پڑھیئے اور ناجائز حرکات کا اندازہ کیجئے

اسی تفسیر جلد اول ص ۱۹۵ پر آیت فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ کے نیچے یوں لکھا ہے کہ "پس پہنچایا انہم کو غم پر غم تاکہ نہ غم کرو تم اپنے فوت شدہ پر اور نہ اپنے مصیبت زدہ پر کیونکہ مشہور ہے۔

اَلْمَوْتُ تَحْتَ ظِلَالِ السَّیْفِ مُکَرَّمَۃٌ — یعنی تلوار کی موت عزت کی موت ہے۔

نیز قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (اے مخاطب) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے

حدیث میں شہداء کی زندگی

حدیث شریف میں ہے۔

(۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَيْئٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلُ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بھی ایسا آدمی نہ ہوگا کہ دنیا کا سب مال لیکر دنیا میں آنا پسند کرے مگر شہید کہ احسانات خداوندی کو دیکھ کر جو کہ اس پر محض شہادت کی وجہ سے ہوئے ہیں، یہ خواہش کریگا کہ میں دنیا میں جاؤں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پھر ایک دفعہ نہیں بلکہ دس مرتبہ قتل کیا جاؤں۔

(۲) وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا يَطِيْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنِّىْ وَلَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ۔

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر بعض ایسے لوگ نہ ہوتے جو مجھ سے پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتے اور نہ میں ایسی چیز رکھتا ہوں کہ اُسکو اپنے ساتھ لے چلوں تو میں مجاہدین کی چھوٹی سے چھوٹی جماعت سے پیچھے نہ رہتا اور اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں اس بات کو محبوب سمجھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

(۳) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْنَا عَبْدَ اللهِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ الاية قَالَ اِنَّا قَدْ سَاَلْنَا

مسروق (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ الآیۃ کی تفسیر دریافت کی انہوں نے جواب دیا

مندرج ہیں بڑے زور سے کی جاتی ہیں، قرآنی تعلیم سے سخت خلاف ہے۔ اور بالکل ناجائز کیونکہ جو حضرات اپنی مراد کو پہنچے ہوں، چین کی زندگی بسر کر رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سرشار ہوں۔ اُس کے فضل و کرم سے خوش و خرم ہوں، اپنے پچھلوں کی پریشانی سے بھی نڈر ہوں، جنت میں، انوارِ الٰہی سے مخمور ہوں، سعادتِ ابدی سے بہرہ اندوز ہوں، اُن کی حقیقی زندگی کا قرآنِ کریم اعلان کرتا ہو، اور بموجب ارشادِ الٰہی اُن کی موت کا خیال تک حرام اور ناجائز ہو، وہ لطفِ شہادت سے محظوظ ہونے کے لئے پھر دنیا میں آنے کی آرزو کریں، اللہ تعالیٰ اُن کی بار بار دلجوئی فرمائے۔ بلکہ خود حضور علیہ السّلام اس شہادت کی بار بار تمنّا کریں، اور امت کو ترغیب دیں۔ اور قیامت تک اُس کے حصول کی اُمید دلائیں، اُنکو پیٹنا اور ناجائز واویلا کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس طرح کے ماتم سے شہداء کی روحیں ناراض اور تنگ نہیں ہوتیں؟ کیا وہ پریشان نہیں ہوتیں؟ ضرور ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ ائمۂ اطہار کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے ؎

نوحہ لائق نیست بر خاکِ شہیداں زانکہ ہست

کمتریں دولتِ ایشاں بہشت برتریں

بہر نہج یہ ماتمی رونا پیٹنا وغیرہ قرآن مجید کی رُو سے ناجائز و حرام ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمۂ اہل بیت اور دیگر بزرگانِ دین نے اس سے پرہیز کیا اور دوسروں کو روکا، اور ایک بال برابر شریعت سے علیحدہ نہیں ہوئے، ہر مصیبت کا نہایت اولوالعزمی اور استقلال قدمی سے مقابلہ کیا۔ اور دوسروں کو صبر و ثابت قدمی کی زبردست تلقین کرتے رہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ وہ چیز جو قرآن کی تعلیم کے خلاف ہو، اُس کو اپنی پہلی فرصت میں ترک کر دے اور دوسروں کو ہدایت کرے۔ کیونکہ قرآن مجید کے حکم کا انکار کفر ہے۔

اَحادیث میں ماتم کا حُکم

اس میں شبہ نہیں کہ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم نے انسانی

زندگی کی جملہ ضروریات کو بیان فرمایا ہے، بہترین اخلاق کی ہدایت کی ہے خطرناک صورتوں سے آگاہ کیا ہے۔ اخوت و محبت کے طریقوں کو واضح کیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی بھی سخت ممانعت فرمائی ہے کہ انسان جانی و مالی مصیبت پر کسی اندوہ و پریشانی میں اپنا صبر و استقلال ترک کر دے، اور کسی کی محبت اور تعلق کی خاطر خلافِ شرع چیزوں کو اختیار کرلے چنانچہ آپ کا قول و فعل اس پر شاہدِ عدل ہے۔

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ

(بخاری و مسلم)

حضرتِ عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے "وہ اسلامی جماعت سے خارج ہے جو ماتم میں رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور زبان سے جاہلانہ باتیں کرے۔

(۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَیْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَکَتِ النِّسَآءُ فَجَعَلَ عُمَرُ یَضْرِبُھُنَّ بِسَوْطِہٖ فَاَخَّرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سَلَّمَ بِیَدِہٖ وَقَالَ مَھْلًا یَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ اِیَّاکُنَّ وَنَعِیْقَ الشَّیْطَانِ ثُمَّ قَالَ اِنَّہٗ مَھْمَا کَانَ مِنَ الْعَیْنِ وَمِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَمِنَ الرَّحْمَۃِ وَمَا کَانَ مِنَ الْیَدِ وَمِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّیْطَانِ

(رواہ احمد)

حضرت ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہوا تو عورتوں نے رونا شروع کر دیا پس حضرتِ عمر نے ان کو مارنا شروع کر دیا، جس پر حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کو پیچھے ہٹایا اور کہا ان کو چھوڑ دو، پھر اُن عورتوں سے فرمایا کہ دیکھو شیطانی آواز مت نکالیو (یعنی نوحہ گری) پھر فرمایا جو رونا آنکھ اور دل سے ہو وہ جائز ہے اور اللہ کی رحمت ہے اور جو ہاتھ اور زبان سے وہ شیطانی فعل ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّائِحَۃَ وَالْمُسْتَمِعَۃَ (ابوداؤد)

ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی ہر دو پر لعنت کی ہے۔

(۴) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلنَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَعَلَیْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (رواہ مسلم)

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اگر بے توبہ مر جائیگی تو قیامت کے دن ایسا لباس پہنے اُٹھے گی جو ذرا سی آگ سے جل اُٹھے اور پہننے والی کو جلا دے۔

(۵) کنز العمال صفحہ ۱۱۹ جلد ۸ اور اسی طرح بخاری شریف میں بھی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ نَعْیُ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَزَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُعْرَفُ فِیْ وَجْهِهِ الْحُزْنُ وَاَنَا اَطَّلِعُ مِنْ شِقِّ الْبَابِ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ فَذَکَرَ مِنْ بُکَائِهِنَّ قَالَ فَارْجِعْ اِلَیْهِنَّ فَاسْکِتْهُنَّ فَاِنْ اَبَیْنَ فَاحْثُ فِیْ وُجُوْهِهِنَّ التُّرَابَ

یعنی حضرت اُم المؤمنین عائشہ سے روایت ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب اور زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضور علیہ السلام مسجد میں تشریف فرما ہوئے کہ آپکی ذات سے آثارِ غم ظاہر ہو رہے تھے اور میں دروازہ کی دراز سے دیکھ رہی تھی کہ ایک آدمی نے یہ آکر کہا کہ یا رسول اللہ جعفر کے گھر والے رو رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا واپس جا اور اُن کو خاموش کرا۔ اگر وہ نہ مانیں تو اُن کے مونہوں میں مٹی ڈال (یعنی اگر نہ مانیں تو واپس چلا آ، خود محسوس کریں گے)۔

(۶) کنز العمال ص۱۱۱۔ عَنْ نَصْرِ بْنِ اَبِیْ عَاصِمٍ اَنَّ عُمَرَ سَمِعَ نَوَّاحَةً بِالْمَدِیْنَةِ لَیْلًا فَاَتَاهَا فَدَخَلَ عَلَیْهَا فَفَرَّقَ النِّسَاءَ فَاَدْرَكَ النَّائِحَةَ فَجَعَلَ یَضْرِبُهَا بِالدِّرَّةِ فَوَقَعَ خِمَارُهَا فَقَالُوْا شَعْرُهَا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَقَالَ اَجَلْ فَلَا حُرْمَةَ لَهَا۔

نصرؓ بن ابی عاصم سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت عمرؓ نے مدینہ شریف میں نوحہ کرنیوالی کی خبر سُنی پس اُس کے پاس پہنچے عورتوں کو وہاں سے نکال دیا اور اُس نوحہ کرنے والی کو دُرّے سے خوب مارا کہ اُسکی اوڑھنی گر گئی۔ حاضرین نے کہا کہ اے امیر المومنین اسکے بال ننگے ہو گئے اور اسکی بے عزتی ہو گئی آپ نے فرمایا درست ہے لیکن اسکی کیا بے عزتی ہے کیونکہ اس نے خود ہی خلافِ شرع کام کرنے سے اپنی عزت برباد کر ڈالی ہے۔

(۷) ابن ماجہ میں ہے۔ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلٰوۃً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِھَادًا وَلَا صَرْفًا وَلَا عَدْلًا یَخْرُجُ مِنَ الْاِسْلَامِ کَمَا یَخْرُجُ الشَّعْرَۃُ مِنَ الْعَجِیْنِ۔

فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بدعتی شخص کی نماز، روزہ، صدقہ، حج، عمرہ، جہاد، نفلی عبادت اور فرضی عبادت کوئی چیز قبول نہیں فرماتا اور وہ بدعتی اسلام سے اس طرح نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

کنز العمال بحوالہ ترمذی اور طبرانی کبیر میں ہے۔

(۸) مَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا اَوِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ اَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْہِ فَعَلَیْہِ لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ مِنْہُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا

جو شخص کوئی بدعت خلاف شرع پیدا کرے یا بدعتی کو جگہ دے یا اپنے باپ کی بجائے کسی اور کی طرف منسوب ہونے لگے یا اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا آقا بنالے ایسے پر خدا تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور سب جہان کی لعنت اللہ تعالیٰ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں فرمائے گا

(۹) حضور علیہ السلام جنگ اُحد میں جب اپنے بہادر اور بہترین مددگار چچا حضرت حمزہ کی نعش پر آئے اور اُن کو ٹکڑے ٹکڑے ہوئے دیکھا تو باوجود ان کی سخت محبت کے کبھی نہ جزع و فزع کی، نہ آہ کھینچی اور نہ آنسو بہائے، بلکہ ارشاد فرمایا کہ اگر بنی عبد المطلب کی عورتوں کی پریشانی کا خیال نہ ہوتا تو میں نعش کو اس حال پر چھوڑ تا کہ اس کو درندے کھا جاتے تاکہ قیامت میں ان کا حشر ان کے شکموں سے ہوتا، اگرچہ یہ حادثہ ناقابل برداشت ہے لیکن اس کا ثواب بھی بہت بڑھ کر ہے (حیات القلوب ص ۲۲۳)

(۱۰) جب جنگ اُحد سے آپ مدینہ شریف میں واپس تشریف لائے تو پردہ نشینان انصار آپ کے در دولت پر تعزیت اور ماتم پرسی کیلئے جمع ہوئیں اور حضرت حمزہ کا ماتم کرنے لگیں۔ تو حضور علیہ السلام نے انکی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں ہے، یہ سن کر مومنات نے نوحہ بند کر دیا۔ (سیرت النبی)

(۱۱) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تین صاحبزادے حضرت ابراہیم، حضرت عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا، حضرت قاسم اور چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت خاتونِ جنت فاطمۃ الزہرا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (حیات القلوب قلمی ص۹۴۴) یعنی کل سات بچے تھے جن میں سے چھ تو حضور علیہ السلام کی زندگی پاک میں ہی واصل بحق ہو گئے۔ اولاد کا صدمہ سب مصیبتوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کسی پر بھی نوحہ و ماتم نہیں فرمایا۔ چنانچہ جب طیب و طاہر مکہ معظمہ میں فوت ہوتے ہیں اور دفنا کے حضور علیہ السلام خانہ اقدس میں تشریف لاتے ہیں تو مرحوم کی والدہ ماجدہ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صدمۂ فراق سے رو رہی تھیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں روتی ہو؟ عرض کیا کہ چھاتی سے دودھ جاری ہے۔ فرزند کا خیال دل میں جاگزیں ہے۔ اس کی جدائی نے بیتاب کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا، مت رو، کیا تجھ کو یہ پسند نہیں کہ جب تو بہشت کے دروازے پر پہنچے تو طاہر کو اس جگہ کھڑا دیکھے اور وہ تیرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں بہت اچھی جگہ پر لے جائے۔ یہ سُن کر حضرت خدیجہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ درجہ ہر اُس عورت کو مل سکتا ہے جو اپنے فرزند کی وفات پر صبر کرے؟ فرمایا جو بھی صبر کرے اور شکرِ الٰہی بجا لائے اُس کو اللہ تعالیٰ عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ (حیات القلوب قلمی ص۱۰۱۵)

ناظرینِ کرام اس شیعی روایت سے یہ امر ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کے صدمۂ وفات پر جزع و فزع کیا بلکہ رونے سے بھی منع فرمایا، جس سے ثابت ہوا کہ موجودہ ماتم یقیناً عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۱۲) حضور علیہ السلام کی بڑی پیاری بیٹی سیّدہ حضرت زینب ۸ھ میں نہایت ظلم سے ہبار نامی کافر کے نیزہ کی ضربِ شدید سے شہید ہوئیں، اس صدمہ پر سب کو حضور علیہ السلام کے ساتھ ہمدردی تھی، مگر آپ نے صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ میت پر دل کا غم کھانا اور آنکھوں کا آنسو بہانا اللہ کی رحمت سے ہے۔ اور جو ماتم میں زبان اور ہاتھ کو حرکت دی جائے، وہ شیطانی فعل ہے (مشکوٰۃ شریف)

(۱۳) حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے آخری فرزندِ ارجمند

سیدنا حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۹ھ میں آپ کے سامنے واصل بحق ہوئے، دل کو صدمہ ہونا ایک فطری امر تھا، آنکھوں سے بلا اختیار آنسو بہنے شروع ہوئے، دل بھرا آتا تھا، لیکن آپ نے صبر کیا، زبان سے اگر کچھ فرمایا تو یہ کہ اے ابراہیم تیرے فراق سے غمناک ہوں، آنکھیں روتی اور دل جلتا ہے اور میں وہ بات نہیں کہتا جس سے خدا تعالیٰ ناراض ہو۔ صحابہ نے آنکھوں سے آنسو بہانے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ رحمتِ الٰہی ہے ہاں جزع حرام ہے۔ (حیات القلوب قلمی ص ۹۵۲)

(۱۴) ابنِ بابویہ نے بسندِ معتبر حضرت امام محمد باقر سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بوقتِ وفات سیدہ فاطمہ سے کہا کہ اے فاطمہ جب میرا انتقال ہو جائے اُس وقت تو اپنے بال میری جُدائی کی وجہ سے نہ نوچنا، اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا۔ (جلاء العیون ص ۶۵ و فروع کافی ج ۲ ص ۲۱۴)۔

(۱۵) جب ابوبکر نے غسل و کفن وغیرہ کے متعلق اہلبیت کے سامنے حضور علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے اس کے متعلق جواب ارشاد فرمایا کہ جب ملائکہ مجھ پر نماز ادا کر چکیں اُس وقت تم فوج فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوات بھیجنا۔ اور سلام کرنا اور مجھے نالہ و فریاد، گریہ و زاری سے آواز نہ دینا، پھر فرمایا اُٹھ جاؤ اور جو کچھ میں نے بیان کیا اُس سے اور لوگوں کو مطلع کر دو[1]۔ (جلاء العیون ص ۸۷ و حیات القلوب قلمی ص ۱۰۹۹ و ص ۱۱۰۵)

عزیزو، دوستو اور میرے اسلامی بھائیو۔ اور پیارے دوستو!! ان احادیث سے پُورے طور پر ثابت ہوا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے اقارب کی وفات پر کیا، اپنی جگری اولاد کی وفات پر بھی ماتم اور نوحہ وغیرہ کرنے سے سخت منع کیا ہے، بلکہ عملی طور پر اپنے صبر و استقلال کا ثبوت پیش کیا ہے کہ ایسے ایسے جانگداز صدموں اور دل فگار مصیبتوں میں اپنے ضبط اور سکون کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، سینہ سپر ہو کر ہر ایک حادثہ فاجعہ کا مردانہ وار مقابلہ کیا ہے۔

میرے عزیزو اور بزرگو! آؤ ہم بھی اپنی انتہائی قوت سے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ و

---

[1] اسی شیعی روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت صدیق نے سب سے پہلے حتیٰ کہ اہلِ بیت سے بھی پہلے کفن و دفن کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت فرمایا تھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب معاملات کفن و دفن وغیرہ میں شریک تھے۔

میرے عزیزو اور بزرگو! آؤ ہم بھی اپنی انتہائی قوت سے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی تابعداری کریں اور اپنی تمام مصیبتوں میں اپنے پیارے اور محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اطاعت کرتے ہوئے صبر و استقلال سے کام لیں اور کسی جانی و مالی صدمہ میں جزع و فزع، رونا پیٹنا وغیرہ خلافِ شرع چیزوں کو اختیار نہ کریں، تاکہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلّم ہم سب سے خوش ہو کر خداوند عالم کے دربارِ عالی میں ہماری سفارش فرماتے ہوئے ہم گنہگاروں کو آخرت کی ہر طرح کی پریشانی اور درد و غم سے نجات دلائیں، اے اللہ ہم سب کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے قدم بقدم چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ماتم کا حکم

جب آپ (حضرت علی) جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو غسل دیکر کفنانے لگے تو فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ کی وفات سے نبوت، وحی آسمان کی خبریں منقطع ہو گئیں۔ جو آپ کے غیر کے مرنے سے نہ ہوئی تھیں، آپ مصیبت پہنچانے کیلئے مخصوص ہوئے حتیٰ کہ آپ نے غیر کی مصیبت سے مطمئن کر دیا (آپ کی وفات سے جو مصیبت ہم پر پڑی ہے دوسرے کی موت میں وہ رنج و اندوہ کہاں) آپ کی مصیبت ایک عام مصیبت ہے[1] حتیٰ کہ لوگ آپ کی مصیبت سے یکساں دلگیر ہو رہے ہیں۔ اور اگر آپ صبر کا حکم نہ دیتے جزع و فزع سے منع نہ فرماتے تو اس مصیبت میں مجری اشک کا پانی انتہا کو پہنچا دیتے (آنکھ اور دماغ کا تمام پانی خشک کر دیتے) اس مصیبت کا رنج دائمی تھا۔ اس کا اندوہ ہمیشہ رہنے والا تھا گو یہ دائمی رنج و اندوہ بھی اس مصیبت پر تھوڑا تھا لیکن موت ایک ایسی چیز ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اسکے دفع کرنے کی استطاعت نہیں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ اپنے پروردگار کے سامنے ہمارا بھی ذکر کرنا، ہمیں دل میں رکھنا، فراموش نہ کرنا۔ (نیرنگ فصاحت صلا ۳۲۱ مطبوعہ یوسفی دہلی ترجمہ شیعی کتاب "نہج البلاغت" جو کہ حضرت علی کی طرف منسوب ہے) اور حیات القلوب قلمی کے صلا ۱۰۹ پر وصیت درج ہے جو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ شہدائے کربلا کی مصیبت اس مصیبت سے کم ہے اور جب اس پر ماتم نہیں

رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کے وقت کی تھی جس میں کسی مصیبت پر جزع و فزع کرنا ناجائز و حرام قرار دیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس ارشاد سے نہ صرف جزع و فزع کی ممانعت ثابت ہے۔ بلکہ زیادہ رونے سے بھی روکا گیا ہے۔ دیکھو عبارت کشیدہ اور جب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روزِ وفات جو کہ بتصریح امام جعفر صادق بڑی مصیبت کا دن تھا (فروع کافی ج۱ ص۱۱۹) گریہ وزاری، نوحہ وغیرہ سے روکا گیا تو کسی اور کی موت کی یاد میں رونا پیٹنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

(۳) حضرت علی نے حضرت حسنین کو وصیت فرمائی، رعایتِ قرآن کرنے میں خدا سے پرہیز کرو تقوٰے کو اپنا شعار بناؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا غیر اس پر عمل کرنے میں تم سے سابق ہو جائے۔ ڈرو خدا سے ڈرو، خدا سے نماز کے بارے میں کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے، ڈرو خدا سے ڈرو، خدا سے اپنے بیت اللہ کی زیارت کرنے میں، جبتک تم زندہ رہو، اس کو خالی نہ چھوڑو، اگر تم اسے ترک کرو گے تو عذابِ الٰہی سے تمہیں مہلت نہ ملے گی۔ (نیرنگِ فصاحت ص۴۳۷)

حضرت علی کی محبت کا دعوٰی کرنے والے میرے دوست و بزرگ اس وصیت کو ذرا غور سے مطالعہ فرمائیں اور پھر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہم اس وصیت کے موافق جا رہے ہیں یا مخالف۔ کیا یہ شعر ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا ‏ ‏ ‏ ‏ چوں شمعِ ایمان کشتۂ پس نورِ ایمانی کجا

تو ہم پر کہیں صادق نہیں آ رہا؟

(۴) حضرت علی، اشعث بن قیس کا جب بیٹا فوت ہوا، تو تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اُن کو غمناک دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تیرا غمناک ہونا ایک مجبوری امر ہے۔ اور اگر تو اس مصیبت پر صبر کرے تو اللہ تعالٰی اپنے فضل و کرم سے بہترین بدل عطا فرمائے گا اور صبر ہی چاہیئے، کیونکہ اگر تو نے صبر کیا تو گویا تقدیرِ الٰہی پر راضی ہوا اور تجھ کو اجر ملے گا، اور اگر تو نے بیصبری کی تو گویا تو تقدیرِ الٰہی پر راضی نہیں ہوا جس پر تو گنہگار ہو گا (کنز العمال ج۸ ص۱۲۳)۔

(۵) حضرت علی سے اسلام و ایمان کے اوصاف پوچھے گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تسلیم و رضاءِ الٰہی، صبر، عدل، یقین، جہاد۔ (نیرنگِ فصاحت ص۴۸ تا ۵۰۴)

(۶) آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صبر مصیبت کے موافق نازل ہوتا ہے جس شخص نے مصیبت کے وقت اپنا منہ نوچ لیا اُس کا ثواب برباد ہو گیا۔ (نیرنگ فصاحت ص۵۰۸)

(۷) جب حضرت علی جنگِ صفین سے واپس کوفہ آئے، تو قبیلہ شامی کی طرف گذر ہوا اور سُنا کہ عورتیں کُشتگانِ صفین کو رو رہی ہیں۔ شرجیل شبامی حضرت کے سامنے آیا اور وہ رؤسائے قبیلہ میں سے تھا۔ حضرت نے اُس سے فرمایا۔ کیا تمہاری عورتیں تم سے اس چیز میں غالب ہیں جسے میں سُن رہا ہوں۔ کیا تم اُنہیں اس نالہ وزاری سے باز نہیں رکھ سکتے (نیرنگ فصاحت ص۵۳۳)

(۸) حضرت علی نے ایک جماعت سے ایک تازہ میت پر تعزیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ یہ امر کچھ تمہارے ہی لئے ظاہر نہیں ہُوا۔ نہ تم پر اُس کی انتہا ہے، تمہارا یہ صاحب اکثر سفر بھی تو کیا کرتا تھا۔ تم سمجھ لو کہ اپنے کسی سفر کو گیا ہُوا ہے۔ اگر اس سفر سے تمہارے پاس واپس آ گیا تو خیر، ورنہ تم خود اُس کے پاس جاؤ گے۔ (نیرنگِ فصاحت ص۵۳۸)

(۹) حضرت علیؓ نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ فرمایا اور اب تم اس پر جزع و فزع کر رہے ہو اور یہ امر تمہارے لئے نہایت ہی بد ہے، اور ایسے کارہائے بد کو اختیار کرنے والے اور ایسے جزع و فزع کرنے والے کیلئے پروردگارِ عالم کا حکم بروزِ جزا ظاہر ہونے والا ہے۔ (نیرنگِ فصاحت ص۵۰۸) ے

کریں جو صبر مصیبت پہ ہیں وہی مومن اُنہیں کو رب نے دیا مژدۂ بہشت بریں

میرے محترم بھائیو اور دوستو! ان پاکیزہ ارشاداتِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت ہُوا کہ کسی مصیبت میں بے صبری کرنا، پیٹنا، نوحہ کرنا بلکہ حد سے زیادہ رونا بھی منع ہے اور آپ نے اپنے اقوال و افعال سے صبر و استقلال کا بہترین ثبوت پیش کیا ہے، باوجودیکہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد تقریباً انتیس برس بقیدِ حیات زندہ رہے مگر حوادث اور مصائب میں کوئی غیر شرع کام نہیں کیا۔ آئیے ہم بھی دل و جان سے حضرت علی کی اقتدا کریں اور اُن کی طرح شریعت کے خلاف کوئی چیز نہ کریں۔ اے اللہ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی

ملے اس سے ان ماتمی بزرگوں کو ایک عبرت حاصل ہونی چاہیئے جو کہ حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور عورتوں کو بھی ماتم و نوحہ وغیرہ میں شریک کرتے ہوئے گلی وکوچوں میں پھرتے ہیں۔

توفیق عطا فرما۔ خط کشیدہ الفاظ مکرر پڑھئے ۔

حضرتِ امام حسنؓ و امام حسینؓ سے ماتم کا حکم

(۱) حضرت علی کی شہادت پر حسنین کریمینؓ نے صبر کیا۔ اور اُن کی مصیبتِ موت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مصیبتِ وفات سے کمتر بتایا، اپنی تمام عمر میں کسی مصیبت پر کوئی خلافِ شرع کام نہیں کیا، نہ روزِ شہادت کوئی مجلس ماتم قائم کی ۔

(۲) حضرت علی کی شہادت کے روز امام حسینؓ مدائن میں تھے ۔ امام حسنؓ نے اس کی اطلاع آپ کو بھیجی، جب آپ نے خط پڑھا فرمایا کتنی بڑی مصیبت پیش آئی ہے ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی مصیبت پیش آئے تو میری جدائی کی مصیبت کو یاد کر لینا۔ کیونکہ اس سے زیادہ مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی پس امام حسینؓ نے اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے صبر کیا اور جزع و فزع کا نام تک نہ لیا۔ (فروع کافی ص ۱۱۹ ج ۱)

(۳) جب امام حسین رضی اللہ عنہ کربلائے معلیٰ میں تشریف لائے تو اپنی ہمشیرہ حضرت زینب سے فرمایا، اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اُسکی قسم دیکر کہتا ہوں کہ میری مصیبت و مفارقت پر صبر کرنا پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور بال نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مصیبت پر صبر کیا، اُسی طرح میری مصیبت پر صبر کرنا۔ (انارۃ البصائر ص ۲۹ کتاب فی بحرِ عظیم ص ۲۳۸، بحوالہ ناسخ التواریخ شیعی)۔

(۴) جب امام حسین دشمنوں کے مقابلہ کیلئے اہلِ بیت سے رخصت ہوئے تو فرمایا کہ ہرگز ہرگز صبر و شکیبائی سے دست بردار نہ ہونا اور کلام ناخوش زبان پر نہ لانا کہ موجب نقصِ ثواب ہوگا۔ خدا تمہیں ان بلاؤں اور مصیبتوں کے عوض دنیا و عقبیٰ میں نعمت و کرامتہائے بے اندازہ سے سرافراز فرمائیگا۔ (جلاء العیون ص ۴۸۶)۔

میرے اسلامی بھائیو! دیکھو امام حسن و حسین رضؓ نے مصیبتوں کا کس صبر سے مقابلہ کیا ہے، کوئی چیز خلافِ شرع نہیں کی بلکہ اوروں کو صبر کی تلقین کی آپکے رُوبرُو فرزند

اور بھتیجے اور قریب تریں رشتہ دار تلوار کے گھاٹ اُتر گئے، مگر آپ نے صبر کیا۔ جزع و فزع کا نام تک نہ لیا بلکہ آپ نے اپنے پسماندگان کو صبر و استقلال اور شریعت پر قائم رہنے کی وصیتیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

کیا حسین نے صبر اور اسی کی تلقین
شہید زندہ ہیں مادام و شامل فرحین

امام زین العابدین سے ماتم کا حکم

(۱) حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعۂ کربلا کے بعد تقریباً چھتیس برس دُنیا میں رونق افروز رہے، لیکن نہ مقام کربلا میں نہ کسی دوسری جگہ حضرات شہداء کی مصیبت پر ماتم و نوحہ کیا، نہ چیخے نہ پیٹے نہ واویلا کیا، نہ ماتمی مجلسیں قائم کیں، بلکہ بڑے صبر و استقلال سے اپنی زندگی کو بسر فرمایا اور کوئی کام خلافِ شرع نہ کیا، حالانکہ آپ نے اپنی آنکھوں سے کربلا کے تمام حالات کا مشاہدہ کیا۔ اور ان جانگداز مصیبتوں کو اپنی جانوں پر اُترتے دیکھا اپنے اعزہ و اقارب کو دشمنوں کی تلواروں سے پیوندِ فرش ہوتے دیکھا، ظالموں کی بے ترسی و بے انصافی اور قساوتِ قلبی کا نقشہ دیکھا، پیارے پیارے معصوم بچے پانی کو ترستے سِسکتے بلکتے تڑپتے ماں باپ کی رحمت بھری آغوش سے جُدا ہوتے دیکھا۔

(۲) امام زین العابدین سے حدیث مروی ہے۔

انما تحتاج المرأۃ الی النوح حتٰی یسیل دمعھا۔ (کافی کتاب الجنۃ)

یعنی عورتوں کو صرف آنسو بہانا ہے منہ سے کچھ نہ کہنا چاہئے۔

حضرت امام جعفر صادقؓ سے ماتم کا حکم

(۱) آپ سے روایت ہے عن عبد اللہ قال الصبر من الایمان بمنزلۃ الرأس من الجسد اذا ذھب الراس

صبر اور ایمان کا تعلق ایسا ہے جیسے سر اور بدن کا آپس میں تعلق ہوتا ہے جب سر نہ ہو تو باقی بدن کسی کام کا نہیں۔

ذهب الجسد کذالك اذا ذهب الصبر اسی طرح اگر صبر جاتا رہے تو دولتِ ایمان سے ذھب الایمان ۔ (کافی کلینی صہ ۴۲۰ ۔ فروع کافی ج ۱ صہ ۱۲۲) بھی انسان محروم رہ جاتا ہے ۔

اسی طرح دیگر ائمہ کرام جو ۲۶۰ھ تک دنیا میں یکے بعد دیگرے رونق افروز ہوتے رہے ، ان میں سے کسی نے بھی خلاف شرع کام نہیں کیا' نہ کسی کے روضہ کی شبیبہ بنائی' نہ کسی کا تابوت بنایا اور نہ کسی کا گھوڑا وغیرہ نکالا اور نہ ماتم کیا' نہ ماتھا پیٹا اور نہ کوئی کام خلافِ شریعت کیا ۔

ان حوالجات سے کیا ثابت ہُوا؟

ناظرینِ باتمکین ! قرآن مجید اور حدیث صحیح اور ائمۂ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ارشاداتِ عالیہ سے روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح ہُوا کہ شہداء کرام جو کہ اعلاءِ کلمۃ الحق اور محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی عزیز جانوں کو قربان کر دیتے ہیں' وہ قطعی طور پر زندہ ہیں ان میں زندوں کے آثار و علامات متحقق ہیں ۔ اس قربانی پر خوش و خرم ہیں ، بار بار اسی کا تقاضا کرتے ہیں ۔ رحمتِ الٰہی اُن کا پُر جوش استقبال کرتی ہے اَبدی کامیابی' ازلی کامرانی سے سرفراز و محظوظ ہیں ۔ اُن کو مُردہ یقین کرنا کیا معنیٰ بلکہ مُردہ کہنا بلکہ مُردہ خیال کرنا بھی ناجائز و حرام ہے ۔ اُن کے حق میں مُردوں کا سا سوگ و ماتم منانا مُردوں کے مراسم و لوازم اختیار کرنا حتمی طور پر ایک غیر اسلامی شعار اور بدعت ہے اور ناجائز ۔

میرے پیارے اسلامی بھائیو ! اگر ہمارے دل میں قرآن مجید کی عملی محبت ہے' سرورِ کائنات مفخرِ موجودات' مفسرِ اعظم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اقوال و افعال کا پاس ہے ۔ ائمۂ اطہار کی پاکیزہ زندگی کا نمونہ حرزِ جان ہے ۔ تو ہمارا اوّلیں فرض ہے کہ بموجب ہدایاتِ خمسہ مذکورۃ الصدر ان حوالجات کو بار بار پڑھیں' غور کریں' فکر کریں' اور سوچ کر نتیجہ نکالیں ۔ انشاءاللہ تعالےٰ حق واضح ہو جائیگا ۔ اور وہ یہ کہ موجودہ ماتم و تعزیہ اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے' بدعت ہے ۔ لہٰذا اس سے پرہیز لازم ہے ۔

علماءِ کرام سے ماتم کا حکم

(۱) ویحرم النوح وشق الجیوب یعنی نوحہ کرنا گریبان پھاڑنا رخساروں کو

خمش الخدود ولطمها ونحو ذالك۔ (کبیری شرح منیۃ المصلی) کو پیٹنا وغیرہ سب حرام ہے۔

(۲) قال محمد فی النوادر ولا یحل الاحداد لمن مات ابوھا او ابنھا او امھا او اخوھا وانما ھو فی الزوج خاصۃ

امام محمد نے فرمایا کہ خاوند کے علاوہ باپ، بیٹا، بھائی، والدہ وغیرہ پر سوگ جائز نہیں (شامی)

(۳) وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل فی ایام عاشورا ببدع الرفضۃ ھو الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذالک من اخلاق المومنین الا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی بذالک۔

خبردار خبردار عاشورہ کے دن رافضیوں کی بدعتوں مثلاً ندبہ، نوحہ، اظہارِ غم (برخلافِ شرع) میں نہ مشغول ہوتا۔ کیونکہ ایسا نداروں کے اخلاق سے یہ حرکات بعید ہیں۔ اسلئے کہ اگر بہتر طریقہ ہوتا تو سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال اس سے زیادہ مستحق ہے کہ اسکو بڑی شان سے منایا جائے۔

(۴) تعزیہ داری در محرم وساختن ضرائح وصورت وغیرہ درست نیست (فتاوٰی عزیزیہ ص۷۵ ج۲)

محرم میں تعزیہ داری اور نقل وشبیہ بنانا جائز نہیں۔

(۵) سوال۔ زیارتِ تابوت وتعزیہ وفاتحہ خواندن بر آں ومرثیہ خواندن وگفتن وشنیدن آں وفریاد ونوحہ کردن وسینہ کوبی نمودن وجرح خوردن بماتم امام حسین چہ حکم دارد؟

سوال۔ تابوت تعزیہ کی زیارت کرنا اور اُس پر فاتحہ پڑھنا اور مرثیہ پڑھنا، سننا اور اُس پر فریاد، نوحہ، سینہ کوبی کرنا اور ماتم سے اپنے کو زخمی کرنا کیا جائز ہے

جواب۔ این چیزہا ہمہ ناروا است در کتاب السراج بروایتِ خطیب آوردہ۔ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ زَارَ شبحًا بلا روح (فتاوٰی عزیزیہ ص۱۵۵ ج۱)

جواب۔ یہ سب ناجائز اور حرام ہے۔ کتاب سراج میں بروایتِ خطیب مذکور ہے کہ اُس شخص پر جو بناوٹی مزار اور جسم بلا روح کی زیارت کرے خدا کی لعنت پڑتی ہے۔

(۶) مجلس مرثیہ شیعہ میں اہلِ سنت وجماعت کو شریک وشامل ہونا حرام ہے، وہ بدزبان ناپاک لوگ اکثر تبرا بک جاتے ہیں، اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور متواتر سُنا گیا ہے کہ سُنیوں کو جو شربت دیتے ہیں اُس میں ...... ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اپنے

یہاں کی قلتین کا پانی ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو وہ روایاتِ موضوعہ اور کلماتِ شنیعہ و ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں گے، سنیں گے، اور منع نہ کر سکیں گے، ایسی جگہ جانا حرام ہے (رسالہ تعزیہ داری طبع اول ص۱۲ مؤلفہ حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ)

خط کشیدہ مضمون کو بار بار پڑھ کر اس پر عمل کیجئے۔

ماتم مروّجہ کا حکم

(۱) عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لہٗ ما الجزع قال الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی ومن اقام النوحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقتنا ومن صبر واسترجع وحمد اللہ عزوجل فقد رضی بما صنع اللہ ووقع اجرہٗ علی اللہ تعالیٰ ومن لم یفعل ذالک جرٰی علیہ القضٰی وھو ذمیم واحبط اللہ اجرہٗ (فروع کافی باب الصبر والجزع و جلاء العیون ص۴۸۶)۔

جابر شیعی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ جزع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چیخ مارنا ساتھ ویل اور آواز بلند کرنے کے یعنی زبان سے واویلا کرنا اور شور کرنا اور منہ پر طمانچے مارنا اور چھاتی پیٹنا، بال نوچنا پیشانی سے، جس کسی نے نوحہ کیا اُس نے صبر کو چھوڑا اور ہمارے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کیا اور جس نے صبر کیا اور فقط انا للّٰہ و انا الیہ راجعون **کہا** اور اللہ کی تعریف کی تو وہ تقدیر الٰہی **پر راضی ہو گیا** اور اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جس نے ایسا نہ کیا یعنی بےصبری کی اُس پر قضاء الٰہی جاری ہو چکی، درآنحالیکہ وہ ذلیل و خوار ہے اور اللہ تعالیٰ اُس کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔

(۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو مصیبت کے وقت اپنا گریبان پھاڑے اور رخساروں کو پیٹے وہ ہم سے نہیں۔

(۳) اَلنَّائِحَۃُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِھَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَعَلَیْھَا سِرْبَالٌ مِنْ

نوحہ کرنے والی اگر بلا توبہ کئے مر جائے تو قیامت میں ایسا لباس پہنے گی جو ذرا سی آگ سے جل اُٹھے

قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ (مسلم) اور پہننے والے کو جلا دے۔

(۴) جناب امام باقر فرماتے ہیں کہ میت کے لئے یوم موت سے صرف تین دن سوگ کرنا چاہیئے (کتاب من لایحضرہُ الفقیہہ ص ۵۸)

(۵) باسناد صحیح عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرب المسلم یدہٗ علٰی فخذہ عند المصیبۃ احباط لاجرہ (فروع کافی ص ۱۲۱ ج ۳)

بسند صحیح امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مسلمان مصیبت کے وقت بیصبری سے اپنی ران پر ہاتھ مارنا اُسکے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے اور اس پر کوئی اجر نہیں ملتا۔

(۶) فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ تین آوازوں کو دشمن رکھتا ہے، گدھے اور کُتے اور نوحہ کرنے والی عورت کی آواز کو۔ (تفسیر عمدۃ البیان شیعی ص ۲۴ ج ۳)

(۷) سنت یہ ہے کہ تین دن تک مومنین صاحب ماتم کے واسطے کھانا بھیجیں اور تین روز سے زیادہ غم والم نہ کرنا چاہیئے، مگر عورت اپنے شوہر کے واسطے چار ماہ دس روز سوگ رکھے۔ (تحفہ احمدیہ مطبوعہ مطبع لبستان مرتضوی ص ۳۳ ج ۳ باب دوم)

(۸) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نوحہ کرنیوالی اور نوحہ سننے والی ہر دو پر لعنت کی ہے۔

ان معتبر شیعی کتابوں سے ثابت ہُوا کہ جزع و فزع اور مروّجہ سب ناجائز ہے۔

(۱۰) خلاصۂ ارشاداتِ مذکورہ بالا

برادرانِ اسلام اور عزیز بھائیو! قرآن مجید اور تفاسیر معتبرہ اور حدیث سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۂ اہلِ بیت، مجتہدین کرام و بزرگانِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ان ارشادات سے روزِ روشن سے زیادہ ثابت ہوا کہ جو شخص جانی یا مالی مصیبت پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالےٰ کا شکر بجالاتا ہے اُس کی تقدیر پر دل و جان سے راضی ہو جاتا ہے اور زبان پر سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کچھ نہیں

لاتا۔ وہ یقینی طور پر اپنے اللہ کریم کی تقدیر پر راضی ہوا، اور اپنے صبر و استقلال کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے فضل و کرم سے مالا مال کریگا اور جس نے بے صبری کی، نوحہ، پیٹنا، چلانا، رونا، کپڑوں کا پھاڑنا، بالوں کو نوچنا اور خلافِ شرع باتیں کیں، اور تین دن سے زیادہ ماتمی محفلیں منعقد کیں، جیسا کہ آج عاشورا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، بلاشبہ وہ اپنے رب کریم کے حکم پر راضی نہیں ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ اطہار کے ارشادات کے خلاف کیا۔ بلکہ ان کے مقابلہ میں ایک نیا دین گھڑا ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول، اور ائمہ پر بہتان باندھا ہے ان کی شریعت کا خلاف کرتے ہوئے اُن کی پاک روحیں ناراض کی ہیں اور اپنی بدعملی اور نفس پرستی کا ثبوت دیا ہے، ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اُس کے پاک بندے قطعاً ناراض ہیں، اُس کو ذرّہ بھر ثواب نہ ملے گا۔ اُس کا ایمان و اسلام ضائع ہو گیا۔ توبہ کئے بغیر مر گیا تو قیامت میں اس کو جلانے والا لباس پہنا کر عذاب کیا جائیگا۔

عزیز بھائیو، بزرگو! دیکھا شریعتِ پاک اور ائمہ کرام کا اس رسمی ماتم کے متعلق ارشاد و حکم کس قدر افسوس ہے کہ ہم اپنے جوشِ محبت وغیرہ میں شریعت کا خلاف کرتے ہیں۔ اور بجائے ثواب کے ایمان و اسلام کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ اُٹھئے اور توبہ کیجئے۔

اے اللہ ہم سب کو ناجائز باتوں سے بچا اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

شریعت میں سیاہ اور ماتمی لباس کا حکم

میرے اسلامی محترم بزرگو! کون نہیں جانتا کہ موت کا اثر ہوتا ہے، پسماندگان کو سخت پریشانی ہوتی ہے۔ حالات متغیر ہو جاتے ہیں اور شریعت نے اس پریشانی کو ایک طبعی امر قرار دیتے ہوئے تین دن تک اجازت فرمائی ہے۔ لیکن اس سے سخت روکا ہے۔ کہ اس امر میں کوئی ناجائز بات کی جائے۔ آج جہاں پر یہ نوحہ وغیرہ خلافِ شرع کام ہم کرتے ہیں، وہاں سیاہ لباس بالخصوص محرم میں پہننے کی بھی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اور پھر لُطف یہ ہے کہ اس کو موجب ثواب خیال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعتِ پاک میں یہ فعل نہ محمود ہے اور نہ اس پر کوئی

ثواب مقرر فرمایا گیا ہے۔ بلکہ اس پر شرعی وعید و تنبیہ موجود ہے۔

(۱) سئل الصادق علیہ السّلام عن الصّلوٰۃ فی القلنسوۃ السود فقال لا تصلّ فیہ لانہا لباس اھل النار و قال امیر المؤمنین فیما علّم بہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون۔

حضرت جعفر صادق سے پوچھا کہ سیاہ کلاہ پہن کر نماز جائز ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس میں نماز مت پڑھو کیونکہ وہ دوزخیوں کا لباس ہے اور امیر المؤمنین سے روایت ہے کہ سیاہ لباس مت پہنو کیونکہ وہ فرعون کا لباس ہے۔

(کتاب لایحضرہ الفقیہ ص۵۱ اکراہ ماتم ص۱۷ فروع کافی ج۳۴/۲۲)

(۲) سئل الصادق عن الصّلوٰۃ بلبس السوداء قال لا یصلین فیھا فانہا لباس اھل النار و قالہ امیر المؤمنین فیما علم اصحابہ لا تلبسوا السواد فانہ لباس فرعون۔

(بدر الدجیٰ ص۲۴۲ بحوالہ من لایحضرہ الفقیہ)

حضرت امام جعفر صادق سے پوچھا گیا کہ سیاہ لباس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ آپنے فرمایا کہ اس میں ہرگز نہ پڑھی جائے اسلئے کہ وہ دوزخیوں کا لباس ہے اور حضرت امیر المومنین نے اپنے اصحاب کو فرمایا کہ سیاہ لباس مت پہنو، کیونکہ وہ فرعون کا لباس ہے۔

(۳) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ حق تعالٰے نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہدے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ لباس کیونکہ وہ دشمنانِ خدا فرعون وغیرہ کا لباس ہے (جامع عباسی پانزدہ بابی، مصنفہ مُلا بہاء الدین شیعی یوسفی، دہلی ص۲۱۷/۲۱۶)

(۴) سیاہ کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (جامع الجعفری ترجمہ جامع الرضوی نولکشوری ص۶۹) جلاء العیون ص۶۴۱۔ یعنے جبکہ سیاہ لباس کو موجب ثواب خیال کیا جائے۔

عزیز مسلمان بھائیو! ان حوالجات سے ثابت ہوا کہ سیاہ لباس لازمی پہننا دشمنانِ خدا کا شیوہ ہے، دوزخیوں کو یہ لباس پہنایا جائیگا۔ ایمان دار کو اس کا پہننا جائز نہیں۔ اس میں نماز پڑھنی اور عبادت کرنی مکروہ ہے اور اس کو موجب ثواب کہنا ایک ناجائز چیز کو جائز قرار دینا ہے۔ جو کہ مسلم و مومن کی شان سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ناجائز رسموں اور شریعت کی مخالفت سے ہر ایمان دار کو بچائے۔ آمین۔

بدی کی رغبت بھی ہے دلمیں بتوں کی چاہ بھی ۔۔۔ کہتے جاتے ہیں مگر مُنہ سے معاذ اللہ بھی

نوٹ ۔ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک سیاہ کپڑے کا استعمال درجۂ اباحت میں ہے، جائز ہے جبتک کہ اسکو کسی سوگ و ماتم کا شعار قرار نہ دیا جائے۔ مگر شیعہ حضرات پر ان کے اِن حوالجات کے پیشِ نظر لازمی اور ضروری ہے کہ وہ ماتم وغیرہ منانے کیلئے سیاہ لباس استعمال کرنا چھوڑ دیں۔ اور دُنیا و آخرت کے خسارہ سے بچیں۔"

مروّجہ ماتم کی ابتدأ

میرے اسلامی بزرگو، اور محترم بھائیو! ایک فطری بات ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس ماتمی صورت کا ثبوت قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک اور اقوالِ ائمہ رُشد و ہدایت سے نہیں ملتا تو سوال ہوتا ہے کہ آخر وہ مسلمانوں میں، اور پھر وہ بھی اتنی شدّ و مد سے کیسے رائج ہوگئی۔ حتیٰ کہ اس کو جزوِ ایمان، اور ترقیِ ایمان و اسلام کا ذریعہ خیال کیا جارہا ہے۔ مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ایسی صورت کو کیسے اختیار کرسکتا ہے؟

تجسس اور تتبع سے جہانتک معلوم ہُوا ہے، وہ بقولِ حضرت شیعہ یہ ہے۔ کہ سب سے پہلا شخص جس نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نوحہ و ماتم غیر شرعی کی بنا ڈالی۔ وہ یزید تھا جو کہ اُن کے قول کے مطابق اہلِ بیت کا سب سے بڑا اور پہلا دشمن، اور حضرت امام حسین علیہ السلام و دیگر شہدائے کربلا کا قاتل ہے۔ چنانچہ ملا باقر مجلسی "جلاء العیون صفحہ ۵۲۷ پر لکھتے ہیں۔ ترجمہ

"جس وقت اہلِ بیتِ حسینؑ کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آکر دربارِ یزید میں پیش ہوا، تو یزید کی عورت (ہندہ) دخترِ عبداللہ بن عامر بے تاب ہوکر بے پردہ دربارِ یزید میں چلی آئی۔ یزید نے دوڑ کر اُس کے سر پر کپڑا ڈال دیا اور کہا اے ہندہ تو فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کر، ابنِ زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی ورنہ حال یہ ہے کہ میں انکے قتل پر رضامند نہ تھا۔"

چنانچہ مشہور شیعی مرثیہ گو دبیر کہتے ہیں۔

پہنچی جو بے حواس وہاں ہندہ باوفا | بیواؤں کے آگے کشتیاں رکھوائیں جا بجا
پھر بیچ میں بٹھا کے سکینہ کو ننگے سر | اور بے پدر کی گود میں رکھ کے سر پدر
ماتم کیا حسین کا اس زور شور سے | زہرا نے ہاتھ چوم لئے آ کے گور سے

اور نیز جلاء العیون کے صفحہ ۵۲۶ و ۵۲۷ پر ہے کہ۔

"جب اہلِ بیتِ حسین محل یزید میں داخل ہوئے تو اہل بیت یزید نے اپنے زیوروں کو اتار کر ماتمی لباس پہنا، صدائے نوحہ و گریہ بلند ہوئی اور یزید کے گھر تین روز تک برابر ماتم برپا رہا۔" ——— اور صاحب خلاصۃ المصائب ص ۲۱۲ پر لکھتے ہیں کہ جب حرم محترم پیشِ یزید کی گئیں تو۔

کان بیدہ منديل فجعل یمسح دموعہ فامرھم ان یدخلن الی ھندہ بنت عامر فادخلن عندھا فسمع من داخل القصر بکاءً وندا وعویل۔

یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو پونچھتا تھا۔ اور پھر یہ حکم دیا کہ ان کو میرے محل میں ہندہ بنت عامر کے پاس لے جاؤ جب یہ سب اُس کے پاس پہنچائی گئیں تو محل کے اندر سے گریہ وزاری کی آواز باہر سنائی دیتی تھی۔

اسی طرح ناسخ التواریخ ص ۲۷۸ اور منہج ص ۳۴۸ پر بھی ہے سے۔

رسمِ ماتم بنا یزید نے کی | جس کی تقلید ہر عبید نے کی
جس کو شیعے کہیں زبان سے بُرا | اُس کی تقلید ہیں ہیں نوحہ سرا
ہیں مسلمان یزید سے بیزار | نہیں ماتم سے کچھ اُنہیں سروکار
بات اگر کیجے غور کچھ بھی نہیں | یہ تقیہ ہے اور کچھ بھی نہیں

جب اہلِ کوفہ رونے اور نوحہ کرنے لگے تو حضرت امام زین العابدین ان کی اس مکاری پر خاموش نہ رہ سکے اور ارشاد فرمایا۔

ابنکون من اجلنا فمن ذا الذی قتلنا۔

او رونے والو بتاؤ کہ اور ہمارا قاتل بھلا ہے کون یعنی خود ہی تم نے قتل کیا اور آپ ہی نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔

حضرت سیدہ ام کلثوم نے محل سے سر باہر نکالا اور نوحہ کرنے والوں سے کہا چپ بھی رہو، تمہارے ہی مردوں نے تو ہمیں قتل کیا ہے۔

مَہ یا اھل الکوفۃ تقتلنا رجالکم وتبکینا نساؤکم فالحاکم بیننا وبینکم اللہ یوم الفصل للقضایا۔ (اخبار ماتم ص۸۱)

او نوحہ کرنے والو چپ رہو، تمہاری عورتیں نوحہ کر رہی ہیں۔ حالانکہ تمہارے ہی مردوں نے ہم کو قتل کیا ہے پس ہمارے اور تمہارے درمیان قیامت میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔

سیدہ حضرت زینب حضرت امام حسین کی ہمشیرہ نے ارشاد فرمایا۔

یا اھل الکوفۃ اتبکون وتنحبون ای واللہ فابکوا کثیرا واضحکوا قلیلا

اے اہل کوفہ اب تم نوحہ وگریہ وزاری اور ماتم کرتے ہو، خدا کرے تمہاری قسمت میں رونا بہت اور ہنسنا کم ہو۔

کسی نے پنجابی میں غالباً اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ؎

رب توں منگاں ایہہ دعائیں کوفیوں لوں بجانوں
خوشی نساں نوں کدی نہ ہووے نہ رب کدے ہی ہساوے
پٹی دعا قبول مائی دی اُد پر ٹونے سارے

شالا رونڈے پڑدے دمو سارے ایس جہانوں
روز حشر تک وقت تساڈا رونڈیاں ہی لنگھ جاوے
رونڈیاں پٹدیاں سال لنگھا دن کوئی سبھ بچارے

میرے مسلمان بھائیو! ان حوالجاتِ مذکورہ سے واضح ہوا کہ یہ پہلا دن تھا جبکہ بحکم یزید ناجائز طور پر ماتم کی ابتداء کی گئی اور یہ بدعتِ قبیحہ یزید کے گھر سے شروع ہوئی اور خود اس کے گھر والوں نے اس میں بڑی دھوم دھوم سے حصّہ لیا، حتیٰ کہ تین روز تک یہ ماتم بازی ہوتی رہی۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ خاندانِ اہلِ بیت نے باوجودیکہ صدماتِ کربلا بالکل تازے تھے۔ بلکہ ہنوز ختم نہ ہوئے تھے۔ مگر خلافِ شرع ماتم سے روکا اور سخت منع کیا اور رونے والوں کے حق میں دعائے بد کی کہ تمہاری قسمت میں اللہ کریم قیامت تک رونا کرے، اور ہمیشہ روتے نوحہ کرتے، ماتم کرتے ہی نظر آؤ۔ اے اللہ ہم سب کو اپنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیت کی بد دعاؤں سے بال بال بچائیو۔ اور اُن کے قدم بقدم چلنے اور اُنکی رضامندی

حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیو، آمین ثم آمین

یزید کے بعد پھر دوسرے شیعوں اور دشمنانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سنتِ یزید کو زندہ رکھا، بلکہ یزید سے بھی آگے قدم رکھا کیونکہ یزیدی عہد میں نہ تو ماتمِ حسینؓ کے لئے کوئی دن مقرر تھا اور نہ اس کو بطور رسم ادا کیا جاتا تھا۔ اس کے مرجانے کے بعد کوئی شیعوں نے عاشورہ محرم ماتم کے لئے خاص کر دیا، اور اس کو بحیثیت رسم خاص ادا کرنا ضروری اور لازمی سمجھا، ملاحظہ ہوں حوالجاتِ مندرجہ ذیل۔

مختار ثقفی پہلی صدی کا ایک مشہور شخص ہے جو کہ شیعہ اور دشمن اہلِ بیت تھا (جلاء العیون ص۵۶۷) اس نے یزیدی تقلید اور بغرض تالیفِ قلوبِ شیعہ سب سے پہلے کوفہ میں اس رسمِ بد (ماتمِ حسینؓ) کی بنیاد ڈالی۔ اور اس میں بہت سی چیزوں کا اضافہ کیا جب اس دشمن اہلِ بیت نے کوفہ پر اپنا پورا تسلط جما لیا تو علی الاعلان کوفہ میں رسمِ ماتم کو جاری کیا، اور بنام تابوت سکینہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کرسی نکالی۔ اور بڑے دھوم دھام سے اس کی پرستش کی، حالانکہ یہ کرسی حضرت علی کی نہ تھی، بلکہ کسی دوکاندار روغن فروش کی تھی جسے طفیل بن جعد نے چُرا کر مختار ثقفی کو اس کام کے لئے دیا تھا۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

علامہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ وہ کرسی پرانی تھی، مختار ثقفی نے اُس پر ریشمی غلاف چڑھا کر اُسے خوب آراستہ کر کے یہ ظاہر کیا کہ حضرت علی کے توشہ خانہ میں سے ہے، جب کسی دشمن سے جنگ کرتا تو اُس کو صفِ اول میں رکھ کر اہل لشکر سے کہا کرتا کہ بڑھو قتل کرو، فتح و نصرت تمہارے ہاتھ میں ہے، تمہارے درمیان یہ تابوتِ سکینہ مانندِ تابوتِ بنی اسرائیل ہے، اس میں سکینہ ہے اور فرشتے تمہاری امداد اور اعانت کے لئے نازل ہوتے ہیں (الملل والنحل مصری ص۸۲)۔

معاذ اللہ ائمہ پر کیسا افترا باندھا۔

یہ دوسرا دن تھا جبکہ ماتم حسینؓ یزیدی سنت کو بحکم مختار ثقفی جاری رکھتے ہوئے بطور رسم و رواج ادا کیا گیا۔

پھر معز الدولہ نے اس رسمِ یزیدی کو اور مضبوط کر دیا، جو کہ ایک عباسی خلیفہ کا وزیر تھا اور سخت متعصب شیعہ تھا اور ۳۵۰ھ میں شہادتِ امام مظلوم کی یادگار منانے

کے لئے عاشورا مقرر کر دیا۔ اس کے تعصب کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جب شیعوں نے ۳۵۱ھ میں جامع مسجد بغداد کے دروازہ پر بعض صحابۂ کرام کی ذاتِ اقدس پر لعنتی الفاظ لکھوا دیئے اور رات کو کسی نے مٹا دیئے، تو معز الدولہ نے پھر کھلم کھلا الفاظ لکھوا دیئے۔ (تاریخ الخلفاء) اور ۱۸، ذی الحجہ کو نہایت دھوم دھام سے عید غدیر منانے کا حکم صادر کیا، چنانچہ عید غدیر منائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ خوب باجے بجوائے گئے۔ پھر اسکے بعد ۳۵۲ھ کو خاص ماتم عاشورہ محرم کا حکم عام دیا کہ غمِ حسین میں دوکانیں بند کریں، کھانے نہ پکائیں، خرید و فروخت نہ کریں، بالکل ہڑتال کر دیں، بآوازِ بلند واویلا کریں، سوگ کے لباس پہنیں، عورتیں بال کھولے ہوئے منہ پر طمانچے مارتی ہوئی خاک ملتی ہوئی گریبان چاک کرتی ہوئی شارع عام پر نکلیں، چونکہ اُس وقت اہلِ تشیع کا وہاں زور تھا۔ اس لئے اہلِ سنت و جماعت مقابلہ کرنے پر قادر نہ تھے۔ لوگوں نے معز الدولہ کے حکم کی تعمیل کی بعد میں اسی وجہ سے شیعہ و سُنی کے درمیان بڑا فساد ہُوا اور لُوٹ مار تک نوبت پہنچ گئی۔ ملاحظہ ہو تاریخ ابنِ خلدون ص ۴۲۵ ج ۳۔ بیان الامراء۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء ص ۴۰۲۔ کامل ابنِ اثیر ص ۱۹۷ ج ۲۔ آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام ص ۴۶۱۔ انگریزی میں لکھتے ہیں کہ معز الدولہ نے بیادگار امام حسین و دیگر شہداء کربلا یوم عاشورا، کو ماتم کا دن مقرر کیا۔ اور اسی طرح تلخیص مرقع کربلا ص ۷۰ و ۹۷ پر بھی ہے، اب دنیا بھر کے شیعہ حضرات نے اس پر مذہبی رنگ چڑھا کر اس کو فریضۂ مذہبی بنا لیا ہے، ترقیٔ اسلام کا معیار قرار دے رکھا ہے۔ ایک عظیم الشان بڑے ثواب اجر کا ذریعہ سمجھا ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔

بہر صورت ماتمِ حسین کے رواج و ابتداء کی یہ مختصر سی داستان ہے کہ اولاً وہ خانۂ یزید میں بحکمِ یزید شروع ہوا۔ اور ثانیاً بحیثیتِ رسم و رواج مختار ثقفی و معز الدولہ نے اس کو رواج دیا اور ثالثاً اب دنیا بھر کے شیعہ حضرات نے اس پر مذہبی رنگ چڑھا کر اس کو فریضۂ مذہبی گردان دیا ہے۔ ناظرین باانصاف! روزِ روشن کی طرح

بحمداللہ یہ ثابت ہوا کہ قرآن مجید وغیرہ سے اس ماتم مروجہ کا کوئی ثبوت نہیں اور شریعت میں یہ رسمی ماتمی تعزیہ ناجائز وحرام ہے اور ائمۂ اہلِ بیت نے بھی اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور خلافِ شرع جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، اور ایسا کرنے سے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدسہ راضی ہوتی ہے نہ اہلِ بیت، ہاں یزید و دیگر دشمنانِ اہلِ بیت کی روحیں ضرور خوش ہوتی ہونگی، جنہوں نے اہلِ بیت پر بے پناہ ظلم کئے اور پھر خود ہی ماتم اور سوگ ناجائز شروع کر دیا۔ پھر بھلا اس ماتم و نوحہ گری سے کیوں یزیدی روحیں راضی نہ ہوں گی۔ وُہ تو بڑے فخر سے کہتی ہوں گی کہ ہماری اس ماتمی رسم کو نباہنے والو جیتے رہو، آباد رہو۔

اے اللہ ان ماتمی حضرات کو شہدائے کربلا اور دیگر ارواح اہلِ بیت کی ناراضگی اور ان کی بددعاؤں سے بچا۔

اللہ تعالیٰ ایسے ماتم اور دیگر خلافِ شرع چیزوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ اہلِ بیت کی ارواح ناراض ہوں۔ آمین ثم آمین۔

شریعت پاک میں تعزیہ مروّجہ یعنی تعزیہ جسمانی کا حکم

اصل میں تو تعزیہ یہی تھا کہ حضراتِ شہدائے کرام کی ارواح پاک کو ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی کی سعادت کو کافی سمجھا جاتا، مگر اب عرف عام میں خاص طور پر ہندوستان میں تعزیہ حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضۂ اقدس کی نقل کو کہتے ہیں جو کہ تعزیہ کیلئے بمنزلِ جسم ہے۔ روضۂ اقدس کی نقل اگر بطور محبت و بنظرِ شوق گھر میں رکھی جاتی تو اس میں چنداں حرج نہ تھا جیسا کہ مکۂ مکرمہ و مدینۂ طیبہ و دیگر روضہ ہائے مبارکہ کی نقلیں عموماً گھر میں ہوتی ہیں، مگر افسوس تو یہ ہے کہ جاہلوں نے اصل نمونہ نیست و نابود کر کے اکثر ایسی ناجائز باتیں رسمیں اس میں شامل کر دی ہیں، جو کہ شریعت میں سخت منع ہیں۔ اوّل تو تعزیہ میں روضۂ اقدس کی صحیح نقل ہی نہیں ہوتی۔ ہر جگہ نئی تراش، نئی گھڑت، اور نیا نمونہ جس کو صحیح نقل سے نہ کچھ علاقہ اور نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں کسی میں اور بیہودہ ایجادات، پھر کوچہ بکوچہ اظہارِ غم کے لئے ان کو لئے پھرنا اور ان کے گرد سینہ کوبی اور نوحہ گری، ماتم بازی سے شور بپا کرنا۔ پھر کوئی

اُس کو جُھک جُھک کر سلام کرتا ہے، کوئی مشغولِ طواف وسجدہ ہے، کوئی اُن کو امام حسینؑ کا جلوہ خیال کرتا ہے اور کوئی حاجت روا اور جائے پناہ، کوئی منتیں مانتا ہے کوئی عرضیاں باندھتا ہے، چنانچہ تفسیر شیعی "عمدۃ البیان" مطبوعہ یوسفی دہلی کے ص۶۲ج۱ پر اس کی تفصیل موجود ہے جس میں مصنف نے تصریح کی ہے کہ یہ سب باتیں ناجائز اور ممنوع ہیں اور انکے کرنے سے سب ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کے عنوان "شیعہ تفسیر سے تعزیہ میں مروجہ بدعتیں اور ماتم کا حکم" ص۴۵ کے ماتحت۔

اسی طرح کتاب الذبیح ص۱۶، ۱۷ مصنفہ سید محمد رضی الرضوی القمی بن علامہ سید علی الحائری شیعی لاہوری صاحب تفسیر "لوامع التنزیل" میں بعنوان "اصلاح مراسم تعزیہ داری" کے ماتحت یوں لکھتے ہیں۔

"تعزیہ داری کے موجودہ رسوم جو خلاف شرع اور قابل اصلاح ہیں، مثلاً ذوالجناح اور تعزیہ کے ہمراہ طوائف کا ہونا اور نامحرموں کے سامنے مرثیہ کا پڑھنا بعض نوجوانوں کا سُوٹ بُوٹ پہن کر، نکٹائیاں لگا کر اور شب عاشورا داڑھیاں منڈوا کر ذوالجناح کے ہمراہ ہونا، ذوالجناح کے نیچے بچوں کو لٹانا، انکے کان چھدوانا ان پر عرضیاں باندھنا، ان کے نیچے بکرے اور مُرغ ذبح کرنا، ذوالجناح (حیوان) کا پس خوردہ دُودھ تبرکاً اشرف المخلوقات انسانوں کو پلانا وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بھی مذہب میں اصلیت نہیں ہے، نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر آیا ہے، عوام الناس نے خواہ مخواہ ان باتوں کو رفتہ رفتہ مذہب بنا رکھا ہے۔ اور جس امر کا مذہب میں کوئی حکم نہ ہو، ظاہر ہے کہ وہ ایک لغو فعل ہے اور مذکورہ باتوں میں تو بعض باتیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، انکو فوراً ترک کر دینا چاہیئے۔

عزیزو! یہی وہ بدعتیں ہیں جن کے باعث تمہارے مذہبی پیشوا روزِ عاشورا تعزیہ اور ذوالجناح کے ہمراہ جانے سے احتراز کرتے ہیں، خاصکر جناب حجۃ الاسلام سرکار شریعتمدار علامہ حائری مجتہد العصر دام ظلہ کو ذوالجناح کے ہمراہ جاتے اسی لئے

کسی نے کبھی نہیں دیکھا (صلا'' افسوس ہے کہ عاشورا میں جن اعمال کے کرنے کا حکم مذہبِ حق نے دیا ہے، بہت کم اس کی تعمیل کی جاتی ہے سید الشہدا علیہ السلام نے تو عین ظہر روزِ عاشورا کو خاص بوقتِ شہادت بھی ایسی سخت مصیبت کے وقت نماز کو ادا کر کے قوم کو تعلیم دی ہے کہ نماز جیسی ضروری عبادتِ مفترضہ کسی وقت میں کسی طرح بھی ترک نہیں کی جا سکتی۔ مگر بعض عزاداروں کا یہ حال ہے کہ وہ عاشورا کے روز بھی نماز نہیں پڑھتے۔ اور اسی طرح وہ اس روز کے اپنے اعمال کو باطل کر دیتے ہیں، نماز نہ پڑھنے سے عاشورا کے سب عمل باطل ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے الصلوٰۃ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَاسِوَاھَا وَاِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَاسِوَاھَا۔ اگر نماز قبول ہو گئی تو پھر دوسرے اعمال بھی قبول ہو سکیں گے ورنہ تمام باطل ہو جائیں گے'' (صفحہ ۱۹ پر ہے) ''پس دانشمندی یہی ہے کہ مومنین تعزیہ داری میں افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں کو چھوڑ دیں، جن کی کوئی بھی اصلیت مذہبِ حق میں نہیں ہے۔ اور جن اعمال کے متعلق مذہبِ حق پر کوئی اعتراض لازم نہیں آتا اور کم از کم حضراتِ علماء مجتہدین کا معمول بہ ہے وہی حدِ اوسط تعزیہ داری میں سمجھ لیں۔ اور بلا شبہ اس کو اپنا شعار قرار دیں، کیونکہ فعلِ علمائے اعلام لازماً حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام کے اقوال و اعمال سے مستنبط اور ماخوذ ہو گا۔ عوام الناس کا اپنے خیال اور اپنے قیاس سے کسی چیز کو اچھا یا زینتِ اسلام کا موجب اور ترقی مذہب کا باعث سمجھ لینا اور اس کو مذہب میں داخل کر لینا مذہباً کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا'' اور صفحہ ۲۰ پر ہے۔

'' اور جو کچھ بھی لکھا ہے خدا شاہد اور گواہ ہے محض اسلام کی تائید اور اہلِ ایمان کی اصلاح و فلاح دنیا و آخرت کی نظر سے لکھا گیا ہے۔ اس حق گوئی پر عمل کرنے کی بجائے کوئی جاہل کندۂ ناتراشیدہ اگر خفا ہو کر مجھے گالیاں دیوے اور اخباروں میں میرے لئے بُرا لکھے تو میری دل تنگی کا باعث نہیں ہو گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مَیں نے کسی لومۃ لائم کی نہ پہلے کبھی پرواہ کی ہے اور نہ آئندہ

کروں گا۔" اسی طرح "کتاب العظ شان" میں بھی ہے۔

"فاضل محقق شیعی صاحبِ تفسیر "لوامع التنزیل" نے ایک اشتہار جس میں آپ نے تعزیہ اور ذوالجناح کو جائز قرار دیا ہے لکھا ہے ہاں سچے مومنین کے لئے ان شعائراللہ (یعنی تعزیہ اور ذوالجناح) کی تعظیم یہ ہے کہ کوئی ناجائز امر تعزیہ اور ذوالجناح کی معیت میں نہ ہونے پائے۔ میں نے ہمیشہ طوائف کو دیکھنا، انکی آواز کو سننا، اُن کے دوش بدوش چلنا، ان سے بات چیت کرنا بالاتفاق ہر حال میں فعل حرام اور گناہِ کبیرہ میں داخل کیا ہے، مومنین کو ایسے مقدس واستجابت وانابت کے اوقاتِ مخصوصہ میں ایسے فعلِ حرام اور ناجائز امور سے اجتناب اور شعائراللہ کی عظمت اور حفاظت کرنا لازمی ہے، اسی طرح فاضل موصوف نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل صنہ ۲-۲۱ پر بڑی شرح د بسط سے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسین کے مرثیوں کو راگ سے پڑھنا سخت منع وحرام ہے۔"

یہی فاضل اپنی کتاب بُرہان المُتعہ ص۱ے پر تحریر فرماتے ہیں۔

چہاردہم بجهت اتمام اجل متعہ نظر از یک بر دیگر حرام شد اگرچہ بشہوت نہ بیند بر احوط اگرچہ ازیں شخص حمل ہم داشتہ باشد بل شنیدن صورتِ اُوہم حرام می باشد۔

یعنی چودہویں صورت یہ ہے کہ عقد متعہ کی مدت جب ختم ہو جائے تو ایک دوسرے کو دیکھنا حرام ہو جاتا ہے۔ مردِ عورتِ ممتوعہ (جس کے ساتھ متعہ کیا گیا ہو) کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور عورت مرد کو جس نے اس سے متعہ کیا ہو نہیں دیکھ سکتی اگرچہ وہ عورتِ ممتوعہ اس مرد سے حاملہ کیوں نہ ہو۔ بلکہ اس کو عورتِ ممتوعہ کی آواز سننا بھی حرام ہو جاتی ہے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ عورتِ اجنبی کی آواز سننی بھی حرام ہے اور تعزیہ میں یہی عورتیں اجنبی مَردوں کے رُوبرو گلی کوچوں میں مرثیے پڑھتی اور راگ الاپتی پھرتی ہیں جو کہ حرام اور اشد حرام ہے۔

خلاصہ ارشادات۔ علماء مجتہدین وفضلاءِ شیعہ اثناءعشریہ علامہ عمار علی

نوٹ:- خط کشیدہ الفاظ کو بار بار پڑھئے اور غور کیجئے۔

و علامہ علی الحائری صاحبان و علامہ سید محمد رضی الرضوی وغیرہم کے ارشادات عالیہ کا خلاصہ کیا ہوا۔

یہ کہ تعزیہ مروجہ میں باجے بجوانا ذوالجناح کے ساتھ طوائف اور غیر متشرع آدمیوں کا ہمراہ ہونا جھوٹی روایتوں کو پڑھنا غیر محرموں کو دیکھنا دکھانا، اور اُن کی آواز کو سُننا اور سنوانا، ذوالجناح کے نیچے سے بچوں کو گزارنا اور اُن کے کان چھدوانا عرضیاں باندھنا ذوالجناح (حیوان) کا پس خوردہ اشرف المخلوقات انسان کو کھلانا پلانا اور اُس کے نیچے بکرے مُرغے وغیرہ ذبح کرنا سب ناجائز و خلافِ شرع ہیں، عام ازیں کہ تعزیہ کے ساتھ ہوں یا مہندی وغیرہ کے ساتھ، اُن کو مذہب شیعہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ علماء شیعہ ان کے خلاف ہیں اور وہ اس کو منع کرتے ہیں۔ یہ سب افراط و تفریط ہے۔ اس کو ترک کر دینا ازبس ضروری ہے۔ ان سب کو عوام کالانعام نے اختراع کیا ہے اور اپنے زعم باطل سے ترقی اسلام کا سبب بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان کے اختیار کرنے سے دنیا و آخرت کا گھاٹا ہے۔ خسارہ ہے۔ خلوص و محبت کے خلاف ہے۔ اور محض بیہودہ و لغو فعل ہے، شیعہ مومنین کے لئے ضروری اور واجب ہے کہ ان سب کو ترک کر دیں، چھوڑ دیں، اور اپنے ائمہ کرام و علماء عظام کے اقوال و افعال و اعمال کو حرزِ جان بنائیں اور انہی کو اپنے جملہ معاملات میں پیشوا و مقتدا خیال کریں، دینی و ملکی ترقی میں ان کی توضیح و تشریح کو ہی حرفِ آخر خیال کریں، ان کی تصریحات کو چھوڑ کر اپنی مزعومی مخترعات پر پابندِ عمل ہونا ہرگز ہرگز قابلِ تعریف نہیں ہے۔

میرے اسلامی بھائیو، دوستو اور بزرگو! حضرات شیعہ کے ان محققوں، مفسروں، مفتیوں اور ان کے مسلّم مجتہدوں کے ارشادات مذکورہ سے یہ ثابت ہوا کہ نفس تعزیہ اور صرف ذوالجناح مگر سادہ کے علاوہ اور سب باتیں ناجائز ہیں۔ جن کو عوام جہّال نے محض اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث پاک اور اقوالِ ائمہ میں ان کی ذرہ بھر اصل نہیں، انکو مذہب اور اسلام کی ترقی کا ذریعہ خیال کرنا ایک لغو اور بیہودہ فعل ہے۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو کہ گناہ کبیرہ اور حرام ہیں۔ جن کا چھوڑنا فرض اور لازمی امر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیعہ علماء اور سمجھدار حضرات تعزیہ اور ذوالجناح کے ساتھ شامل ہونے سے پرہیز کرتے

ہیں۔ ان بدعتوں اور رسموں کو کرنے والے اکثر بے نماز اور فاسق وفاجر بے دین ہوتے ہیں، جن کو ذرّہ بھر اجر وثواب نہیں ملتا۔ نماز نہ پڑھنے سے سب عمل تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، عوام کا اپنی طرف سے کسی چیز کو اچھا یا بُرا کہنا اور اس کو مذہب کا جزو بنا لینا بے معنی اور فضول بات ہے۔ عوام اور دین سے ناواقف حضرات کو اپنے علماءِ کرام کی طرف ہر بات میں رجوع کرنا چاہیئے کیونکہ علمائے کرام کا فرمان وارشاد درحقیقت ائمہ معصومین کا ارشاد ہے ؎

چوں ترک قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجُا　　　خود شمع ایمان کُشتہ پس نورِ ایمانی کجا

حضرتِ فقیہِ اعظم مفتیٔ اُمم حاجی الحرمین الشریفین حافظ قاری صوفی صافی مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ اپنے فتاوٰی رضویہ میں لکھتے ہیں۔

"تعزیہ میں اگر اہلِ اسلام ارواحِ طیبہ حضراتِ شہداءِ کرام کے لئے ایصالِ ثواب پر اکتفا کرتے تو کسی قدر مرغوب وخوب تھا۔ مگر اب تو وہ طریقۂ نامرضیہ (جو ہزاروں خرافات پر مشتمل ہوتا ہے) کا نام ہے جو قطعاً بدعت اور ناجائز وحرام ہے۔ اسی طرح نقل روضۂ امام حسین کی اپنے گھر میں بطور تبرک وزیارت رکھنا اور اس کی اشاعت اور تصنع الم ونوحہ خوانی اور دیگر بدعاتِ شیعہ سے اجتناب کرنا کسی حد تک جائز تھا۔ مگر اب جبکہ اس نقل کے ساتھ اہلِ بدعت وہ سب خرافات کرتے ہیں، جن کا اُوپر ذکر کیا گیا۔ اس نقل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ اہلِ بدعت کے ساتھ اس ناجائز بات میں مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہلِ اعتقاد کے لئے ایسی خرافات اور بدعات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ لہٰذا بنظرِ محبت روضۂ انور حضرت امام حسین کا کاغذ پر صحیح نقشہ بنالے اور تبرکاً رکھے جیسا کہ حرمین شریفین سے کعبۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ اور روضۂ عالیہ وغیرہ کے نقشے آتے ہیں۔" انتہیٰ ملخصاً

نفسِ تعزیہ کا شرعی حکم

نفسِ تعزیہ اور روضۂ انورہ کی نقل اوّل تو یہ اصل کے مطابق ہی نہیں ہوتی متعدد صورتوں پر بنائی جاتی ہے۔ دُوسرے یہ اُس وقت جبکہ اس کے ساتھ کوئی خلافِ شرع بات نہ ہوتی تو جائز تھا مگر اب جبکہ اس کے ہمراہ کثرت سے ناجائز چیزوں کو شامل کر لیا گیا ہے جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے سخت ناجائز ہے کہ اس کا نقشہ رکھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے: تاکہ بدعتیوں سے کسی طرح سے مشابہت نہ پیدا ہو اور نہ اپنے متعلقین کے اس قسم کی بدعاتِ قبیحہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔ حدیث میں ہے اِتَّقُوا

اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ — یعنی تہمت کی جگہوں سے بچو۔

اور حدیث میں ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ — جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کی جگہ پر نہ بیٹھے۔

اور تعزیہ بنانے اور گھر میں رکھنے سے خواہ مخواہ دوسرے کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ اُسی بدعتی گروہ سے ہے۔

حضرت شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے۔

مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْ مَثَّلَ مِثَالًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ — یعنی جس شخص نے قبر کو پھر نیا بنایا یا اس کی مثال اور نقشہ بنایا وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

(یعنی جب اُس پر اصل شئے کے احکام جاری کر دیئے جائیں) کتاب من لایحضرہ الفقیہہ ص۳۷ ——— حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۂ اثناعشریہ خواص مذہب شیعہ میں لکھتے ہیں۔

نوع شانزدہم صورت چیزے را حکم آن چیز دادن و در شیعہ ایں وہم خیلے غلبہ کردہ قبورِ حضراتِ امامین و حضرتِ امیر و حضرت زہرا — سولھویں قسم یہ ہے کہ کسی چیز کی صورت کو بعینہٖ اصل چیز کا حکم دینا اور شیعہ گروہ میں یہ وہم غالب ہے کہ حضرات حسنین و حضرات امیر و

راتصویر کنند و بیگماں آنکہ ایں قبور حقیقۃً قبور مجمع النور آں بزرگواران ست تعظیم وافر نمائید بلکہ نوبت بسجدات رسانند و فاتحہ خوانند وسلام و درود برسانند و مگس رانہائے منقش و مزین گرفتہ گرداگرد ایستادہ شوند در رنگِ مجاوراں و دادِ شرک دہند و نزد عقل در حرکات طفلاں و حرکاتِ ایں پیرانِ نابالغ ہیچ تفاوت نیست الخ

حضرتِ فاطمہ زہرا کی قبروں کی صورت بناتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ قبریں مصنوعی انوارِ الٰہی کی جگہ ہیں۔ انکی بہت تعظیم کرتے ہیں بلکہ انکو سجدہ کرتے فاتحہ پڑھتے سلام و درود بھیجتے منقش مگس رانوں کو لیکر مجاوروں کی طرح انکے گرداگرد گھومتے ہیں اور خوب شرک کی داد دیتے ہیں عقلمند کے نزدیک بچوں کے کھیل اور ان کی ایسی حرکات میں کچھ فرق نہیں۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہزاروں چیزیں اصل میں تو وہ جائز ہوتی ہیں لیکن بعض عوارض اور دوسری ناجائز چیزوں کے ساتھ مل کر ناجائز ہو جاتی ہے۔ دیکھئے علم کوئی بھی ہو اصل میں تو اس کو حاصل کرنا جائز ہے۔ لیکن بعض وقت اس سے چونکہ بُرے نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا اس کی تحصیل ممنوع قرار دی جاتی ہے۔ جیسے علمِ سحر، علمِ کہانت وغیرہ اور جیسے مجلس و محفل، اصل میں جائز ہے۔ لیکن مجالس سنیما، سرکس، تماشہ وغیرہ مخالفتِ شریعت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہیں۔ اسی طرح نفس تعزیہ یعنی صرف نقل روضۂ مقدسہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اصل میں اجازت تھی۔ لیکن اب مذکورہ بدعات و خرافات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کہ اس نقل کو اصل سمجھ کر اس پر وہ تمام چیزیں کی جاتی ہیں جن کا تذکرہ استفتاء میں مندرج ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

تیسرے (۳) اس لئے یہ تعزیہ ناجائز ہے کہ شرک اور کفر کا ذریعہ بنتا ہے کیونکہ بعض جاہل اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس کو حاجت روا خیال کرتے ہیں اور ان کو بعینہٖ قبریں سمجھ کر ان پر درود سلام بھیجتے ہیں اور جو اس کی تعظیم نہ کرے اس سے لڑتے بھڑتے ہیں۔

اور وہ مسلمان جو کہ دنیا میں اسلئے آیا تھا کہ بُت پرستی اور نفس پرستی کو اُٹھا کر خدا پرستی سکھائے، خدا کے دروازے سے بھاگے ہوؤں کو پھر اُس مالکِ حقیقی کے دربارِ رحمت میں لا کھڑا کرے۔ جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے ؎

کیا اُمیتوں نے جہاں میں اُجالا   ہوا اس سے اسلام کا بول بالا
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا   ہر اک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا

آج وہ مصنوعی تعزیہ داری کے شوق میں پھر شرک و کفر کا سودا دھرے بیٹھا ہے اور بیچارے بھولے بھالے اسلامی بھائیوں کا بلکہ اپنا بھی ایمان ضائع کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

چوتھے یہ تعزیہ اسلئے بھی ناجائز ہے کہ اس میں فضول اور ناجائز طریقہ پر مال کو ضائع کیا جاتا ہے۔ جو کہ شریعت میں ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ جب یہ تعزیئے نکلتے ہیں تو بڑی دھوم سے تاشے باجے بجتے، طرح طرح کی گرم بازاری کرتے نکلتے ہیں، عورتوں کا ہر طرح ہجوم اور شہوانی میلوں کی پوری رسوم اور اس کے ساتھ یہ خیال کہ یہ ساختہ اور بناٹی ہوئی تصویریں بعینہٖ اور اصلی شہداء کے جنازے ہیں، پھر کچھ نوچ اُتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر سال لاکھوں روپیہ غریب مسلمانوں کی جیب سے نکل کر زمین میں دفن ہو جاتا ہے۔ کاش یہ روپیہ حصولِ جنت کے لئے صَرف ہوتا، اسلامی کاروبار میں خرچ ہوتا، خدا تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو شریعت کے موافق مال خرچ کرنیکی توفیق عطا فرمائے، آمین

پانچواں اس وجہ سے بھی یہ تعزیہ ناجائز ہے کہ اس سے ائمہ کرام اور شہداۓ عظام کی پاک روحیں ناراض اور پریشان ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس تعزیہ کے ساتھ ناجائز اور بہت سی بدعتیں کی جاتی ہیں، غیر اللہ کو سجدے کئے جاتے ہیں، ان پر منتیں مانی جاتی ہیں انکو جلوہ گاہِ انوارِ امام سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہ بعینہٖ جنازہ امامِ ہمام عالیمقام جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ، اور ان کے ساتھ باجے تاشے وغیرہ خوب بجائے جاتے ہیں جو کہ شہداء کی سخت توہین اور بے عزتی ہے۔ بلکہ بعض جگہ تو حضرتِ صدیقِ اکبر اور حضرتِ فاروقِ اعظم اور حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہما کی بھی نقلیں بنائی گئیں۔ چنانچہ محلہ منصور نگر میدان ایلچ خاں

شہر لکھنؤ جو ناٹک، سرور (یعنی مجلس تبرا بازی) کے نام سے کیا گیا۔ جس کی مختصر سی خبر روزنامہ زمیندار، سیاست، حقیقت میں چھپ چکی ہے۔ رسالہ النجم لکھنؤ صفر ا میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس ناٹک سرور میں اصحاب ثلثہ کی نقلیں اُتار کر ہزار ہا کے مجمع عام میں جس میں غیر مسلم خاص طور پر بلائے گئے تھے۔ ان کی خلافت حاصل کرنے کا نقشہ دکھایا گیا اور حضرت علی کی نقل بنا کر اُن کی گردن میں رسی ڈال کر کھینچے جانے اور جبری بیعت لینے کا سین دکھایا گیا۔ اسی طرح حضرتِ خاتونِ جنت کی نقل پر دروازہ گرائے جانے کا سین دکھایا گیا۔ استغفراللہ ثم استغفراللہ۔

سُنتے تھے کہ عراقِ عجم میں شیعہ حضرات، امام حسین اور اُن کے اہلِ بیت کی نقلیں بنا کر ان کی تذلیل کرتے ہیں، جو لوگ محرّم کے دنوں میں عراق و ایران سے ہو آئے ہیں، اُن سے دریافت کیجئے کہ وہاں امامِ مظلوم کا ماتم کس انداز سے کیا جاتا ہے، واقعۂ کربلا کی پوری تصویر کھینچی جاتی ہے، محبّانِ اہلِ بیت و شیدایانِ امام حسینؓ سے کوئی شمر بنتا ہے اور کوئی یزید، لڑائی ہوتی ہے۔ وہی شیعہ جو قاتلوں پر ہزار تبرا کئے بغیر روٹی نہیں کھاتا خود قاتلوں کا لباس پہنے امام حسین کو قتل کرتا ہے، چند لڑکیوں کو جن کا نام زینب، ام کلثوم رکھا جاتا ہے یہ شیعہ اور محب علی "قاتل" ان کے گلوں اور رخساروں پر تھپڑ مارتا ہے، ان کے کانوں کی بالیاں اور بُندے نوچتا ہے۔ حضرت امام حسین کو گالیاں دیتا ہے اور انہیں قتل کر کے خوشی کے مارے اُچھلتا کودتا ہے، اس کے ساتھی بھی گالیاں سنتے اور خوش ہوتے ہیں اور محبتِ اہلِ بیت کا بہترین ثبوت بہم پہنچاتے ہیں، امام کے خیمے لُوٹے جاتے ہیں، مستورات کو برہنہ اُونٹوں پر سوار کیا جاتا ہے، بازاروں میں پھرایا جاتا ہے، ناجائز دھمکیاں دی جاتی ہیں اور کوفی غداروں کی نقل اُتاری جاتی ہے۔ مگر ہندوستان کے شیعہ حضرات تو ان سے دو قدم آگے اور بڑھ گئے۔ کہ اُنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقدس والدین محترمین کی بھی نقل بنا کر ان کی ہتکِ عزت کر ڈالی۔ کیا یہی حُبِّ اہلِ بیت ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اُنکی توہین کر کے غیر مذہب والوں کو بھی اس کا تماشا دکھایا جائے اور جن کی بدولت دُنیا بھر کی نعمتیں ملیں، وجود اور ایمان ملے، سیدِ اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہترین

اُمت بنیں آج اُنہی کے خلاف کمربستہ ہیں۔

آہ! افسوس کہ جن پاک ہستیوں نے جانداروں کی تصویر تک بنانے کو منع کیا تھا آج مسلمان خود اُنہی کی تصویریں بناکر اُن کی بے عزتی کر رہا ہے اور محبت کی آڑ میں دشمنی کا ثبوت دے رہا ہے۔ کاش کہ اس بھولے مسلمان کو سمجھ ہو کہ شوق و محبت کے طور پر جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب شریعت میں ناجائز ہے۔ حضراتِ شہداءِ کرام ایسے فعل سے سخت برگشتہ ہیں۔ ان کی زبان سے ایسے فعل کرنے والے افراد کے لئے کبھی دعائے خیر نہیں نکلے گی۔

بھائیو اور عزیزو! شریعت کا خلاف چھوڑو اور عوام جہال اور نیم ملاؤں کے پیچھے لگ کر ائمہ اطہار کے ارشاداتِ عالیہ کو نظر انداز مت کرو۔ شریعت پر عمل کرتے ہوئے ان کو خوش کرو۔ اور ان کی دعائیں حاصل کرو۔

بہر صورت یہ نفسِ تعزیہ بھی وجوہاتِ مذکورہ بالا کی وجہ سے شریعت میں ناجائز ہے ہر مومن مسلمان کو حتی الوسع اس سے بچنا ضروری اور لازمی ہے ؎

گر ہمیں مشرب وہمیں شیعہ کارِ ایماں تمام خواہد شد

چھٹے اس وجہ سے یہ تعزیہ ناجائز ہے کہ واقعۂ کربلا جس تصویر اور جن حرکات قبیحہ کے ساتھ آج پیش کیا جاتا ہے۔ اُس سے رُوح مردہ ہو جاتی ہے، اخلاق گندے ہو جاتے ہیں ایمانی طاقت بے نور ہو جاتی ہے اور نوعِ انسان میں نفرت اور فتنہ کا دروازہ کھُلتا ہے تعاون وتمدّن کا خاتمہ ہونے لگتا ہے۔ بین الاقوامی زندگی میں ایک صفر کی حیثیت رہ جاتی ہے۔ کیونکہ تعزیہ دار حضرات کو گالیاں دینا اور بزرگانِ دین پر تبرّا بازی کرنا بُرا معلوم نہیں ہوتا اُن کے بڑے بڑے نامور افراد لعنتوں کا وظیفہ رٹتے رہتے ہیں۔ دیکھو نواب صاحب شیعی لاہوری کی کتاب "مفتاح الفتح" مندرجہ اعمالِ عاشورا، صفحہ ۳۲۶ تا ۳۲۸ اور کچھ محسوس نہیں کرتے کہ ہم کس ورد میں مشغول ہیں، ایسا کرنے سے ہماری روحانیت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

نفسِ ذوالجناح اور گہوارہ حضرتِ علی اصغر کا شرعی حکم

نفسِ ذوالجناح اور گہوارہ، ہر دو ایک بدعت ہے جس کو شوقیہ ماتم میں اضافہ

کرنے کے لئے شیعہ حضرات نے ایجاد کیا ہے جس کے آگے وہ حسینؓ کا نام لے کر سینہ کوبی و نوحہ زنی وغیرہ کرتے ہیں۔ کسی گھوڑے کو دُلدُل امام بنا کر زیورات اور سامانِ جنگ سے سجا کر، اور ایک چادر جو کہ سُرخ داغوں سے متلوّث ہوتی ہے۔ اُس پر ڈال کر بازاروں اور گلی کوچوں میں نکالتے ہیں، گویا وہ امام حسینؓ کا ہی گھوڑا ہے جو ابھی ابھی اپنے سوار کو زمین پر گرا کر نکلا ہے۔ اس کے ساتھ تمام شیعہ آبادی چھوٹے بڑے مرد و زن چھاتیوں کو پیٹتی سروں پر خاک ڈالتی حسین حسین کرتی جاتی ہے۔

اس کے جائز ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں، اوّل تو اس لئے کہ نقل مطابق اصل ہی نہیں، اور یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ حضرت امام حسینؓ کی سواری خچر تھی۔ بلکہ میدانِ کربلا میں آپ اُونٹ پر سوار ہو کر ہاتھ میں قرآن مجید لے کر حجت کو تمام کرنے کے لئے دشمنانِ اہلبیت کے سامنے تشریف لے گئے تھے کہ یہ دشمن دین و عقل کل روزِ قیامت یہ نہ کہہ دیں کہ ہم بھول میں تھے۔ پس تعزیہ میں خچر یا اُونٹ ہونا چاہیئے تھا، حالانکہ ہمیشہ گھوڑا ہی نکالا جاتا ہے۔

دوسرے اسلئے ناجائز ہے کہ قرآن و حدیث سے اور ائمہ اہلِ بیت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور مسلمان پر فرض ہے کہ جس کا ثبوت قرآن مجید وغیرہ سے نہ ہو، اُس سے کوسوں دُور رہے۔

تیسرے اسلئے بھی ناجائز ہے کہ ان کے ساتھ جو بدعتیں اور خرافات کی گئی ہیں وُہ ائمہ اہلِ بیت کی تصریح اور علمائے شیعہ سے بھی سخت ناجائز ہیں اور بعض تو حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں۔ مذہب سے ان کو کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے محض عوام کالانعام کی ایجاد ہیں، اور ایک تماشائی صورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیعہ جماعت کے علماء بلکہ اور معزز آدمی اور شریف و نیک بخت حضرات اس میں شامل ہونے سے بچتے ہیں اور اس میں کسی طرح حصّہ نہیں لیتے۔ بلکہ اس کا اعلان کرتے ہیں کہ یہ سب رسمیں شریعت میں ناجائز ہیں اور بدعت ہیں، مگر عوام جہال اُن کی ایک نہیں سنتے، اپنی ہی ہانکتے جاتے ہیں اور اس کو جائز اور موجب ثواب سمجھ کر اپنے ایمان کو برباد کرتے ہیں اور شہدائے کرام کی روحوں کو ناراض کر کے اپنی آخرت کو تباہ کرتے ہیں۔ دیکھو ذوالذبح صحا ۱۰۸ جس کی عبارت

پہلے ص۲۵ پر نقل کی جاچکی ہے۔

چوتھے اسلئے ناجائز ہے کہ یہ رحمتِ الٰہی سے دور ہونے کا طریقہ ہے، وجہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ بات ثابت ہے کہ میت کی رُوح پسماندگان کے شرعی اتباع اور بہترین چال چلن سے خوش ہوتی ہے اور مخالفت سے ناراض۔ اور بلاشبہ حرکاتِ تعزیہ خلاف شرع ہیں۔ جو کہ روحوں کی خوشی کا کبھی باعث نہیں ہوسکتیں پس جب ایسے ناشائستہ حرکات سے امام حسینؓ و دیگر شہداء کی روحیں بلکہ اُن کے مقدس والدین اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک روحیں ناراض ہونگی تو وہ کب دعاءِ برکت کریں گی لہذا یہ نفس ذوالجناح وغیرہ بھی شریعت پاک میں ناجائز ہے اور ایماندار کو اس سے بچنا چاہیئے۔

محرّم کی مہندی کا حُکم

عشرۂ محرم الحرام میں حضرت امام قاسم بن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کی رسم عروسی میں مہندی کی تقریب بڑی شان سے منائی جاتی ہے۔ غیر معمولی تکلفات کو اختیار کیا جاتا ہے۔ عوام اس میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں لیکن یہ بھی ناجائز ہے۔

اوّلاً اسلئے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے محض عوام اور جاہل لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہے۔ چنانچہ فاضل رضی الرضوی بن سید علی الحائری شیعی نے اپنی کتاب الذبیح کے ص۲ پر اس کی تصریح کر دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

"مہندی کی رسم بھی مذہب حق میں کوئی اصلیت نہیں رکھتی کیونکہ قاسم بن حضرت امام حسن علیہ السلام کی رسم عروسی میں یہ مہندی کی رسم جاری اور قائم کی گئی ہے۔ قرآن یا کسی حدیث صحیح میں قطعاً اس کا ذکر تک نہیں آیا ہے۔ نہ عقدِ عروسی قاسم کا ذکر کہیں کربلاءِ معلّٰی میں ہونا وارد ہوا ہے۔ علماء و مجتہدین عراق و ہند کا اتفاق ہے کہ

کربلا میں عروسی قاسم کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ پس شرع اسلام میں جس چیز کی کوئی بھی اصلیت نہ ہو۔ اُس کو مذہب بنالینا یقیناً گناہ ہے۔"

اس لئے شیعہ بزرگ تو مہندی اُٹھاتے ہی نہیں اور جو لوگ طوائف، باجے، نقارے وغیرہ سامانِ عیش وطرب کے ہمراہ مہندی لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ صریح ایک گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ خدا اُن کو ہدایت کرے۔ آمین

دوئم اسلئے کہ اس میں بھی تعزیہ وغیرہ کی طرح اکثر بدعات شنیعہ کو اختیار کیا جاتا ہے جن سے ہر مسلمان کو پرہیز لازمی اور ضروری ہے۔

سوم اسلئے کہ اس میں اسراف اور فضول اخراجات سے مال کو تباہ کیا جاتا ہے جو کہ شرعی اور عقلی طور پر ناجائز ہے۔

تعزیہ میں، اتمی عَلَم کا حُکم

تعزیہ مروّجہ میں شہداء کرام کی یادگار میں اکثر پنجوں کی صورت میں عَلَم نکالے جاتے ہیں ان پر بھی گھوڑے کی طرح منتیں ... مانی جاتی ہیں، چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں کوئی جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی طواف کر رہا ہے وغیرہ وغیرہ، اور ان افعال کو موجب اجر و ثواب سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی ناجائز ہے۔ اوّل اسلئے کہ اگرچہ اصل میں عَلَم اور کوئی نشان بلند کرنا جائز ہے۔ لیکن تعزیہ میں عَلَم کے ساتھ بھی بہت سی اس قسم کی بدعات وخرافات کی جاتی ہیں جو کہ شریعت میں ناجائز ہیں اور ان کے کرنے پر کوئی اجر و ثواب نہیں ملتا۔ بلکہ اُلٹا گناہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا ترک کر دینا نہایت ضروری ہے۔

دوم اس لئے ناجائز ہے کہ تعزیہ میں عَلمبرداری حقیقت میں شہیدانِ کربلا کے غدّار و بے وفا یزیدی قاتلوں کے نیزوں کی سربلندی کی یادگار ہے۔ کیونکہ ان ظالموں نے حضرت سیّد الشہداؓ کا سر مبارک جدا کر کے نوکِ نیزہ پر رکھا اور اس کو بلند کرتے ہوئے خوشیاں مناتے باجے بجاتے، اُچھلتے کودتے یزیدی دربار میں حاضر ہوئے، اسی طرح آج تعزیہ میں عَلَم کے بانس پر پنجہ لگاتے ہوئے خوشیاں کرتے، اُچھلتے، پھولتے، نذر و نیاز لیتے متعدد

بدعات کرتے، بظاہر امام حسین کا نام لیتے، حقیقت میں یزیدی یادگار مناتے ہیں اور امام کی رُوحِ مقدسہ کو پریشان کرتے ہوئے یزیدی رُوح کو خوش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر مومن مسلمان کو ناجائز باتوں سے بچائے اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے ۔۔۔ دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

ماتمی عَلموں پر چڑھاوے کا حکم

کسی متبرک اور مقدس شئے پر غلاف وغیرہ کا چڑھا دینا یا ثواب پہنچانے کی خاطر کسی چیز کو وہاں پیش کرنا اصل میں مباح اور جائز ہے۔ لیکن عَلم پر چڑھاوا جائز نہیں کیونکہ یہ رسمی عَلَم خود ہی ناجائز ہے جیسا کہ اُوپر معلوم ہوا ہے تو اس پر چڑھاوے کا کیا مطلب؟ دوسرے اسلئے بھی ناجائز ہے کہ اس میں نہ تو شوکتِ اسلامی کا اظہار ہے اور نہ شہدائے کرام کی ارواحِ مبارکہ اس سے خوش ہوتی ہیں۔ ہاں یزیدی یادگار ضرور ہے، اور اس کے قائم کرنے سے یزیدی رُوح ضرور اُچھلتی کودتی ہوگی اور خوشی سے پھولی نہ سماتی ہوگی کیونکہ عَلم پر پہلے چڑھاوا اُسی نے پیش کیا تھا چنانچہ "اخبار ماتم" کے ص ۹۶ پر لکھا ہے۔

"جب اہلِ بیت امامِ مظلوم یزید کے رُوبرو لائے گئے تو بڑی نرمی اور مہربانی سے پیش آیا، اور اُنہیں اپنے گھر میں جگہ دی اور اُن کو دیکھ کر آلِ معاویہ اور ابوسفیان کی مستورات نے نوحہ و ماتم حسین شروع کر دیا۔ ہند زوجۂ یزید برہنہ سر ماتم کرتی ہوئی نکل آئی اور بولی، اے یزید، کیا نورِ چشم فاطمہؓ (حسین) کا سر مبارک میرے گھر کے دروازے کے سامنے نیزہ پر مصلوب ہے؟ یزید ہند کے پاس کود کر پہنچا اور اُسے کپڑوں سے ڈھانکا اور کہا ہاں، تم اُس پر ماتم کرو اور زیور اور پارچات اُس پر اُتار پھینکو اور اس پر تین دن ماتم کرتی رہو اہلِ کوفہ نے نوحہ و ماتم شروع کر دیا۔"

ثابت ہوا کہ سب سے پہلے نیزہ پر زیور اور کپڑوں کا چڑھاوا یزید کے خاندان نے بحکم یزید چڑھایا اور یہ عَلَم بھی اُسی نیزہ کی صورت پر کھڑا اور بلند ہوتا ہے اور اس پر اُسی

طرح کپڑے، پارچات وغیرہ چڑھاتے جاتے ہیں۔ جس سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ علَم اور اُس پر چڑھاوا یزیدی یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے ظالم و فاسق کی پیروی اور اُس کی یادگار منانے سے بال بال بچائے۔ آمین ؎

آزماؤ نہ خدا کے لئے اُلفت میری — اور بڑھ جائینگی بدنامیاں رسوا ہو گے

ممکن نہیں کہ رایت باطل ہو سربلند — حق کو سدا پسند ہیں مردانِ حق پسند

عقلی دلیلوں سے تعزیہ وغیرہ کی ممانعت

۱۔ ہر شخص جانتا ہے کہ تمام دنیا کا اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے، جن و بشر، حور و ملک، زمین و فلک، کرسی و عرش، سب زیر و زبر اُسی کی مِلک ہے اور مالک کو بحیثیت مالک ہونے کے اس کا کلی اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی مِلک میں جب چاہے اور جس طرح چاہے تصرف کرے اور اس کو استعمال میں لائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اگر ہم سے کسی چیز کو فوت کر دے اور کسی عزیز کو اپنے پاس بُلا لے، تو ہمارا اس عزیز کی جُدائی میں ماتم و غم و نوحہ وغیرہ میں بیصبری سے مبتلا ہونا ایک بے معنیٰ بات ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے قبضہ اور ملک میں نہ تھا کہ ہم اُس سے اور وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جُدا نہ ہوتا۔ بلکہ وہ ہمارے پاس بطور امانت ایک چیز تھی، امانت والے نے جب چاہا اُس کو واپس لے لیا، اس میں اس افسوس اور ماتم کی بات ہی کیا ہے۔ بلکہ اُس کی ذرّہ نوازی ہے کہ اُس نے اپنی ہی چیز لے کر ہم کو صبر کرنے پر بہت بڑا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا جو کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ کسی چیز کے ضائع اور تباہ ہونے کا تب ہی غم ہُوا کرتا ہے۔ جب اُس کے بدلے کچھ حاصل نہ ہو۔ اور اگر بدلے میں اصل سے بھی زیادہ ملے تو غم کم، بلکہ ہوتا ہی نہیں مثلاً آپ سے ایک روپیہ لے کر آپ کو دس روپے کا نوٹ دیدیا جائے تو آپ کو ایک روپیہ کا ہاتھ سے جانے کا کیا غم ہوگا؟ بالکل نہیں، بلکہ طبیعت اور بھی خوش ہوگی پس جب ہمارے کسی عزیز کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بُلا لیتا ہے تو ہم کو اس عزیز کی موت پر جو رنج و ملال ہوتا ہے اور طبعی طور پر پریشانی ہوتی ہے، اس پر صبر کرنے کے بدلے بہت بڑا ثواب ملتا ہے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جب کسی مسلمان کا لڑکا فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُرواح قبض کرنیوالے فرشتوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے دل کا ٹکڑا چھین لیا ہے ؟ وہ کہتے ہیں ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس پر میرے بندے نے کیا کہا ؟ فرشتے کہتے ہیں کہ اس پر اُس نے تیری بڑی حمد کی اور شکر ادا کیا اور اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون پڑھا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک گھر بنادو اور اُس کا نام بَیْتُ الحمد رکھدو"

دیکھا اللہ کریم نے آپ سے ایک چیز لے کر کتنا بڑا انعام بخشا ہے۔ قیامت میں جب حساب ہوگا۔ اُس وقت آپ کو اس کی قدر معلوم ہوگی۔ وہاں یہ اولاد کام نہ آئیگی جس کے صدمہ سے آپ اتنا روتے ہیں، اور نہ ماں، باپ، بیوی وغیرہ۔ ہاں ان کی جدائی پر صبر کرنے سے اجرِ عظیم ضرور ملے گا۔

۳۔ ہمیں کسی عزیز کی جدائی کا غم غالباً اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ ہم سے ہمیشہ کیلئے جُدا ہوگیا۔ اگر یہ خیال ذہن سے نکل جائے تو جدائی کا غم ہلکا بلکہ رہے گا ہی نہیں بعض دفعہ ہمارے عزیز سالہا سال تک ہم سے جُدا رہتے ہیں، لیکن اُن کی واپسی اور ملاقات کی امید جو ہمارے دلوں میں موجزن ہوتی ہے، وہ اس غم کو ہلکا کر دیتی ہے۔ بلکہ جس فراق وجدائی کے بعد ملاقات کی امید یقینی اور مضبوط ہو۔ وہ زیادہ گراں نہیں گزرتی۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ آپ کا ایک بھائی کسی غیر ملک میں چلا گیا ہے۔ مدتوں آپ کو اُس کے زندہ ہونے کی خبر نہیں ملی۔ آپ اُس کے غمِ فرقت میں شب و روز دیدہ تر رہتے ہیں، بے چین ہوتے ہیں، اچانک اُس ملک کے گورنر کی طرف سے آپ کو ایک حکمنامہ پہنچا کہ تمہارا فلاں بھائی ہمارے ماتحت ایک عہدہ پر ممتاز ہے، عنقریب ہم تم کو بھی یہاں بلالیں گے، خدارا سچ کہیئے! آپ کو ذرہ بھر بھی اپنے بھائی کی جدائی کا غم فقط یہی سُن کر رہ جائیگا ؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ تو خوشی اور شوق کے ساتھ اُس وقت کے انتظار میں دن گن گن کر گزاریں گے، کہ کب وہاں جانے کا حکم آتا ہے پس ہمکو کسی عزیز کی وفات پر یوں ہی سمجھنا چاہیئے کہ جدائی چند روزہ ہے، ایک دن خدا تعالےٰ ہم کو بھی بلالے گا جیسے اس کو بلالیا ہے۔

۴۔ جب کوئی عزیز فوت ہو جاتا ہے تو انسان کی رُوح پر ضرب لگتی ہے اور جگر غم سے پھٹنے لگتا ہے، دل پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے ہماری دنیا و آخرت کے کاروباری سلسلہ کے درہم برہم ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ صبر کی تلقین فرما کر اس زخم جگر اور اضطراب دل پر مرہم لگا دیا ہے، جیسے بچے کے بدن پر ایک زخم آ کر اُس پر کھرنڈ جم جائے۔ بچہ ہر چند چاہتا ہے کہ اُس کھرنڈ کو دُور کر دے، لیکن اُس کا شفیق و رحیم باپ اس کو روکتا ہے کہ خبردار ایسا مت کرنا ورنہ زخم کے زیادہ اور تازہ ہونے کا پھر صدمہ اُٹھاؤ گے۔ اسی طرح عزیز کے فوت ہونے سے دل و جگر پر زخم ہو جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ماتم و نوحہ وغیرہ سے اسکو چھیل کر پھر تازہ کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ کمال شفقت و رحمت سے اس پر صبر کا مرہم لگانے کو ارشاد فرماتا ہے کہ صبر کرو اور استقلال مت چھوڑو، ورنہ وہ صدمات پھر تازہ ہو کر تمہارے کاروبار کو درہم برہم کر دیں گے۔

۵۔ جو کام اچھا ہوتا ہے اس کو ہر چھوٹا بڑا پسند کرتا ہے، خود کرتا ہے دوسروں کو آمادہ کرتا ہے، مگر تعزیہ مروّجہ کا معاملہ برعکس نظر آتا، اس میں جہانتک دیکھنے میں آتا ہے شریف اور سمجھ دار آدمی نظر نہیں آتے، اُمراء کا طبقہ کبھی سر بازار سر و سینہ پیٹتا نظر نہیں آتا، عموماً علماءِ شیعہ بھی شریک نہیں ہوتے، سینہ کوبی کرنے والے صرف نچلے طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں اور اکثر رنڈیاں اور بازاری عورتیں سیاہ لباس پہنے اپنی زینت بڑھاتی ہوئی بڑے ناز اور نخرے سے "ہائے حسینا! وائے حسینا" کہتی سر و سینہ پیٹتی ہیں، انہی پر عام بہاں تماشبین ٹوٹے پڑتے اور جلوس کی رونق بڑھاتے ہیں، اگر کہا جائے کہ بھائی حسین کا ماتم ایسے لوگوں سے تو نہ کراؤ، تو جواب ملتا ہے کہ تم سے تو رنڈیاں زیادہ ایماندار ہیں (جعفریہ ایسوسی ایشن کا رسالہ بدزبان ص۲۱) یا یہ جواب ملتا ہے کہ ہم ان کو منع نہیں کر سکتے کیونکہ یہ حضرت داتا صاحب کی مریدنیاں ہیں (اخبار شیعہ ص۶ مورخہ ۱۶ ش ۹ ھ) اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ پیٹنے والے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو کچھ دُنیاوی طمع ہوتی ہے۔ بہرصورت ذمہ دار حضرات

کا اس تعزیہ میں شریک نہ ہونا پتہ دیتا ہے کہ یہ رسمی طور پر تعزیہ ہے، واقع میں کوئی خوبی کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے شہداء کی روحیں راضی ہوتی ہیں اور نہ ہی اس پر کوئی ثواب و اجر ملتا ہے۔ محض ایک تماشائی صورت ہے جس کو کسی خاص غرض سے ایجاد کیا گیا ہے۔

۶۔ جو غم والم واقعی اور صحیح ہوتا ہے اور خاص دل پر اُس کی چوٹ ہوتی ہے۔ اُس کا اظہار کسی حیلہ اور بہانہ کی طرف محتاج نہیں ہوا کرتا۔ کوئی عزیز فوت ہو جائے تو اس کا خیال آتے ہی آنسو بہنے لگتے ہیں اور دل بے قرار ہو جاتا ہے، نہ کسی نوحہ پڑھنے والے کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی کے اُکسانے کی، نہ دن کی قید ہوتی ہے نہ رات کی، نہ کسی سامان کی تکلیف ہوتی ہے، نہ پیغام کی، اسی طرح ان حضرات کو حضرت امام حسین کا اگر واقعی اور صحیح غم و درد ہو تو تعزیوں اور گھوڑوں اور مرثیوں کے بغیر ہی رونا آجائے، مگر نہیں آتا، کسی شیعہ دوست سے گھنٹوں امام حسین کا ذکر کرو کیا مجال کہ ایک آنسو بھی بہہ جائے، شیعہ دوست ایک گھوڑا لے کر اُس کو سجاتے ہیں، اپنے ہاتھ سے اُسے خون آلودہ کر کے اُس کے ساتھ تیر پیوست کرتے ہیں، اور اُس کی شکل ایسی بناتے ہیں کہ گویا امام حسین کو ابھی گرا کر آیا ہے، اس تیاری کے درمیان کوئی ماتم نہیں، کوئی نوحہ نہیں، کیا اُس وقت حضرت امام حسین کا ذکرِ پاک دل سے محو ہو گیا ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں، صرف بات یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کی مڈھ بھیڑ اور سینہ کوبی دیکھنے اور داد دینے والا کوئی موجود نہیں ہوتا، جہاں گھوڑا لے کر بازار و گلی میں نکلے، امام حسین یاد آگئے اور ماتم شروع ہو گیا۔ دیکھو جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو مسلمان اللہ اکبر کہہ کر وہیں مشغولِ نماز ہو جاتا ہے اور کبھی کسی کا انتظار نہیں کرتا کہ کوئی آکر نماز پڑھنے پر وعظ کرے تو نماز پڑھیں، مگر ماتم حسین ایسی عبادت ہے کہ جبتک کوئی نہ اُکسائے کر ہی نہیں سکتے۔

ثابت ہوا کہ ایسے ماتمی حضرات کو صحیح غم و درد امام حسین کے ساتھ بالکل نہیں ہے محض بناوٹ ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو شریعت کی اتباع نصیب فرمائے اور شہداء کرام سے سچی محبت اور صحیح ارادت و عقیدت بخشے۔ آمین ثم آمین۔

مشہور قاعدہ ہے کہ ایک شخص کسی پر ظلم کرتا ہے تو مظلوم کے لواحق اور مدد کرنے والے

ظالم کی خبر لیتے ہیں اور اُس کو اُس کے ظلم کی خوب سزا دیتے ہیں نہ کہ وہ بھی مظلوم پر ہی اپنے ہاتھوں کو صاف کریں اور اسی کو پیٹ پیٹ کر تباہ کریں جس عورت کے بچے کو کسی ظالم نے ستایا ہو موٹی بات ہے کہ وہ ظالم کے مُنہ آتی ہے اور اسکو پیٹتی ہے، اور اُسی کا سیاپا وغیرہ کرتی ہے، اس بنا پر یہ چاہیئے تھا کہ ان شیعوں اور ماتمی حضرات کو اگر خلافِ شرع پیٹنا اور رونا اور ماتم کرنا ہی تھا تو اُن کو پیٹنا اور رونا چاہیئے تھا، جنہوں نے شہداءِ کرام اور اہلِ بیت عظام پر بے پناہ ظلم وستم کئے اور ان کو شہید کیا اور بجائے یا حسین وغیرہ کے یوں کہنا ضروری تھا کہ۔

یَا یَزِید، وَائے شِمر، ھائے شمر، وَاوَیلا صد وَاوَیلا اوپلیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر افسوس کہ یہ ماتمی حضرات یوں نہیں کہتے، ظالم کی تو عزت کرتے ہیں اور اُن کی بُرائی وستم کا تو نام تک زبان پر لانا پسند نہیں کرتے اور حضراتِ اہلِ بیت کو ناجائز طور پر کوستے ہیں پیٹتے ہیں ماتم کرتے ہوئے ارواحِ اہلِ بیت کو ناراض کرکے اپنی عاقبت کو تباہ کرتے ہیں۔ عجیب ہمدردی ہے۔ کیا یہ جائز ہے کہ کسی کی عورت کی بے عزتی ہوتی ہو اور کوئی بے غیرت بازاروں میں کہتا پھرے کہ مسماۃ فلاں بنتِ فلاں کے ساتھ ایسا ہوا اور ویسا ہوا یا کسی اور معزز قوم کو اور پھر اُسی وقت اور ہر سال مُعیّن وقت پر نوحہ رسمی اختیار کریں اور انکو بدنام کرتے پھریں اور چیخ پکار کریں، لوگوں کو سنائیں اور مجمعے بنائیں، اہتمام کی دعوتیں دیں، کہ فلاں فلاں کے ساتھ اس وقت یہ ہُوا، ہرگز نہیں اور بالکل نہیں۔

تو پھر میرے بزرگو اور محترم بھائیو! حضراتِ اہلِ بیت، ائمہ اہلِ بیت، شہداءِ کرام اور اُن کی اولاد ہی ایسی مل گئی ہے کہ جب چاہیں اور جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں بدنامی کرتے پھریں، اور ان کی روحوں کو ستائیں اور دشمنوں کا نام تک نہ لیں (اللہ ہدایت کرے)۔

شاید بات یہ ہو کہ قاتلِ اہلِ بیت درحقیقت شیعہ تھے، جنہوں نے بلاکر میدان کربلا میں سخت بے وفائی کی (جیسا کہ آگے آئیگا)، تو پھر اپنے بھائیوں کی بھلا کس طرح بدنامی کریں۔

استغفراللہ! کسی مسلمان کو تو اسکی جرأت نہیں ہوسکتی۔ اللہ ہدایت فرمائے۔

اور پھر لُطف یہ ہے کہ حضراتِ اہلبیت کی اولاد کا جن کا نام ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ تھا نام تک نہیں لیتے بلکہ لازمی طور پر اُن کا نام لینا ممنوع قرار دیا جاتا ہے، شاید وجہ

اس کی یہ ہو کہ کہیں بیچارے بھولے بھالے ہاتمی حضرات اور دیگر رفقاء و شریک کار کہیں سمجھ جائیں کہ اہلِ بیت کرام اور صحابۂ عظام تمام آپس میں شیر و شکر تھے اور بھائی بھائی، ان میں کوئی ذاتی عداوت و جھگڑا نہ تھا اور اسی وجہ سے ایک دوسرے کے ناموں کو پسند کرتے تھے، اپنی اولاد کو انہی ناموں سے موسوم کرنا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ شیعوں کی ایک مشہور و مستند کتاب "تاریخ الائمہ" میں اس کی تصریح مذکور ہے۔

جدول ۴۳ میں ہے کہ حضرت علی کے اٹھارہ بیٹوں کے ناموں میں ابو بکرؓ، عثمانؓ، عمرِ اصغر بھی ہیں۔

جدول ۶۳ میں ہے کہ حضرت امام حسن کے بارہ بیٹوں میں عبدالرحمٰن، ابوبکر، عمر، نام بھی ہیں۔

جدول ۸۳ میں حضرت امام حسین کے گیارہ بیٹوں کے ناموں میں ابوبکرؓ، عمر، یزید نام بھی ہیں۔

جدول ۹۶ میں امام زین العابدین کے گیارہ فرزندوں کے ناموں میں عبدالرحمٰن، عمر اشرف بھی ہیں۔

جدول ۱۳۷ میں ہے کہ امام جعفر صادق کی والدۂ ماجدہ کا نام اُم فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابوبکر لکھا ہے، یہ بی بی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی نواسی تھیں اس جہت سے امام جعفر فرماتے ہیں وَلَدَنِی الصدیق مرتین۔

جدول ۱۵۳ میں ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے سینتیس بیٹوں میں ایک عمر بھی تھے۔

اسی طرح مقامِ کربلا میں جن حضرات نے قدمِ امام پر اپنی قربانیاں پیش کی تھیں اُن میں ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ نام نمایاں طور پر موجود ہیں، جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے اپنی مشہور کتاب "جلاء العیون" میں ذکر کیا ہے۔

تحریکِ مدحِ صحابہ ص۱۰۵ پر الحاج حضرت مولانا مظہر علی صاحب اظہر (احرار) ایم، ایل، اے پر فرماتے ہیں ——— "جناب امیر نے اپنے علمِ مکنون کے خزانوں سے استفادہ

کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ اصحابِ رسول اور اہلِ بیت کے نام پر کشمکش دنیائے اسلام
کو خراب نہ کرے، اور انہوں نے تمام حالات کے جانتے ہوئے اور حضرت ابوبکر، عمر، اور عثمان کے
عہد کے تمام واقعات سے آگاہ ہوتے ہوئے ہمیشہ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسنِ سلوک
ظاہر کیا اور ان کے امورِ سلطنت میں ہمیشہ ان کی امداد کی، اور جہاں ایران یا کسی ملک کے
خلاف مہم میں مشکلات کا سامنا ہوا تو بہتر سے بہتر مشورہ دیا اور کامیابی کی راہ دکھائی۔

انہوں نے ان تعصبات کو روکنے کے لیے جو آج لکھنؤ اور ہندوستان میں شیعہ وسنی
افتراق کا باعث بن رہے ہیں، یہاں تک کیا کہ اپنے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان
رکھے۔ یہ بزرگوار حسین مظلوم کے ساتھ کربلا کے میدان میں تین روز پیاسے رہ کر امام کے قدموں
پر جان نثار کر گئے۔ لیکن آج تک کوئی شیعہ شاعر، ذاکر، واعظ ایسا نظر نہ آئیگا، جو کبھی
مجالس عزاء میں یا اپنی نظم یا نثر میں ان کا تذکرہ کرتا ہو، تاریخی کتابوں کے اندر ان
کا ذکر موجود ہے، لیکن ان کے نام کسی مرثیہ گو اور واعظ کی زبان پر اسلئے نہیں آتے کہ ان
کے والد گرامی قدر جناب علی المرتضیٰ علیہ السّلام نے ان کے نام ابوبکر، عمر، عثمان رکھدیئے
اگر پڑھے لکھوں نے تعصب کی یہ انتہا نہ کی ہوتی تو آج ابوبکر، عمر، اور عثمان کے نام
ایسے متنازعہ فیہ نہ ہوتے کہ لکھنؤ کے پڑھے لکھے شیعہ سید علی ظہیر کی طرح عوام شیعہ
پر متعصب اور ناروادار ہونے کا الزام لگا کر اپنی برات کا اظہار کرتے۔

جناب امیر نے اپنی اولاد کے نام ابوبکر، عمر، عثمان رکھے، کیا آج لکھنؤ میں کوئی
مجتہد، کوئی رئیس، کوئی واعظ یا کوئی عام شیعہ ہے جو یہ جرأت کر سکے کہ اسوۂ حسنہ جناب
امیر کی پیروی کرتے ہوئے اپنی اولاد کے نام بھی ان ناموں پر رکھے۔ اگر نہیں تو کیا یہ
سمجھا جائے کہ حضرتِ امیر علیہ السّلام کے اس فعل کو غلط اور ناقابل تقلید سمجھتے ہیں۔

ائمہ اہلِ بیت نے مکارم اخلاق کا ہمیشہ سبق دیا اور اپنے پیرؤوں کو بہترین
اخلاق کا نمونہ بننے کی ہدایت کی۔ لیکن افسوس کہ آج انہیں کے نام پر اُن کے دین
کو علانیہ داغ لگایا جا رہا ہے اور پھر اس پر فخر کیا جا رہا ہے اور واقف حال لوگ
بھی دوسرے انسانوں کے خوف سے صحیح بات زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے۔

اس محقق شیعی فاضل کی تحریر سے کیا ثابت ہوا۔

(۱) حضرت امیر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر اہل بیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں کشیدگی کو برداشت نہیں کیا اور خوشگوار تعلقات کی فضا پیدا کی۔

(۲) امورِ مملکت اسلامیہ میں بہترین مشیر کار رہے اور کسی مشکل کو آڑے نہیں دیا۔

(۳) صحابہ کرام سے گہری محبت تھی، حتیٰ کہ اپنی اولاد سے بعض کا نام صحابہ کا سا نام رکھا مثلاً ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ۔

(۴) یہ تینوں صاحبزادے میدانِ کربلا میں امام حسین کے مبارک قدموں پر جان نثار ہوئے۔

(۵) تعصب کی وجہ سے کسی بزرگ شیعہ نے ذاکر ہو یا واعظ، مجتہد ہو یا فقیہہ، شاعر ہو یا کاتب، امیر ہو یا غریب، عوام آجتک کسی مرثیہ یا وعظ وغیرہ میں ان کا نام تک نہ لیا اور نہ ہی لینا چاہتے ہیں۔

(۶) تعصب کا اتنا زور کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی صحیح بات کا اظہار نہیں کر سکتا۔

(۷) عوام و خواص شیعہ حضرات کو لازمی طور پر اہلبیت کی سی رواداری، خوش اخلاقی باہمی اتفاق و اتحاد سے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

(۸) حضرت امیر کی تقلید اور فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی اولاد میں سے بعض کا نام صحابہؓ کا سا نام رکھنا چاہیئے۔

اہلِ بیت اور صحابہ کرام کے باہمی تعلقات

ناظرین کرام! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام و دیگر اہلِ بیت و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں قطعی طور پر کوئی بغض و عناد نہ تھا، بلکہ آپس میں سب شیر و شکر تھے، اگر کوئی امر بتقاضائے بشریت کشیدگی کا گاہے بہ گاہے موجب ہوتا تو فوراً اُس کا تدارک کر لیا جاتا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے باہمی دنیاوی رابطے بھی موجود تھے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی صاحبزادیوں عائشہ صدیقہ حفصہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ عقد نکاح اور حضرت عمر رضی اللہ کا حضرت علیؓ کی

بڑی لڑکی اُم کلثوم کے ساتھ نکاح اور عثمانؓ کا حضور علیہ السلام کی دو بیٹیوں اُم کلثوم و رقیہ کے ساتھ نکاح، حضرت امام ابو محمد حسن بن علی کا صدیقِ اکبرؓ کی پوتی حضرت حفصہؓ کے ساتھ نکاح، زید بن عمر بن عثمان کا سکینہ بنت حسین سے نکاح، حضرت امام اعظم کے والد حضرت ثابت کا خدیجہ بنت زین العابدین کے ساتھ باتفاق اہلِ سنت و شیعہ نکاح، حضرت امام حسینؓ کو شہر بانو شاہ فارس یزدگرد کی بیٹی کا عطیہ جو کہ خلافت حضرت عمر میں مالِ غنیمت میں آئیں تھیں، جن سے امام زین العابدین متولد ہوئے۔

ظاہر ہے کہ ان میں اگر کسی طرح کی منافرت ہوتی یا باہمی آویزشیں ہوتیں تو یہ ازدواجی وغیرہ تعلقات قائم نہ ہوتے۔

سب اہلِ بیت اور صحابہؓ حضور علیہ السلام کی اُمت ہیں

برادرانِ اسلام! آج باہمی منافرت اور بغض و عناد کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض سادات اپنے کو حضور علیہ السلام کی اُمت میں شامل ہونے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جو کہ شرعی اور اخلاقی طور پر مکروہ حرکت ہے۔ وجہ سُنیئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

کنتم خیرَ امۃ اخرجت للناس — تم بہترین امت ہو جو کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے وجود میں لائے گئے ہو۔

دیکھئے اس میں کسی فرد کو خارج نہیں کیا گیا۔

تفسیر مواہب الرحمٰن المشتہر جامع البیان از سید امیر علی لکھنوی نولکشوری ۲۳ھ پر بحوالہ شیخ ابن کثیر لکھا ہے۔ "صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام امت محمدی کو شامل ہے۔ سادات کے خارج ہونے کی کوئی دلیل نہیں، نیز اگر نسبت کی وجہ سے خروج مان لیا جائے اور اس کو موجب فخر و علو تصور کیا جائے تو ابوجہل، ابولہب وغیرہ بھی خاندان قریش سے وابستہ ہیں، حالانکہ ان کا کوئی احترام اعزاز نہیں۔"

ثابت ہوا کہ نسبت موجب فخر نہیں بلکہ زہد و تقویٰ ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ — یعنی سب سے زیادہ معزز و محترم وہ ہے جو پرہیزگار اور متشرع ہو۔

ملا باقر مجلسی شیعی حیات القلوب ص۶۷۷ ج ۲ میں ہے۔

ابن بابویہ بسند معتبر از امام جعفر صادق روایت کردہ است کہ حضرت رسول کریم فرمودہ چہار خصلت بد ہمیشہ در امت من خواہد بود تا روز قیامت اول فخر کردن بحسب ہا خود، دوم طعن کردن در نسب ہا سوم آمدن باراں را از او ضاع کواکب دانستن و اعتقاد بعلم نجوم داشتن۔ چہارم نوحہ کردن وبدرستیکہ اگر نوحہ کنندہ توبہ نکند پیش از مردن اش چوں بروز قیامت مبعوث شود جامہ از مس گداختہ و جامہ از جرب بہر او پوشانند۔

خلاصہ ترجمہ کہ میری امت میں تا قیامت چار چیزیں رہیں گی۔
اول اپنے حسب پر فخر کرنا۔
دوم یہ کہ اپنی نسب پر اترانا۔
سوم بارش کا ستاروں کی وجہ سے اعتقاد رکھنا۔
چہارم ماتم کرنا اور ماتم کرنے والا اگر سچی توبہ نہ کرے تو قیامت میں اسکو ایک جامہ پگھلے ہوئے تانبے کا اور دوسرا کپڑا خارش پیدا کرنے والا پہنایا جائیگا۔

بہر صورت حسبی و نسبی رابطہ موجب تحقیر نہیں ہو سکتا اور سب کلمہ گو امت ہیں۔ اور یہ کہنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کے نام محض صحابہ پر تبرا کرنے کیلئے رکھے تھے، نہ کہ شوق و تعظیم سے کیونکہ اگر یہی وجہ ہے جو بیان کی گئی ہے تو یہ ماتمی حضرات کو صد مبارک ہو کہ اُن کے غیظ و غضب کی بھڑاس نکالنے کے لئے ایک نادر موقعہ ہے اسکو غنیمت خیال فرمائیں اور فوراً سے پہلے اپنی اولاد کے نام بھی صحابۂ کرام کے نام رکھیں اور ان کا نام لے کر ہر وقت اور ہر جگہ تبرا کریں، محفلوں اداروں بازاروں میں کسر نہ چھوڑیں یعنی پروردۂ آغوش اور جنے ہوئے لاڈلے کا نام ابوبکر، عمر، وغیرہ رکھیں اور پھر اُن کو یوں خطاب ارشاد فرمائیں کہ "او خبیث" "او ملعون" "او غدار" "او مکار" وغیرہ وغیرہ، تو پھر مزہ آئے اور معلوم ہو جائے کہ ائمۂ اہل بیت کرام نے تبرا کرنے کے لئے صحابۂ کرام کے نام رکھے تھے یا کہ بطور شوق و صد اعزاز و اکرام پسند فرمائے تھے ـــــ بہر حال ثابت ہوا کہ یہ تعزیہ اور ماتم محض دکھلاوا اور تصنع، ریاکاری ہے۔

اور خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ناجائز۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو اس سے بچیا۔ ئے اور ان کے ایمان کو محفوظ فرمائے۔

(۸) کسی چیز کے فوت ہونے پر جو غم اور افسوس ہوتا ہے وہ ایک طبعی اور بے اختیاری بات ہوتی ہے، اس سے انسان نہ رُکتا ہے، اور نہ شریعت نے اس سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ یہ ایک مسنون شئے ہے، اور باعثِ ثواب و اجر، لیکن ایک مدت کے بعد پھر اسی صدمہ کو لے کر بیٹھ جانا، اور رونے پیٹنے اور نوحہ و ماتم خلاف شرع کا میدان گرم کر دینا اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینا اور ایسے کام کو موجب ثواب، بلکہ ذریعۂ نجات مقرر کرنا عقلِ سلیم کے نزدیک کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، مثال کے طور یوں خیال فرمایئے، کہ کوئی شخص ڈاکٹر کو فیس دے کر ایک زخم کا اپریشن کراتا ہے، اپریشن کی حالت میں تکلیف درد کے مارے اُس کے منہ سے بے اختیار چیخ و پکار نکل جاتی ہے کیا آپ اس ہنگامی اور عارضی چیخ و پکار پر جو کہ اس سے بلا اختیار صادر ہو رہی ہے، طعن و ملامت کریں گے؟ ہرگز نہیں اور کیوں نہیں، محض اسلئے کہ وہ فعل اُس سے غیر اختیاری طور پر صادر ہو رہا ہے اور وہ اس میں معذور ہے، لیکن ایک سال کے بعد وہی شخص جبکہ اُس کا زخم وغیرہ اچھا ہو گیا ہو، دردِ اُپریشن کی یادگار میں چیخنا اور سینہ کوبی کرنا شروع کر دے، تو ہر ذی عقل انسان اُس کو بیوقوف سمجھے گا اور بالکل اُس کو معذور نہ سمجھے گا۔ کیونکہ طبعی رنج و درد کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ گذر جاتی ہے تو طبعی اور عارضی رنج و غم نہ ہو گا، بلکہ مصنوعی ہو گا، لہٰذا شہداءِ کرام پر ایک مدتِ مدید کے بعد ہر سال نوحہ و ماتم کرنا عقلی طور پر ناجائز اور حرام ہے۔

(۹) دُنیائے عالم میں ہر قوم اپنی نوروزی یعنی ہر سال کے ابتدائی ایام میں خوشی و مسرّت سے مالا مال ہے، لیکن شیعہ اور رافضی حضرات سال کی ابتداء ماہ محرم میں آہ و بکا، نالہ و شیون شروع فرما کر ایک تکدّر پیدا کر دیتے ہیں، نیز شہادت تو دس محرم کو ہوئی مگر یہ بزرگ یکم محرم سے ہی واویلا صد واویلا شروع کر دیتے ہیں جس سے

عقل باور و یقین کرتی ہے کہ یہ سب بناوٹ یار لوگوں کی ہے، اصلیت سے اس کو دُور کی نسبت بھی نہیں۔

شیعہ حضرات کا مذہب ہے کہ ائمہ اہلِ بیت غیب کو جانتے ہیں، اُن کے سامنے کائنات کا ذرّہ ذرّہ ظاہر و باہر ہے اور حضرت علی و فاطمہ کو تمام مخلوق پر تصرف کرنا عطا فرمایا ہے اور انکو حلال و حرام کرنے کا کلّی اختیار ہے۔ (اصول کافی کتاب الحجۃ ص۲۷۹)

(۱) اصولِ کافی نولکشوری ص۱۱ پر ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام ما جاء بہٖ علیؑ اَخُذُ بِہٖ مَانَھیٰ عَنہُ اَنتَھی عَنہُ جَرٰی لَہٗ مِنَ الْفَضْلِ مِثلُ مَا جری لمحمدٍ ولمحمدٍ الفَضْلُ علی جمیع من خلق اللہ عزّ وجلّ کذالک یجری لِاَئمۃ الھدی واحِدٍ بَعْدَ وَاحِدٍ۔

حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ آپنے فرمایا کہ جو چیز حضرت علی لیکر آئے ہیں مَیں تو اُس پر عمل کرتا ہوں اور جس سے آپ نے روکا ہے اس سے باز رہتا ہوں اور جو شرافت اور بزرگی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تھی اُسی کے مثل آپ کیلئے بھی ثابت اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ تمام کائنات سے بڑھ کر ہے، (تو حضرت علی کا بھی سب کائنات سے بڑھ کر ہُوا) اور ایسا ہی مرتبہ سب آئمہ معصومین کا ہے یعنی سب آئمہ اہل بیت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بزرگی و شرافت میں برابر ہیں۔" (استغفر اللہ)

۲۔ اصولِ کافی کتاب الحجۃ ص۱۵۸، امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

انّ امام لایعلم ما یصیبہٗ والٰے ما یصیر فلیس ذالک حجۃ اللہ علی خلقہٖ

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جو امام حق غیب اور چیزوں کے نتائج نہیں جانتا وہ اللہ کی طرف سے مخلوق کا امام بننے کے قابل ہی نہیں۔"

۳۔ اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے۔ باب۔

ان الائمہ یعلمون جمیع العلوم التی خرجت الی الملٰئکۃ والانبیاء والرسل

ائمہ اہلِ بیت وہ تمام علوم جو کہ فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کو عطا ہوئے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔

(۴) اصول کافی میں ہے۔ باب۔

ان الائمة علیہم السلام یعلمون ما کان وما یکون وانہٗ لایخفی علیہم شئی — ائمہ اہلِ بیت ما کان وما یکون کے جملہ علوم جانتے ہیں۔

ان حوالجات سے جو کہ شیعہ حضرات کی نہایت معتبر و مستند کتابوں میں موجود ہیں، صاف ثابت ہوا کہ ضرور واقعات شہادت کا آپ کو علم ہوگا اور وہ اپنے اختیار سے مقام کربلا میں گئے ہوں گے، اور اپنے اختیار سے ہی شہادت حاصل کی ہوگی اور اپنے اختیار سے ہی نہ پانی پیا اور نہ اہل وعیال میں کسی کو پلایا ہوگا، بلکہ اس کی تصریح موجود ہے۔

خلاصۃ المصائب ص۲۳۱ پر لکھا ہے کہ "امام حسین نے فرمایا تھا کہ ہم پانی کے محتاج نہیں ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے، ورنہ ان کے اشارہ پر چشمے بہہ جاتے، لیکن ان ظالموں پر اتمامِ حجت کرتے ہیں، اور جب امام حسین زخمی ہوگئے تو مخالف فوج کو آپ نے آواز دی کہ تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ تشنہ کو پانی پلائے، ابنِ سعد کی فوج میں سے ایک درویش نکلا ڈولچی بھر کر پانی لایا کہ لیجئے پیجئے، امام اُس کو قدرتِ خدا دکھانے کے لئے خیمہ کی طرف لائے، اور بصورتِ کنواں ایک گڑھا کھودا، اُس میں سے پانی بہہ نکلا، یہ دکھا کر درویش سے فرمایا، ہم پانی کے محتاج نہیں ہیں، لیکن ان ظالموں پر اتمام حجت کرتے ہیں۔

(۵) جلاء العیون میں تو اور واضح تر موجود ہے کہ "ابنِ عباس کے منع کرنے پر آپ (امام حسین) نے یہ فرمایا کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کربلا جانے کا حکم فرمایا ہے، مخالفتِ حکم جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نہ کروں گا۔"

ناظرینِ کرام! تو جو کام اپنے اختیار سے ہو، بلکہ شریعتِ پاک کے حکم کی تعمیل ہو، اُس پر عمل کرنے سے ماتم کی کیا ضرورت؟ کیا اختیاری بات اور تعمیلِ حکمِ شرعی پر ماتم اور نوحہ وغیرہ عقل جائز رکھتی ہے؟ ہرگز نہیں، موٹی بات ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ سے اپنے بدن پر زخم کرے جس سے اُس کو سخت تکلیف ہو، تو کیا دوسرا شخص اُس کی تکلیف کو دیکھ کر رونا پیٹنا اور ماتم کرنا شروع کر دیگا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اُس کو صبر کی تلقین کریگا، نہ خود واویلا کریگا اور نہ اُس کو کرنے دیگا، اور کہے گا، میاں تم نے خود ہی تو تکلیف کا سامان پیدا کر لیا ہے، اب اس نالہ زنی اور نوحہ گری کا کیا مطلب؟

اسی طرح حضرت امام حسین علیہ السلام کو بموجب تصریحات ائمہ کرام اور مسلّمات شیعہ حضرات' جب ہر چیز کا علم تھا اور وہ واقعات کو قطعاً جانتے تھے اور اپنی شہادت پر کلّی اختیار تھا اور پھر اپنے اختیار سے تشریف لے گئے۔ بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے بھی مقام کربلا میں جانے کو ارشاد فرمایا' حتیٰ کہ جانے کے بعد دولت شہادت سے مالا مال ہوئے' تو یہ بلاشبہ اپنے ہاتھ سے' اپنے اختیار سے' اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے حکم سے حاصل کی ہوئی شہادت ہے' پھر فرمایئے کہ اس پر نوحہ اور ماتم اور ہزاروں ناجائز چیزوں کا نظارہ کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ائمہ اہلبیت نے نہ تو خود نوحہ و ماتم کیا اور نہ کسی اور کو اجازت بخشی' یہ محض شیعہ حضرات کی کرم فرمائی ہے۔ کہ انہوں نے از خود سب کچھ گھڑ رکھا ہے' جس سے ائمہ کرام کی پاک روحیں سخت پریشان و ناراض ہیں ؎

ترچھی نظر سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو   کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

۶۔ نیز یہ واقعہ کربلا اسلام کی سربلندی کیلئے تھا اور اسلام پاک اہلبیت کا اپنا دین تھا' اور ان کے والد کا دین انکی والدہ کا دین انکے نانا کا دین تھا' اس کے بچاؤ کے لئے سب سے اوّلین گھر کی قربانی ذاتی ایثار اپنا سرمایہ حیات پیش کرنا از بس ضروری تھا۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ؎   عیسائیوں کے مقابلہ میں جبکہ انہوں نے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کے سلسلہ میں جھگڑا کیا۔ کہ آپ اللہ کے بیٹے ہیں' جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں' یا وہ اللہ کے بندے ہیں اور رسول' جیسا کہ حضور علیہ السّلام فرماتے تھے' دعوت مباہلہ دی کہ آؤ اس مسئلہ پر ہم دونوں مباہلہ کرلیں' جو فریق جھوٹا ہو وہ مستحق سزا ہو تو آپ مباہلہ کیلئے اپنے ہمراہ صرف حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا اور حسنین پاک رضی اللہ عنہما اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو میدان میں لے گئے۔ حالانکہ اور اکابر صحابہ اور جاں نثار موجود تھے' کیونکہ مباہلہ میں حیات و ممات کا سامنا ہوتا ہے' ابھی ابھی آنکھوں کے دیکھتے جھوٹے کو سزا مل جاتی ہے' لہٰذا آپ نے اسی وجہ سے کہ یہ دین و اسلام کا مسئلہ ہے اور دین و اسلام ہمارا اپنا لایا ہوا جاری کیا ہوا دین ہے جو بدیں وجہ ضروری ہے

کہ پہلے اس کی حفاظت اپنی ذات و اولاد اور گھر سے کی جائے، اور یہ بات ایک اخلاقی عادی اور فطرتی امر ہے اور اس وجہ سے بھی لازمی ہے کہ اگر ایسے وقت میں کسی غیر کو پیش کیا جائے تو شاید مخالف کو کہنے کی گنجائش مل جائے، کہ لو جب موت کا وقت آتا ہے تو دوسروں کو آگے دھکیل دیا جاتا ہے اور اپنوں کو .... اسلئے حضور علیہ السّلام نے مباہلہ میں اپنے کو اور اپنے گھرانے اور نسلِ پاک کو پیش کیا اور نکل کر میدان میں آ گئے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے دین و اسلام و قرآن کی سربلندی کیلئے اپنے کو اور اپنے اہلِ بیت اور اعزہ و اقارب رضی اللہ عنہم کو میدانِ کربلا میں پیش کر دیا حتیٰ کہ چھوٹوں اور بڑوں نے حصول رضاء الٰہی اور اسلام کی سربلندی کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیا۔

بہرصورت میدانِ کربلا کا سانحہ حادثہ ایک اختیاری اور اخلاقی فریضہ تھا نہیں کا مقدر رہتا، اسلام کی دوبارہ زندگی کے لئے پیامِ حیات تھا، اور اسلام کے وجود و بقاء کے لئے پیش خیمہ تھا، حضرت امام حسینؓ نے اس اقدام سے اپنے اخلاقی فریضہ کے علاوہ یہ بتا دیا کہ وطن کا دوام ملت کی سلامتی سے ہے، اسلام پر قرآن پر ملک کو، ذفار کو، وجاہت کو قربان کیا جا سکتا ہے، چھوٹوں بڑوں کا خونِ حصول رضاء الٰہی کے لئے بہایا جا سکتا ہے، دُنیاوی مراتب و مناصب کو اسلام کے نور بھرے چہرہ پر خواہشات نفسیات کے غبار کو اڑانے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسلامی روایات کی تقلید کر کے آئندہ نسلوں کے لئے حیاتِ ابدی کا بنیادی نظریہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالٰے ہم سب کو حضرت سید الشہداء امام حسینؓ اور جملہ اصحاب کربلا کے قدم بہ قدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

بہرصورت ان شیعہ روایات کی بناء پر حضرت امام حسین نے اپنے قدرتی اختیارات اور تصرفات کو نہ استعمال کرتے ہوئے جب پانی خود بند کیا۔ نہ آپ پیا نہ کسی چھوٹے بڑے کو عطا فرمایا بلکہ ظالموں پر حجت قائم کرنے اور اُن کے ظلم و ستم کو دُنیا کے رُوبرو ظاہر کرنے کیلئے ظاہری اسباب پر اکتفا کی اور مرتبۂ شہادت سے

فائز المرام ہو کر اپنے خاص مقامِ اعلیٰ علیین میں جاگزین ہوتے، تو اب ان شیعہ حضرات کا پانی نہ ملنے اور پیاس کی شکایت کا نام لے کر ماتم اور نوحہ کرنا اور متعدد بدعات کو اختیار کرنا کسی طرح بھی عقل میں نہیں آسکتا۔

کیا حضرت امام حسین کو پیاس کا احساس نہ تھا؟ اپنے ننھے ننھے بچوں کے محض پیاس کی وجہ سے تڑپنے کا خیال نہ تھا؟ دیگر اعزّہ و اقارب کی تکلیفوں کو جانتے تھے؟ ضرور جانتے تھے یقیناً جانتے تھے، مگر انہوں نے اللہ تعالےٰ پر توکّل کرتے ہوئے ظاہری اسباب پر بھروسہ کیا اور صبر و شکر سے سب تکلیفوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور خلافِ شریعت ایک حرکت کا بھی ارتکاب نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ائمۂ کرام کے طرزِ عمل پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

؎ خوب تر زیں دگر نباشد کار   یار خنداں رود بسوئے یار

سیر بینید جمالِ جاناں را   جاں سپارد نگارِ خنداں را

خلاصہ ان شیعی روایات کا کیا ہوا یہ کہ

(۱) جو فضیلت و سیادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے ثابت تھی، بعینہٖ اُسی طرح اماموں کے لئے بھی تھی۔

(۲) جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اوامر و نواہی ضروری العمل تھے، اُسی طرح ائمۂ کرام کے بھی۔

(۳) ائمۂ کرام کے لئے شرط ہے کہ غیب اور نتائج و عواقب پر واقف ہوں۔

(۴) ائمۂ کرام کو فرشتوں، نبیوں، رسولوں علیہم السّلام کے جملہ علوم حاصل ہیں۔

(۵) وہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ جانتے ہیں۔

(۶) تمام مخلوقات پر تصرف اور حلال و حرام کرنے کا اُن کو کلّی اختیار ہے۔

(۷) واقعاتِ کربلا و سوانحِ شہادت کا وقوع اختیاری حصول رضاء الہٰی کیلئے تھا۔

(۸) تکالیف و مصائب کا سامنا تکمیل مراتب احیاء ملت و اتمام حجت، ایثار حق

کی خاطر تھا۔

ناظرین وقارئین حضرات! مذکورۃ الصدر خلاصہ روایات کا آپ بار بار مطالعہ فرمائیں اور پھر دیکھیں کہ کیا شہادت امام ہمام رضی اللہ عنہ کو موجودہ غیر شرعی ماتم کی صورت میں پیش کرنا درست ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

اور ماتمی حضرات کو یہ کہنا درست نہیں کہ امام حسین اور اہلِ بیت کو واقعی، اور قطعی طور پر مقامِ کربلا میں پانی نہیں ملا۔ اور وہ نہایت پیاسے، بھوکے شہید ہوئے، جیسا کہ بعض کتب شیعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خلاصۃ المصائب وغیرہ شیعہ کتب میں موجود ہے کہ حضرت امام حسین پیاس سے اپنی زبان چباتے، بار بار پانی مانگتے اور زمین پر پاؤں رگڑتے، نعرہ مار کر روتے، مگر دشمنوں نے پانی نہ دیا کہ آپ شہید ہو گئے۔ کیونکہ کربلا میں دسویں محرم تک پانی میسّر رہا۔

کربلا میں دسویں محرم تک پانی میسّر رہا

اوّل اسلئے کہ وہ تمام روایتیں جن سے حضراتِ شہداءِ کرام بالخصوص حضرت امام حسینؓ کا بیقرار ہونا، استقلال کا چھوڑ دینا، کوئی بات خلاف شرع کرنا، بار بار پانی کا مطالبہ کرنا پانی کا میسّر نہ ہونا وغیرہ معلوم ہوتا ہے، یہ سب کی سب روایتیں قرآن مجید اور صحیح حدیثوں اور اقوال و افعال اختیارات و متوکلانہ زندگی ائمہ اہل بیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے متروک العمل ہیں، ان پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

موٹی اور سیدھی بات ہے کہ کسی ظنی اور محض خیالی بات سے قرآن مجید اور حدیث شریف جیسی پکی اور قطعی چیز کو چھوڑ دینا کسی طرح بھی معقول نہیں ہو سکتا جب عقلی و نقلی طور پر مستحکم اور پکّی دلیلوں سے یہ ثابت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ حضرات شہداء نے مذہبی اور اخلاقی طور پر کوئی بُرا کام نہیں کیا، تو ان روایتوں کے ناقابلِ عمل بلکہ اختراعی اور باطل ہونے میں کیا شبہ باقی رہا؟

جو بات شرعی دلیلوں کے خلاف ہو وہ مردود ہے

(۱) باب الاخذ بالسنۃ وشواھد الکتاب ۔ اصول کافی نولکشوری صـ۳۹ ۔ امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان علی کل حق حقیقۃ وعلی کل صواب نوراً فما وافق کتاب اللہ فخذ وہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ ۔

فرمایا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر حق پر ایک حقیقت ہوتی ہے اور ہر صواب پر نور، پس اگر وہ کتاب اللہ کے مطابق ہو تو اس کو پکڑ لو اور جو مخالف ہو اُس کو چھوڑ دو ۔

(۲) اصول کافی صـ۴۲ پر امام جعفر سے مروی ہے ۔

من خالف کتاب اللہ وسنۃ محمدٍ فقد کفر ۔

جو شخص قرآن وسنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کرے ۔ وہ قطعی کافر ہے ۔

(۳) کل شیئٍ مردود الی الکتاب والسنۃ وکل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف

ہر شئے کا حکم قرآن وحدیث سے لیا جائیگا اور جو حدیث قرآن مجید کے خلاف ہوگی وہ قابل عمل نہ ہوگی اور وہ بے معنی بات ہے ۔

شیعوں کے سلطان العلماء مولوی سید محمد "ضربت حیدریہ" میں لکھتے ہیں ۔

(۴) اذا وردت عنھم بانھم فعلوا فعلاً یخالف ما استقر فی شریعۃ الاسلام فینبغی ان یحکم ببطلانھا اوحملھا علے وجہٍ فی الجملۃ یطابق الصحیح عن الاخبار وان لم تعلمہ علے التفسیر ۔

جب ائمہ سے کوئی روایت اس مضمون کی وارد ہو کہ انہوں نے کوئی ایسا فعل کیا جو خلاف اس چیز کے ہو جو شریعت اسلام میں ثابت ہو چکی ہے تو چاہیئے کہ اُسکے غلط ہونے کا حکم لگا دیا جائے یا اُس روایت کا کوئی ایسا مطلب بیان کیا جائے جو فی الجملہ صحیح روایات کے مطابق ہو اگرچہ اسکو واضح طور پر ہم نہ معلوم کر سکیں ۔

شیعہ کے امام المناظرین کتاب استقصاء الافحام جلد اول صـ۳۷ پر لکھتے ہیں ۔

(۵) ضرور نیست کہ ہر روایت ثقۃ الاسلام — کچھ ضروری نہیں ہے کہ ثقۃ الاسلام

وشیخ صدوق رضوان اللہ علیہما و مانند ایشاں واجب القبول باشد۔	(کلینی اور شیخ صدوق رضوان اللہ علیہما اور انکے مثل اور محدثین کی ہر روایت واجب القبول ہو۔

(۶) توضیح المقال مطبوعہ ایران میں ہے،

ان احتمال الوضع قائم فی کثیر الاخبار او جمیعہا وان ضعف فی بعض لقرائن خارجیۃ	جھوٹی ہونے کا احتمال اکثر حدیثوں میں بلکہ سب میں موجود ہے اگرچہ یہ احتمال بعض میں بسبب قرائن خارجیہ کے کمزور ہو گیا ہو۔

ان شیعی تصریحات و روایات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے

(۱) ہر کہ جو روایت وخبر قرآن وحدیث کے خلاف ہو گی وہ مردود و باطل ہے۔

(۲) اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

(۳) جو قرآن مجید اور حدیث و سنت کا خلاف کرے وہ بے ایمان اور کافر ہے۔

(۴) جو روایت اجماع اور جمہور اسلام کے خلاف ہو وہ مردود یا مؤوّل زنادیل کی گئی ہے،

(۵) یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ مجتہدینِ شیعہ کلینی و شیخ صدوق وغیرہ روایت کریں وہ سب کا سب تسلیم کیا جائے اور اس پر عمل کرنا واجب ولازمی قرار دیا جائے (یعنی ان کی وہی بات قبول ہو گی جو کہ شریعت، قرآن وحدیث کے مطابق ہو گی، باقی سب مردود اور باطل، غیر ضروری العمل ہونگی)،

(۶) شیعوں کی اکثر حدیثوں میں جھوٹی ہونے کا احتمال اور شبہ موجود ہے۔

پس ان مسلمات شیعہ کی روشنی میں وہ روایتیں جن میں شہداء کرام سے کوئی خلافِ شرع کام کرنے کا ذکر ہے، وہ مردود اور جھوٹی ہیں، ان پر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔

دوم اسلئے کہ شیعی روایات سے ثابت ہے کہ حضراتِ شیعہ کرام وغیرہ کو مقام کربلا میں پانی ملا اور انہوں نے اپنی ضروریات کے مطابق استعمال بھی کیا مثلاً

(۱) کربلا کے متعلق شیعی روایات یوں بھی ہیں کہ وہ ایک سرسبز اور زرخیز مقام تھا، جہاں پانی وغیرہ کی دقت بالکل نہ تھی ۔ تصویر کربلا شیعی ص۲۴ پر ہے کہ حضرت

امام حسین جب حُر کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے تو اُس کے گرد و پیش حسبِ ذیل قبائل آباد تھے، ماریہ، غاضریہ، نینوا، قادسیہ، شفیعہ، عقر، وغیرہ جو اس کے مالک و قابض تھے۔ امام حسین نے اُن سے اس مقام کربلا کو ساٹھ ہزار درہم سے خریدا اور اُس وقت پیمائش چار مربعہ میل تھی۔

(۲)۔ مقام کربلا کنارۂ دریا پر واقع ہے، جہاں تھوڑی سی گہرائی پر پانی دستیاب ہو سکتا ہے۔

(۳) گلزارِ جنت صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے کہ حضرت امام حسین نے ساتویں کو اپنے خیمہ سے تین قدم کے فاصلہ پر کنواں کھودا اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا اس پانی کو امام حسین اور آپ کے اصحاب نے پیا اور مشکیں بھر لیں، پھر وہ چشمہ غائب ہو گیا یا قدرتِ الٰہی سے خشک ہو گیا۔

گلزارِ جنت صفحہ ۳۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں محرم کو بھی حضرت عباس، جن کا ان کے ماموں شمر کو بہت لحاظ تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳) لڑ بھڑ کر دریائے فرات سے بیس مشکیں بھر کر صحیح و سالم لے کر اپنے مقام پر پہنچ گئے اور اس لڑائی میں کوئی شخص امام حسین کے لشکر کا شہید نہیں ہوا۔

صاحبِ گلزارِ جنت لکھتے ہیں کہ علماءِ معتبرین کی کتابوں میں ہے کہ اسی سبب سے حضرتِ عباس ماہِ بنی ہاشم کا "سقائے اہلبیت" لقب ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ شیعوں کے نزدیک حضرتِ عباس کے پانی لانے ہوئے بازو کٹنے اور خیمہ تک پانی نہ پہنچا سکنے کی روایت غلط ہے اور شیعوں کی معتبر کتابوں میں کہیں اس کا ذکر بھی نہیں۔

تصویرِ کربلا صفحہ ۳۲ پر جو نو تاریخ کے واقعات درج ہیں اُن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس روز بھی پانی بند نہ تھا کیونکہ اُس روز تک دونوں طرفوں میں زیادہ کشیدگی نہ تھی، عمرو سعد اسی کوشش میں تھا کہ کسی طرح باہمی مصالحت ہو جائے، تو جو شخص صلح کرانے کے درپے ہو وہ پانی کیسے بند کر سکتا ہے، پھر جب شمر سے شرارت سے

صلح نہ کرنے دی اور عمرو سعد کے نام ابن زیاد گورنر کوفہ نے تنبیہی رقعہ لکھوایا کہ اگر تم امام حسین کو پانی وغیرہ بند کر کے تنگ نہیں کر سکتے تو لشکر کی سرداری سے علیحدہ ہو جاؤ" تو رقعہ پڑھ کر شمر سے عمرو سعد نے کہا کہ "تجھکو مجھ سے اور امام حسین سے کیسی عداوت ہے، میں یہ چاہتا تھا کہ صلح ہو جائے، تو نے ابن زیاد کو بہکا کر صلح نہ ہونے دی اور سب تدبیر بگاڑ دی"۔ (جلاء العیون بحوالہ شیخ مفید)

پھر جب عمرو سعد کو یقین ہو گیا کہ اس نے امام حسین کا مقابلہ نہ کیا تو وہ قتل کر دیا جائیگا، لاچار مقابلہ کی تیاری کی، جب امام حسین کو اس لشکر کشی کا علم ہوا تو آپ نے حضرت عباس کو بیس آدمی دیکر حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے عمرو سعد کے پاس روانہ کیا، اس نے کہا کہ ابن زیاد کا حکم ہے کہ آپ یزید کی بیعت کریں ورنہ ہم مقابلہ کریں گے، حضرت عباس واپس آئے اور حالات عرض کئے۔ سن کر امام حسین نے ایک رات کی مہلت مانگی، عمرو سعد نے باوجود شمر کی مخالفت کے بایں الفاظ قد امھلناکم الی غدٍ اگلے دن تک مہلت دیدی۔ چنانچہ ہر دو لشکر اپنے خیموں میں داخل ہو گئے۔

(گلزار جنت ص ۳۳)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ دونوں طرفوں کے تعلقات خوشگوار تھے، جب عمرو سعد دل سے حضرت امام حسین کا طرفدار تھا اور امن و صلح کا خواہش مند تھا، اس نے مہلت دے کر کاہے کو پانی بند کیا ہوگا، بلکہ ہر طرح سے آزادی دی ہو گی تاکہ کسی طرح حضرت امام حسین صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔

دسویں محرم کے متعلق امام زین العابدین سے روایت ہے جس کو قتل کی رات کہتے ہیں کہ بموجب حکم آنجناب اس شب خیمہ ہائے حرم ایک دوسرے کے نزدیک کئے گئے اور ان کے گرد خندق کھود کر لکڑیوں سے بھر دی گئی، ایک طرف سے اس کا دروازہ رکھا گیا اور علی اکبر کو مع تیس ۳۰ سوار اور بیس ۲۰ پیادوں کے بھیجا۔ چنانچہ وہ پانی کی چند مشکیں اضطراب اور خوف کی حالت میں بھر لائے، حضرت نے اہل بیت اور اصحاب سے فرمایا، پانی پیو کہ یہ تمہارا آخری توشہ ہے اور وضو و غسل کرو اور اپنے کپڑوں میں خوشبو

لگاؤ کہ وہ تمہارے کفن ہونگے، اور تمام رات عبادت و مناجات میں بسر کی (جلاء العیون بحوالہ بہتان الشیعہ ص۶۹)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ دسویں محرم کی رات بھی پانی موجود تھا بلکہ جلاء العیون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دسویں محرم کے روز حضرت امام حسین پیاس بجھانے کے لئے دریائے فرات کی طرف روانہ ہوئے اور صفِ اعداء کو چیرتے ہوئے گھوڑا پانی میں ڈال دیا، گھوڑے سے کہا کہ پہلے تو پی لے، مگر وہ منتظر تھا کہ پہلے آپ پیئں، چنانچہ آپ نے چلّو بھر پانی اُٹھایا مگر یہ سُن کر کہ کوئی خیمہ ہائے حرم میں روتا ہے، آپ نے وہ پانی پھینک دیا اور خیمہ کی طرف روانہ ہوئے، اسی شیعی روایت سے ثابت ہوا کہ خاص عاشوراء کے دن بھی آپ کو پانی پر دسترس حاصل ہو گئی، یہ اور بات ہے کہ آپ نے نہ پیا۔

پس ان شیعی روایات سے ثابت ہوا کہ عاشورہ کے روز تک پانی ملتا رہا اور اُس پر دسترس حاصل تھی۔ لہذا وہ تمام روایات جن میں پانی نہ ملنے کا ذکر ہے، بالکل غلط ہیں، اور ناقابلِ اعتبار، شیعہ حضرات کو ایسی ناقابلِ اعتبار اور مصنوعی روایتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے پانی نہ ملنے کا واویلا کرنا، شور مچانا ہرگز سزاوار نہیں ہے، ان کا فرض ہے کہ اپنی ہر نقل و حرکت کو قرآن اور حدیث صحیح کے مطابق بنائیں۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ مقام کربلا میں دسویں محرم تک پانی میسر رہا۔

اے میرے اسلامی اور عزیز بھائیو! شریعت اور نقل و عقل و مسلمات و تصریحات ائمہ کرام سے یہ بات صاف ہو گئی کہ مروّجہ تعزیہ وغیرہ سب خلافِ شرع ہے اور محض بے اصل لہذا ہمارا فرض ہے کہ اپنی پہلی فرصت میں اس کو ترک کر دیں اور شریعت کے موافق عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

کربلا کی شرافت اور اس کا حج

کربلا کا طول و عرض لکھا گیا ہے، شیعی روایات کے مطابق وہ ایک زرخیز خطہ چار مربع میل تھا، جس کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساٹھ ہزار درہم میں خریدا تھا، اسکی

فضیلت میں بے شمار شیعی روایتیں ہیں۔ جامع عباسی کے ص۳۰ پر لکھا ہے۔

" اور مالداروں پر تو ہر سال کربلا کی زیارت واجب ہے، جو ایک سال نہ جائیگا، اُس کی عمر ایک برس کم ہو جائیگی، وہاں جانے سے عمر دراز ہوتی ہے۔ جو قدم راہِ کربلا میں اُٹھایا جائے، اُس کے عوض ایک ایک حج مبرور اور ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے، زیارت سے اگلے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں، عرفہ (روز حج) کے دن زیارت کرنے سے ایسے بیس حج اور عمرہ کا ثواب ملتا ہے جو کسی نبی یا امام کے ساتھ کئے ہوں۔"

گلزارِ جنت شیعی ص۹ پر ہے کہ۔

" کربلا کی زمین تمام زمینوں سے زیادہ پاکیزہ تر اور سب سے زیادہ حرمت والی ہے اور بہشت کی زمینوں سے ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔"

اور ص۱۱ پر ہے کہ) معتبر طریق سے امام محمد باقرؒ سے مروی ہے کہ جو کوئی امام حسین کی زیارت کو نہ جائے اگرچہ وہ شیعہ ہو، اُس کا دین اور ایمان ناقص ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک کربلا کا مرتبہ کعبہ سے زیادہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات بجائے کعبہ معظمہ کی عظمت و حرمت کے، کربلا کی عزت پر ایمان رکھتے ہیں، اسی کا حج فرماتے ہیں، اسی کی زیارت سے اپنے گناہوں سے پاک و صاف ہوتے ہیں، اسی کی سرزمین کو صاف اور پاکیزہ تر خیال کرتے ہیں، اسی پر سجدہ کرنا فخر سمجھتے ہیں، اور کعبۃ اللہ کی طرف جانے کا نام تک نہیں لیتے، بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ شیعہ اور ماتمی حضرات بھی سرزمینِ مکہ پر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے دکھائی دیں، اور بھلا وہ جا بھی کیسے سکتے ہیں، جبکہ اُن کی کتابوں میں کربلا کی فضیلت بیت اللہ سے کہیں زیادہ لکھی ہوئی ہے، وہ بجائے کربلا کعبۃ اللہ جا کر کیوں ایمان کمزور کریں، اور ہر طرح کا نقصان اُٹھائیں، وہ تو کربلائے معلّٰی ہی جا کر پاک و صاف ہوں گے، مگر افسوس کہ آج تک چالیس شیعہ بھی کربلا جا کر پاک و صاف و مکمل ایمان دار نہ ہوئے، ورنہ حضرتِ امام مہدی شیعی روایات کی بنا پر ضرور ظاہر ہو جاتے۔

رواجی تعزیہ وغیرہ کی غرض و غایت

(۱) بیانِ گزشتہ سے واضح ہوگیا کہ تعزیہ مرسومہ خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے ناجائز و بدعت ہے، مگر اگر تعزیہ دار عوام جُہّال حضرات سے سوال کیا جائے کہ بھائی اس کا فائدہ کیا ہے، جبکہ شرعی طور پر ناجائز ہے؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ یہ ہماری تبلیغ ہے پھر جب یہ کہا جائے کہ ایسی تبلیغ سے آجتک نو مُسلم شیعہ اور تعزیہ دار بنا ہو تو نام بتاؤ؟ تو سُنا جاتا ہے کہ فرماتے ہیں کہ نو مُسلم اگر شیعہ نہیں ہوتے تو ہرج نہیں، بچارے سُنّی مذہب رکھنے والے سیدھے اور بھولے بھالے تو شیعہ بنتے ہیں اور ہماری اصلی شکار گاہ بھی سنی جماعت ہے، ہم تو سُنّیوں کا شکار کرتے ہیں، اگر آج ہم اپنے جلوس چھوڑ دیں تو ہمارا مذہب ہی نیست و نابود ہو جائے کیونکہ مذہب شیعہ میں عملی حالت کا تو خدا حافظ، نمازی اور روزہ دار خال خال، اور حاجی قسمت سے، اور زکوٰۃ نام ندارد، الاماشاء اللہ، تو ہماری ظاہر حالت کو دیکھ کر کون شیعہ بن سکتا ہے، بس لے دے کر یہی ایک عارضی اور ہنگامی جوش و خروش ہوتا ہے، جس کو دیکھ کر بہت سے سادہ لوح سنّی شکار ہو جاتے ہیں، اور ہمارا مذہب محفوظ رہتا ہے، جیساکہ کتاب نور الایمان مصنفہ مولوی خیرات احمد وکیل شیعہ میں "اعمال محرم" کے زیر عنوان صـ۳۳۲ سے صـ۳۸۴ تک تعزیہ اور اس کے متعلقات پر مفصّل بحث ہے، اس میں درج ہے کہ:۔

"تعزیہ نقل روضۂ امام حسین ہے، اسکی غرض یہ ہے کہ چونکہ ہم لوگ روضۂ مبارک سے دُور بستے ہیں اسلئے تعزیہ دیکھنے سے روضۂ مبارک اور واقعات کربلا یاد آئیں گے اور ہم لوگ مصائب آقائے مظلوم یاد کر کے جہانتک ہو سکے گا عزاداری اور ہمدردی کرینگے۔" صـ۳۶۵ "کلی اعمال محرم اگر موقوف کر دیئے جائیں تو کیا اس کے چند برس بعد عوام الناس شہادت حضرت امام حسین اور ظلم لشکر یزید سے بالکل ناواقف نہ ہو جائیں گے؟" صـ۳۵۲۔

"مطلب صاف ہے کہ تعزیہ وغیرہ سے واقعات کربلا پر نظر رہتی ہے،

اور مذہب شیعہ زندہ رہتا ہے، بعض سُنی چونکہ سادہ لوح اور بھولے ہوتے ہیں، وہ ایسے وقتی جذبات اور ہنگامی جوش سے متاثر ہو کر مذہب شیعہ قبول کر لیتے ہیں، جس میں طرح طرح کی اُن کو آزادی بھی حاصل ہو جاتی ہے، رونی صورت بنالی اور بخشے گئے، "تقیہ" (جھوٹ) سے کام لیا تو ۹/۱۰ حصے مومن بن گئے (کافی) مُتعہ کر کے غسل کر لیا تو ہر ایک قطرۂ غسل سے ستر ستر فرشتے بخشش کے لئے پیدا کر لئے (برہان المتعہ ص۵۰)۔

"ساری عمر خرابیاں کرتے رہے تو کچھ پرواہ نہیں، کیونکہ بڑے مسئلہ طینتِ شیعہ، شیعوں کے تمام گناہ، سنّیوں کے نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں، اور اُن کی نیکیاں ان کو مل جاتی ہیں، وغیرہ وغیرہ، استغفراللہ العظیم۔

بہر صورت تعزیہ وغیرہ اس لئے ایجاد کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے مذہب شیعہ کی تبلیغ و اشاعت کی جائے، ان کو نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ کے بدلے تعزیہ پر لگا دیا جائے، اور ان سے شریعت پاک کی مخالفت کرا کے، ان کی دنیا و آخرت تباہ کر دی جائے، اللہ تعالیٰ ایسے بُرے ارادوں سے بچائے اور شریعت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۲) نیز ایک وجہ اور بھی اس تعزیہ اور ماتم کی نظر آتی ہے، وہ یہ ہے کہ سب محرمی و ماتمی حضرات کو اس بات کا سخت صدمہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مذہب شیعہ کا خاتمہ کر دیا، کیونکہ مذہب شیعہ میں مسئلہ تقیہ (یعنی بلا ضرورت بھی واقعہ کے خلاف کہنا) کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے، حتیٰ کہ شیعہ مذہب تقیہ ہی تقیہ ہے اور تقیہ ہی دین و ایمان ہے، ترکِ تقیہ ترکِ ایمان کے برابر ہے، جیسا کہ آگے لکھا جائیگا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ کو ترک فرماتے ہوئے مقابلہ کی ٹھان لی (جیسا کہ علامہ خلیل قزوینی نے صافی میں لکھا ہے) اور ایک فاسق و فاجر، بیدین، گمراہ کی اطاعت کے سامنے گردن جھکانے سے انکار کر دیا اور اپنے اہل و عیال کو بھی قربان کر کے اہلِ دُنیا و استبداد پسند حضرات پر واضح کر دیا کہ باطل کے روبرو حق کبھی دب نہیں سکتا بمصداق اَلْحَقُّ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى "ہمیشہ حق غالب رہیگا" اب یہ ماتمی حضرات پیٹتے، چلّاتے،

ہاتھ پاؤں مارتے پھرتے ہیں، دل کی بھڑاس نکالتے ہیں، کہ ہائے مصیبت ہے کہ امام نے یہ کیا کیا؟ کیا اچھا ہوتا کہ آپ بھی تقیہ کر لیتے، اور اپنی اور اپنے عیال و اطفال کی مصیبت کو دُور کرتے ہیں، یا حسین یا حسین کہہ کر چلاتے ہیں کہ وَاویلا صدوَاویلا، یا حسین یہ آپ نے کیا کیا؟ تقیہ کر لیتے، کچھ کھاتے اور کچھ کھلاتے، ہائے حسین واویلا صدواویلا مگر افسوس کہ امام حسین نے ایک بھی خیال نہ فرمایا اور تقیہ چھوڑ کر مردِ میدان بنے اور سعادت شہادت کو بطیبِ خاطر قبول فرمایا جو کہ ان کا مقدّر تھا۔

(۳) اور ایک وجہ اور بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اُن کوفی شیعوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیوفائی کی اور تنخواہیں لیکر بھی عہد شکنیوں سے باز نہ آئے، بلکہ دُنیا کے لالچ سے انکو چھوڑ مقابل سے جا ملے، جیسا کہ جلآء العیون وغیرہ شیعی کتب سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح دنیاوی لالچ سے اور یزیدی گھرانے میں معزز و مقرب بننے کیلئے اِن کوفی شیعوں نے خاندانِ اہلِ بیت سے بیوفائی کی اور بڑے بے پناہ ظلم و ستم کئے، حتیٰ کہ خاندانِ اہلِ بیت کو صاف کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ مگر جب یزیدی دربار سے ان کو کچھ نہ ملا، سخت خائب و خاسر ہوئے، لعنتیں اور پھٹکاریں پڑیں۔ (جلآ العیون و خلاصتہ المصائب وغیرہ)۔ دین و دنیا تباہ ہوئے تو یہ کوفی غدار اور بیوفا اور شیعے اپنے کئے پر نادم اور شرمندہ ہوئے، تو اپنی روسیاہی اور بدنامی کو مٹانے کیلئے فوراً یہ ماتم شروع کر دیا اور وَاویلا مچا دیا کہ ہائے ہائے ہم تباہ ہوئے، ہمارا خاکہ اُڑ گیا دین و دنیا سب برباد ہوئے، اہلِ بیت کا نام لے لے کر روتے ہیں کہ "ہائے حسین"، ہم ذلیل ہوئے نہ ہم کو دنیا ملی اور نہ ہمارا دین رہا۔

خلاصہ یہ کہ اپنی شومیٔ قسمت اور دنیا سے محروم رہنے کا رونا ہے، اپنے کئے کا رونا ہے، اپنی بدنامی کا رونا ہے نہ کہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ہمدردی ہے، تسلی کے لئے ذرا سا اور ملاحظہ فرمایئے۔

---

(۲۱) قتل امام کی ایک اور وجہ

حضرت امام ہمام شہید کربلا کا قتل ہوا پرستی اور دنیاوی وجاہت کے حصول کے لئے تھا۔ ناسخ التواریخ صہ ۲۶۹ پر ہے کہ " زجر بن قیس نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پہلے پہل خبر دی تو۔

یزید لختے سر فرو داشت و سخن نہ کرد پس سر برآورد و گفت قد کنت ارضی من طاعتکم بدون قتل الحسین اَمَا لو کنت صاحبہ لاغفرن عنہ۔

یزید کچھ دیر سر بگریبان دم بخود رہا پھر سر اٹھا کر کہا کہ یقیناً میں اس پر راضی تھا کہ قتل حسین کے بغیر میری اطاعت کی جاتی لیکن اگر میں انکے ساتھ ہوتا تو امام حسین کو ضرور معاف کر دیتا۔

اسی طرح نہج الاحزان میں بھی ہے۔

یونہی محضر بن ثعلبہ نے جب بحق امام کچھ سخت بات کہی تو یزید نے ترش رو ہو کر اُس کو جواب دیا کہ۔

ما ولدت ام محضر اَشَدَّ اَلئم ولکن قبح اللہ ابن مرجانہ

محضر کی ماں نے ایسا سخت اور کمینہ بیٹا نہ جنا ہوگا مگر ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا خدا بُرا کرے۔

ایسے ہی جب شمر ذی الجوشن نے امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک یزید کے سامنے پیش کر کے فخر یہ کہا۔ املاء رکابی فضۃً و ذھبًا فقتلت خیر الخلق ابًا و اُمًّا

میرے رکاب کو سونے چاندی سے بھر دے کہ میں نے اُس کو قتل کیا ہے جو اپنے ماں باپ کی طرف سے تمام جہان سے بہتر تھا ——— یہ سُن کر

فغضب یزید و نظر الیہ شدیدًا وقال ملاء اللہ رکابك نارًا ویل لك اذا علمت انہ خیر الخلق فلم قتلتہ اخرج من بین یدی لا جائزۃ لك عندی۔

(خلاصۃ المصائب صہ ۳۰۴)

پس یزید غصہ ہوا اور بنظر غضب دیکھ کر بولا کہ خدا تیرے رکاب کو آگ سے بھرے تیرے لئے خرابی ہو جب تو جانتا ہے کہ حسین بہترین خلق ہیں تو تُو نے اُنکو کیوں قتل کیا نکل جا میرے سامنے سے تیرے لئے میرے پاس کچھ جائزہ وعطیہ نہیں ہے۔

یزید کے اس جواب کو مؤلف ناسخ التواریخ نے بھی بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ،

یزید گفت ہرگز ترا ازیں جائزہ نخواہد رسید شمر خائب وخاسر بازشتافت واز دنیا و آخرت بے بہرہ ماند (ص ۲۶۹)	یزید نے کہا میری طرف سے ہرگز تجھکو انعام نہ ملے گا شمر یہ سنکر خائب و خاسر واپس ہوا اور اسی طرح وہ دین و دنیا سے بے نصیب رہا۔

یزید نے ابن زیاد کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہے، جو درج ذیل ہے۔

الف۔ یزید جب امام زین العابدین کو دمشق سے مدینہ جانے کے لئے رخصت کرنے لگا تو اُن سے کہا "خدا بُرا کرے ابن مرجانہ کا کہ حسین سے یہ سلوک کیا، واللہ اگر میں ہوتا تو جو حسین بن علی مانگتے وہ میں دیتا اور اُن سے اس بلاء کو دفع کرتا اگرچہ موجب ہلاکت میرے بعض فرزندوں کا بھی ہوتا، مگر جو مشیت خدا میں تھا وہ ہوا پس جو حوائج ضروری ہوں وہ مجھے لکھ بھیجو، تا میں انہیں بر لاؤں"۔ (خلاصۃ المصائب ص ۴۰۵)

ب۔ ابن زیاد لعین درامر او تعجیل کرد و من راضی بکشتن او نبودم۔	ابن زیاد نے حسین کے معاملہ میں جلدی کی اور میں انکے قتل پر راضی نہ تھا۔

جلاء العیون ص ۵۲۷۔ ناسخ التواریخ ص ۳۷۸۔ اور احتجاج طبری وغیرہ میں بھی مذکور ہے

ج۔ خبر شہادت سُنکر اور قافلۂ اہل بیت حسین کے اپنے پاس دمشق پہنچنے پر یزید نے جو کچھ کہا وہ حسب ذیل ہے۔

اِنا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا (خلاصۃ المصائب ص ۲۰۳) انگشت را بدنداں گزید یعنی سنکر دانتوں تلے اُنگلی دبالی (ریاض الاحزان ص ۲۲۱) خود رویا۔ (خلاصۃ المصائب ص ۲۹۲ و ص ۳۲۶ و ص ۲۹۳) اسکی دختران اور ہمشیرہ بھی روتی تھیں (ص ۲۹۴، ۲۹۲) اسکی زوجہ بیتاب ہوکر روتی ہوتی محل سے باہر بے پردہ دربار یزید میں چلی آئی (خلاصۃ المصائب ص ۳۱۵) یزید نہ صرف جلوت میں بلکہ خلوت میں بھی روتا تھا (خلاصۃ المصائب ص ۳۹۳) اپنی بیوی ہند سے کہا اے ہند فرزند رسول خدا و بزرگ قریش پر نوحہ و زاری کر۔ (جلاء العیون)

ناظرین با تمکین حضرات! ان مذکورہ بالا معتبر و مستند کتب شیعہ کی تصریحات سے

روزِ روشن سے بھی زیادہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر خوش نہ تھا بلکہ ناراض ہُوا غضبناک ہوا قاتلوں کو کسی طرح کی مراعات دینے پر آمادہ نہ ہُوا بلکہ ان کو ہر طرح سے خائب و خاسر کیا نیز قتل کرنے والوں نے محض اپنی ضد اور مفاد پرستی، جاہ طلبی، جلبِ منفعت وغیرہ کے حصول کی وجہ سے یہ قبیح اور ملعون حرکت کی جس میں وُہ کامیاب نہ ہوئے، بلکہ ہر طرح سے خائب و خاسر رہے، بنا بریں اگر یہ تصور کر لیا جائے کہ قاتلین نابکار نے دنیا میں اپنا دامن صاف کرنے کے لئے (جو کہ ناممکن ہے) ماتمی صورت قائم کر لی ہو تو یہ کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔

(۲۲) تعزیہ وغیرہ کے ساتھ جانے کا حکم

عباراتِ سابقہ اور مضامین مذکورہ سے ثابت ہُوا کہ تعزیہ میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے ناجائز اور بدعت ہے اور ایسا کرنے والے بدعتی، شریعت کے مخالف اور ائمہ اہلِ بیت سے علیحدہ و منحرف اور عقل سے کوسوں دُور ہیں، توبہ نہ کریں تو عذابِ الٰہی کے مستحق ہیں، موردِ غضبِ جبّار و قہّار ہیں، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ائمہ ہُدیٰ کے معتوب راندۂ درگاہ ہیں، لہٰذا ہر مسلمان مومن کا فرض ہے کہ اِن سے الگ رہے۔

(۲۳) قرآن میں ناجائز مجلسوں میں جانے کا حکم

(۱) ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ط یعنی ظالم اور مخالف کی طرف میلان بھی نہ کرو جھکو تک نہیں (اگر تم نے ان سے میل ملاپ رکھا) پس (دائمی طرح) تم کو دوزخ کی آگ پہنچے گی

(۲) اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ط یعنی اگر شیطان بھول میں ڈالے دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کی مجلس سے فوراً الگ ہو جاؤ۔

(۳) وَذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَهُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا ۔ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے محض کھیل وکُود کو اپنا دین بنا رکھا ہے۔

اسی طرح متعدد ایسی آیاتِ مبارکہ ہیں جو کہ بدعتی اور ظالم لوگوں کی صحبت سے الگ رہنے کی پُر زور ہدایت کرتی ہیں، اور ان سے میل ملاپ کو گناہ قرار دیتی ہیں۔

(۴۲) حدیث شریف سے ناجائز مجلسوں میں جانے کا حکم

حدیث میں ہے۔ من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی هدم الاسلام

جس نے بدعتی کی توقیر و عزت کی اُس نے اسلام کے گرانے کی کوشش کی۔

حدیث میں ہے۔ اذا رأیتم صاحب بدعۃ فاکفھروا فی وجھہ فان اللہ تعالےٰ یبغض کل مبتدع ولا یجوز احد منھم علی صراط ولکن یتھافتون فی النار مثل الجراد والقمل — ایک حدیث میں ہے۔

جب تم بدعتی کو دیکھو۔ تو اُس سے ترش رُوئی سے پیش آؤ کہ اللہ تعالےٰ ہر بدعتی کو مبغوض جانتا ہے اور بدعتی جب پُل صراط سے گزرینگے تو سب کیڑیوں اور چیچڑیوں کی طرح دوزخ میں گرینگے۔

اھل البدع کلاب النار

بدعتی دوزخ کے کتے ہیں۔

اسی مضمون کی اور حدیثیں کثرت سے ہیں مثلاً امام جعفر صادق سے روایت ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام لا ینبغی للمؤمنین ان یجلس مجلسًا یعصی اللہ فیہ ولا تقدر علی تغیرہٖ

حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ مومن کو کسی ایسی مجلس میں نہیں جانا چاہیئے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو اور وہ اُس کے بند کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

(صافی شرح اصول کافی کتاب الایمان والکفر جزو چہارم ص۲۳۳)

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام انہ قال لا تصحبوا اھل البدع ولا تجالسوھم فتصیروا عند اللہ کو احد منھم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ وقرینہ (کتاب مذکور ص۲۳۵)

حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں کہ بدعتیوں کے ساتھ میل ملاپ اور مجلس مت رکھو اور نہ اُن کے ساتھ بیٹھو، کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم بھی خدا کے نزدیک اُنکی طرح ہو جاؤ گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو قیامت میں اُسکے دوست اور ساتھی کے ہمراہ اُٹھایا جائیگا۔

عن ابی عبد اللہ السلام قال من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یجلس مجلسًا ینتقص فیہ امام ویعاب فیہ مؤمن (کتاب مذکورہ ص۴۱)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ کسی ایسی مجلس میں نہ بیٹھے جس میں کسی امام کی توہین ہوتی ہو۔ یا کسی مومن پر نکتہ چینی کی جاتی ہو۔

اسی طرح جزو دوم فروع المکلفین مصنفہ ابوالقاسم القمی ص۱۱۱ پر بھی ہے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام مَنْ قعد عند ساب لاولیآء اللہ فقد عصی اللہ۔ (کتاب مذکورہ ص۲۴۵)

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی ایسے شخص کے پاس بیٹھا جو خدا کے اولیاءِ کرام کو گالی دیتا ہو اُس نے یقینی طور پر خدا کی نافرمانی کی

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سب اصحابی فقد کفر۔ (جامع الاخبار شیعی باب ص۹)

فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے میرے صحابۂ کرام کو گالی دی وہ کافر ہو گیا۔

ان رجلاً ممن یبغض آلِ محمد و اصحابہ او واحداً منھم یعذبہ اللہ عذاباً۔ (تفسیر امام عسکری)

بلا شبہ وہ شخص جو کہ آلِ محمد اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ایک صحابی کو بُرا سمجھے، اللہ تعالیٰ اُس کو سخت عذاب کرے گا۔

لا تسبوا الناس فتکسبوا العداوۃ بینھم (اصولِ کافی کتاب الایمان والکفر باب السباب)

لوگوں کو گالی مت دو تا کہ تم میں دشمنی نہ پڑے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من سبنی فاقتلوہ ومن سب اصحابی فاجلدوہ۔ (جامع الاخبار شیعی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ کو گالی دے اُسکو قتل کر دو اور جو میرے اصحاب کو گالی دے اُس کو دُرّے مارو۔

حضرت امیر المؤمنین علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ : رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا پیدا ہو گی ایک قوم جو بُرا کہے گی میرے اصحاب کو اور لقب اُس کا رافضی ہو گا۔ (جامع الاخبار و صحیفہ رضی) اور مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ شوستری مجتہدین ہے کہ "قدماء اثناء عشریہ کا لقب رافضی تھا"۔۔۔۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی

کہ جب ایسے لوگوں کو دیکھو کہ وہ میرے اصحاب کو

فقولوا لعنة الله علىٰ شركم (ترمذی)

دیتے ہوں تو کہو کہ تمہاری اس شرارت پر خدا کی لعنت۔

احفظونی فی اختانی و اصهاری لا یطلبنکم الله بمظلمة احد منهم فانها لیست مما توهب۔

(کنز العمال خطیب ابن عساکر)

فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری سسرال کے لوگوں کا احترام کرو اور بصورت کوتاہی تم سے اللہ تعالےٰ ضرور مؤاخذہ کرے گا کہ ایسی خطا معاف نہ ہوگی۔

سیجئی فی اٰخر الزمان قوم ینقصون اصحابی فلا تجالسوهم ولا تشاربوهم ولا تؤاکلوهم ولا تناکحوهم ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم

(غنیة الطالبین طبرانی)

فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم آئیگی جو میرے اصحاب کی عیب جوئی کریگی پس تم اُن کے ساتھ نہ بیٹھو نہ پیو نہ کھاؤ اور اُن سے نکاح کا سلسلہ نہ کرو، اور اگر مرجائیں تو انکی نماز جنازہ نہ پڑھو اور انکے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھو

سیأتی من بعدی قوم لهم نبذ یقال لهم الرافضة فان ادرکتم فاقتلوهم فانهم مشرکون قال قلت یارسول الله ما العلامة فیهم قال یقرظونك بما لیس فیك یطعنون علی السلف (دار قطنی عن علیؓ)

حضرت علیؓ سے ہے، فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے بعد ایک چھوٹی سی جماعت آئیگی جن کو رافضی کہا جائیگا۔ اگر تو ان کو پائے تو اُن سے مقابلہ کرو کہ وہ مشرک ہیں۔ میں نے عرض کی کہ ان کی علامت کیا ہے، آپنے فرمایا کہ وہ تیری تعریف میں غلو کریں گے اور حد سے بڑھ جائیں گے۔ اور سلف (صحابہ) پر طعن کریں گے۔

اذا ظهرت الفتن او قال البدع وسُبّت اصحابی فلیظهر العالم علمهٗ فمن لم یفعل ذالك فعلیه لعنة الله والملٰئکة والناس اجمعین لا یقبل الله لهٗ صرفاً ولا عملاً (صواعق محرقہ وجامع خطیب بغدادی)

فرمایا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب فتنے ظاہر ہوں یا فرمایا کہ بدعتیں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کرام کو گالی دی جائیں پس عالمِ دین پر فرض ہے کہ وہ اپنے علم کو ظاہر کرے، (یعنی بری باتوں سے روکے) اگر وہ ایسا نہ کریگا تو اُس پر خدا تعالےٰ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت اور اسکی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔

غیر شرعی مجلسوں میں جانے کے متعلق شیعہ علماؤ مجتہدین کا حکم

سراج العباد مصنفہ حاجی آقا مرزا حسین نجفی جو کہ شیعہ حضرات کے نزدیک نہایت ہی معتبر کتاب ہے اور نواب نوازش علی خاں صاحب کے حکم سے لکھی گئی ہے۔ اُس میں ص۴۴، ۴۵ پر کبیرہ گناہ کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

اسراف، تبذیر، خیانت، مشغول شدن بلہو ولعب واصرار برگناہِ صغیرہ و قطعِ رحم و تاخیر نماز از وقت تاخیرِ حج بغیر عذرِ شرعی و ترکِ حج و فتنہ انگیزی و خوردن سود و اعراض کردن از ذکرِ خدا و منع کردن از مساجدِ خدا و استہزاء بمومنین و لواطت و زنا و غنا و قمار و شہادتِ دروغ و کسبِ مال حرام و غصب و سخن چینی و راہ زنی در بیابان ہمہ گناہ کبیرہ اند۔

بیجا اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا امانت میں نقصان کرنا اور کھیل کود میں مصروف ہونا، چھوٹے گناہوں پر ڈٹے رہنا، بلا وجہ برادری کو کاٹنا، نماز کو وقت پہ پڑھنا اور حج بلا وجہ موخر کرنا، یا اُسکو چھوڑ دینا اور فتنہ و فساد کرنا بیاج لینا، ذکرِ الٰہی سے غافل ہونا مسجدوں سے روکنا ایمانداروں سے مخول کرنا، لواطت، زنا اور راگ، جوئے بازی میں مبتلا ہونا، جھوٹی شہادت دینا، اور حرام مال کمانا اور کسی کا مال چھیننا اور چغلخوری کرنا اور ڈاکہ زنی کرنا سب کے سب گناہ کبیرہ ہیں" اور ص۴۷ پر ہے۔

حدیث ہر کہ در خانہ طنبور یا نے یا چیزے دیگر از آلتہائے ساز و یا در شطرنج چہل روز بماند مستوجب غضبِ الٰہی گردد و اگر دریں چہل روز بمیرد فاسق و فاجر مردہ باشد جائے او جہنم باشد۔

جو اپنے گھر میں طنبورہ، بانسری اور دوسرے گانے بجانے کے اسباب یا شطرنج چالیس روز تک رکھے تو مستحق غضبِ الٰہی ہوتا ہے۔ اور اگر چالیس روز کے اندر مر جائے تو فاسق و فاجر مرا۔ اور دوزخ میں گرا۔

نیز ص۴۷ پر یہ حدیث نقل کی ہے۔

کسیکہ یک درہم بدہد باہلِ دف یا طنبور و نے و آلتِ فساد شدید تر ست ازیں کہ جماع کند با مادر خود در خانہ مکہ ہفتاد مرتبہ

جو شخص دف طنبورہ بانسری وغیرہ بجانے والوں کو ایک درہم دیگا وہ اس سے بھی برا ہے کہ خانہ کعبہ میں اپنی والدہ کے ساتھ ستر مرتبہ زنا

واگر دو درہم بدہد بایشاں می نویسد خدا تعالیٰ از برائے او بہر شاخ موئے کہ در بدنش ست گناہے مثل احد ومحشور می شود صاحب غنا رود ف ونے وزانی کور وکر وگنگ واما کسے کہ بلند کند صدائے خود را بغنا، خدا قرار میدہد وشیطان بر دو دوش او کہ پاشنہ پائے خود را بر سینہ او میزنند تا از خواندن باز ایستد۔

واگر وہ دو درہم دے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر بال بدن کے بدلے احد پہاڑ کے برابر گناہ لکھتا ہے، اور بانسری باجے طبلے وغیرہ بجانے والے قیامت میں گونگے، ڈورے، اندھے اٹھیں گے۔ اور جو راگ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہیں اللہ اسکے ہر دو کندھوں پر دو شیطان مقرر کرتا ہے کہ جب تک وہ چپ نہ ہو اس کے سینہ پر ایڑیاں مارتے ہیں۔

(۲۶) نامحرم عورتوں کے دیکھنے کا حکم

صفحہ ۴۹ پر ہے، ہر کہ چشمش را پر کند از نظر کردن بسوئے کسے کہ حرام باشد برو دیدن آن، خدا دیدہ او را در قیامت از آتش پر کند مگر آنکہ توبہ کند، حدیث است کہ ہر کہ مست شود از شراب و بعد ازاں تا چہل روز بمیرد نزد خدا مانند بت پرست، و در ارشاد القلوب مسطور ست ایں حدیث کہ کسے کہ بسوزاند ہفتاد قرآن را و بکشد ہفتاد ملک تباہ کند و زنا کند با ہفتاد دختر باکرہ نزدیک تر ست برحمت خدا از کسے کہ ترک کند نمازے را عمداً موافق حدیث پیغمبر اسلام کہ من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر وکلام پروردگار ہم ست (اقیموا الصلوٰۃ

جو شخص نامحرموں کی طرف دیکھے۔ قیامت میں اسکی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ آگ سے بھریگا مگر یہ کہ وہ توبہ کرلے، حدیث شریف میں ہے کہ جو شراب پی کر مست ہو جائے اور بعد اس کے چالیس روز تک، مرجائے وہ خدا کے نزدیک بت پرست کی طرح ہے۔ اور ارشاد القلوب میں حدیث لکھی ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑتا ہے وہ ستر قرآن مجید جلانے اور ستر ملک تباہ کرنے اور ستر دوشیزہ لڑکیوں سے زنا کرنے سے برا ہے۔ اس حدیث کے موافق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلا وجہ تارک نماز کافر ہے۔

اور قرآن مجید میں فرمایا کہ نماز ادا کرو

ولا تکونوا من المشرکین۔ پس
پس تارک الصلوٰۃ و بُت پرست در
یک سلک خواہند بود و امادر جامع الاخبار
است کہ ہر کہ اعانت کند تارک الصلوٰۃ
را بلقمہ یا بلباسے گویا کشتہ است ہفتاد پیغمبر
را کہ اوّلِ ایشاں آدم و آخر ایشاں محمد صلی اللہ
علیہ وسلم است

اور مشرک نہ بنو۔
پس تارک نماز اور بُت پرست دونوں
ایک جیسے ہیں۔ اور کتاب جامع الاخبار
میں ہے کہ جو تارکِ نماز کی ایک لقمہ یا کسی کپڑے
کے ساتھ مدد کرے تو گویا اُس نے ستر نبیوں
کو قتل کیا کہ اُن میں پہلے حضرت آدم اور پچھلے
جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور

حدیث است از حضرت رسولِ کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کسے تبسم کند بر روئے
تارک الصلوٰۃ برابر است کہ ہفتاد مرتبہ خانۂ
کعبہ را خراب کردہ باشد و ہفتاد ملک را
کشتہ باشد و اگر یک شربتِ آب کسے اعانت
کند بتارک الصلوٰۃ محاربہ و جدال کردہ است
با من و با جمیع پیغمبراں و شفاعت من نمی
رسد بکسے کہ استخفاف کند بنماز خود وارد
نے شود بر حوض کوثر من بحق خدا۔

حدیث میں ہے کہ اگر کوئی تارکِ نماز سے تبسّم
اور خندہ پیشانی سے پیش آئے تو ستر دفعہ کعبہ
گرا دینے اور ستر ملک تباہ کر دینے کے برابر ہے اور
اگر بے نمازی کو ایک گھونٹ پانی پلائے تو
گویا اُس نے میرے تمام پیغمبروں کے ساتھ
لڑائی کی ہے اور جو نماز کا ٹھٹھا کرتا ہے۔
اُس کو میری شفاعت (یعنی نبی کریم صلے
اللہ علیہ وسلم کی) نصیب نہ ہو گی اور نہ میرے
حوض کوثر کا پانی اُس کو نصیب ہو گا۔

(۲۷) گناہ کبیرہ کی تعریف

صفحہ ۳۴ پر گناہِ کبیرہ کی سزا بھی مقرر کی ہے، فرماتے ہیں۔

کبیرہ گناہیست کہ حق تعالیٰ بر آن
وعدۂ آتش دادہ است۔

گناہِ کبیرہ وہ ہے جس پر اللہ تعالےٰ نے
دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا ہے۔

کبیرہ گناہ کی سزا

اور ۳۵ پر ہے کہ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ۔

ہر کہ مرتکب شود کبیرہ از کبائر و
اُو آنرا حلال داند بیروں می بُرد اُو را از
اسلام و عذاب میکند اُو را شدید ترین عذاب
و اگر معترف باشد بآنکہ گناہ کردہ است
و حرام است و بر آں حال بمیرد اُو را
از ایمان بیروں می برد و از اسلام بیروں
نمی بُرد و عذابش سُبک تر از عذاب
آن مَردِ اول خواہد بود۔

جو گناہِ کبیرہ کو حلال جان کر کرے وہ
ایمان و اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور
جو اسکو حرام سمجھ کر کرتا ہے وہ اسلام سے
گو نہیں نکلتا۔ لیکن ایمان سے خارج ہو
جائے گا۔ مگر عذاب دونوں کو ہو گا۔
صرف فرق یہ ہے کہ پہلے کو بہت سخت
عذاب ہوگا اور اس کو کم۔

زنا کی سزا

ص ۲۴۴ پر امام محمد باقر سے مروی ہے کہ۔

از حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم منقول است کہ ہر کہ زنا کند
بازنِ مسلمانے یا زنِ ترسائے یا زنِ جہودے
یا گبرے خواہ آزاد باشد آن زن یا بندہ
و بے توبہ بمیرد حق تعالیٰ در قبرش سی صد در جہنم
بکشاید کہ از انہا مار و عقرب و اژدہا از جہنم
در قبرش در آیند و اُو در آتش سوزد تا روز
قیامت پس چون از قبر مبعوث شود مردم
از گناہِ اُو متاذّی باشند و ہمہ کس اُو را باین
عمل قبیح بشناسند تا بجہنم رسد۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت
ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے
خواہ وہ عورت مُسلم ہو یا غیر مُسلم غلام ہو یا
آزاد اور بے توبہ کئے مَر جائے تو اللہ تعالیٰ اُسکی
قبر میں تین سو دروازے کھولے گا جس سے اُسکی
قبر میں دوزخ سے سانپ اور بچھو اور اژدہا
وغیرہ آئینگے اور آکر اُسکو ڈسیں گے اور وہ
قیامت تک دوزخ میں جلتا رہیگا اور قیامت
میں جب قبر سے نکلے گا تو اُس کے اسی عملِ بد کی وجہ
سے اہلِ محشر سخت تکلیف میں ہونگے اور اسکو
اسی عمل کے ذریعہ پہچان لیں گے حتیٰ کہ اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

داڑھی رکھنا کتنی سنت ہے

اسی شیعی کتاب مذکور کے ص ۳۴۴ حاشیہ پر ہے۔

بدانکہ سنت است ریش را میانہ گزاشتن نہ بلند نہ بسیار کوتاہ وزیادہ از قبضہ نہ داشتن نکردہ است واحتمالی نیز دارد مشہور از علمائے آنست کہ تراشیدن ریش حرام است۔

داڑھی متوسط ہونی چاہیئے، نہ بہت لمبی نہ بہت چھوٹی، اور یہ سنت ہے علمائے کرام کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ داڑھی کترواناحرام ہے۔

واز حضرتِ صادق منقول است کہ آنچہ از ریش زیادہ از یک قبضہ است در آتش است ودر حدیث دیگر وارد است کہ دست بر ریش بگیرد آنچہ زیادہ باشد ببرد۔

اور امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ایک قبضہ سے زاید داڑھی نہیں ہونی چاہیئے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک قبضہ یعنی چار انگل سے جوزائد ہو اُس کو کترا دے۔

(۲۸) داڑھی مونڈانا کترانا حرام ہے

وحضرت امیرالمؤمنین فرمود کہ در زمان پیش کردہ بودند کہ ریش رامی تراشیدند و شارب رامی گزاشتند حقتعالی ایشاں را مسخ کرد

اور حضرت علی کا ارشاد ہے کہ گزشتہ زمانہ میں لوگوں نے داڑھیوں کو کاٹا اور مونچھوں کو بڑھایا اللہ تعالےٰ ان کی صورتوں کو بدل دیا۔

(۲۹) ناجائز محفلوں میں جانے کا علمائے اہل سُنّت کا حکم

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سُنی شرح سفر السعادت میں فضائل عاشورہ کے باب میں لکھتے ہیں۔ ومجمل آنکہ در صواعق گفتہ کہ طریقۂ اہلِ سنت آنست کہ دریں روز ہم از بدعات فرقۂ رافضیہ از شیعہ مثل ندبہ و نوحہ و عزا و امثال آن اجتناب کنند کہ آں نہ از داب مومنان ہست والا روزِ وفات حضرتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

خلاصہ یہ ہے کہ صواعق میں فرمایا ہے کہ طریقہ اہلِ سنت کا اس میں یہ ہے کہ اُس روز شیعہ رافضی گروہ کی بدعتوں سے جیسے ندبہ، نوحہ، عزاداری وغیرہ سے کُلّی پرہیز کرنا چاہیئے کہ ایسا کرنا مومنوں کی شان سے بہت بعید ہے ورنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

لہ اس فصل کی عبارتوں کو بالخصوص شیعہ حضرات بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ ائمہ کرام نے کیا فرمایا ہے اور خاصکر یوم عاشورہ میں، کیا ہم بعض ناجائز حرکتوں کا ارتکاب نہیں کرتے؟

اولی واُخرٰی مے بود بداں۔ کی وفات کا روز ایسی چیزوں کا زیادہ مستحق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی سُنّی مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں۔

یقین تصور فرمائید کہ فساد صحبتِ مبتدع زیادہ از فساد صحبتِ کافر است وبدتریں جمیع مبتدعاں جماعت اند کہ باصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بغض دارند۔

یقین سے جاننا چاہیئے کہ فاسق اور بدعتی کی صحبت ومجلس کا فتنہ وفساد کافر کی صحبت کے فساد سے بہت بڑا ہے یعنی مجلس دونوں ہی خطرناک ہیں لیکن بدعتی کی زیادہ خطرناک، اور سب بدعتیوں سے رافضی بُرے ہیں کہ وہ اصحاب رسول کو گالی دیتے ہیں۔

(۳۰) جہاں پر خلاف شرع کام ہوں وہ جگہ ناپاک ہے

فتاوٰی عزیزیہ سُنّیہ کے صہ۳ پر ہے کہ (ترجمہ) "اگرچہ فاتحہ اور درود فی نفسہٖ امر مستحسن اور موجب ثواب ہے مگر قرآن عظیم اور درود شریف ایسے مقام پر پڑھنا چاہیئے جو نجاستِ ظاہری اور باطنی دونوں سے پاک ہو کیونکہ تعزیہ اور سُدّے وغیرہ کے ساتھ جن کی شرع میں کوئی اصل نہیں، بدعتی لوگ طرح طرح کے ناجائز امور کرتے ہیں، اسلئے وہ مقام جہاں یہ چیزیں ہوں نجاستِ باطنی سے ملوّث ہوا پس وہاں قرآن شریف یا درود شریف پڑھنا مکروہ تحریمہ ہوا (یعنی قریب بحرام ہوا) پڑھنے والا ضرور اُسی طرح مطعون اور قابلِ ملامت ہے، جس طرح کہ بیت الخلاء میں تلاوتِ قرآن کرنے والا۔"

ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ عاشورہ میں شیعہ اور رافضی رسموں ندبہ، نوحہ، تعزیہ وغیرہ سے مسلمانوں کو بچنا نہایت ضروری ہے، اور بدعتوں اور بدعتیوں کی صحبت و مجلس سے اپنے کو کوسوں دُور رکھے، ان کی صحبت کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے، اور جہاں پر تعزیہ، نوحہ وغیرہ رسومِ قبیحہ کو کیا جائے، اُس جگہ نہ جائے اور نہ اُس جگہ قرآن درود، صلوٰۃ پڑھے، کیونکہ وہ جگہ باطنی نجاست سے ناپاک ہے۔

(۳۱) کیا محض محبت اور صرف شیعہ ہونا بلا عمل نجات کیلئے کافی ہوسکتا ہے؟

کتاب سراج العباد کے صہ۵۴ پر موجود ہے،

پس معلوم شد کہ ہیچ کس را راہِ نجات بغیر از عملِ صالح ندادہ اند از خسیس و شریف، و عالم و جاہل و از پیر و جواں عمل طلبیدہ اند

و از حضرت امام رضا منقول ہست از آبائے عظامِ خود از حضرت امیر المومنین کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ عمل کنید پروردگار خود را و اعتماد مکنید بر شفاعتِ ما و صغیرہ و کوچک مشمارید عقوبتِ حق سبحانہٗ تعالےٰ را۔

پس معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شریف ہو یا خسیس، عالم ہو یا جاہل، جوان ہو یا بوڑھا، بغیر نیک عمل کے نجات حاصل نہیں ہوگی۔

اور امام رضا نے حضرت امیر المومنین سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری شفاعت پر ہی مت بیٹھو، عمل کرو اور خدا تعالیٰ کے عذاب کو ہلکا مت خیال کرو۔

(۳۲) صرف شیعہ اور محبِّ اہل بیت کہلانا نجات کیلئے کافی نہیں

و شیخ طوسی بسند ہائے صحیح و معتبر از جابر روایت کردہ است کہ امام محمد باقر فرمودند اے جابر آیا اکتفا میکند کسی را ادعائے تشیع یعنی شیعہ گری ہمیں کہ قائل شود بمحبتِ ما اہلبیت، واللہ کہ نیست شیعۂ ما مگر کسے کہ بہ پرہیزد از معاصی خدا و اطاعت اُو بکند و گرامی تر از ایشاں نزد حق تعالیٰ کسے است کہ پرہیزگار تر باشد از برائے خدا و عمل کنندہ تر باشد بطاعتِ حق تعالیٰ، بخدا قسم کہ تقرب نمی تواں جُست بسوئے خدا مگر بطاعت، ہر کہ مطیعِ خدا است ولی ما ست و ہر کہ عاصی خدا است او دشمن ما ست و بولایت ما نمی تواں رسید مگر بہ پرہیزگاری و عمل۔

اور شیخ طوسی نے معتبر سندوں سے جابر سے روایت کی ہے کہ امام محمد باقر نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر کسی شیعہ کو نجاتِ آخرت کیلئے کیا یہی کافی ہے کہ شیعہ ہونے کا دعویٰ کرتا پھرے اور ہماری محبت کا اظہار کرے اور عمل نہ کرے فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارا شیعہ تو وہ ہے جو خدا کی نافرمانیوں سے پورا پورا بچے، اور اس کے حکم پر عمل کرے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک تو وہی شخص معزز اور سب سے اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو اور سب سے بڑھ کر عمل کرے، اللہ کی قسم دربارِ الٰہی میں نزدیکی صرف اطاعت و عمل کی وجہ سے ہے اور جو شخص خدا کا فرمانبردار ہے وہ ہمارا ولی اور دوست ہے اور جو نافرمان ہے وہ ہمارا

حضراتِ ائمۂ اہلِ بیت نے کس واضح بیان سے ہدایت فرمائی ہے کہ مقبولیت صرف عمل اور محبت ہر دو سے ہے نہ صرف محبت سے۔

میرے بھائیو اور شیعہ دوستو' اور عزیزو! یہ قرآن مجید اور حدیث پاک اور ائمۂ اہلِ بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور شیعہ علماء و فضلاء مجتہدین کے بھی اقوال وارشادات ہیں' جو تم پر پہاڑوں سے زیادہ بوجھل ہیں اور آپ بحیثیت شیعہ اور محبانِ اہل بیت کے مدعی ہونے کے اس سے ایک ذرّہ بھر اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ آپ بنظرِ انصاف ان کا مطالعہ فرمائیں۔ اور دیکھیں کہ ان سے کیا کچھ ثابت ہُوا اور ان میں کونسی چیز جائز اور کونسی ناجائز ثابت ہوئی۔ کس کو کرنے کا حکم ہُوا اور کس کو چھوڑنے کا' اور کس کے کرنے سے شریعت کی پیروی ہے اور کس سے مخالفت' اور پھر اس تعزیہ مروّجہ میں گہری نظر دوڑاتے ہوئے چلے جائیں' تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ کیا اس تعزیہ وغیرہ میں باجے' تماشے و دیگر منہیات وسامانِ لہو ولعب استعمال نہیں ہوتے؟ کیا اس میں تارکِ حج ونماز' سُود خوار' جُوے باز نہیں ہوتے؟ کیا داڑھی منڈے کرّے' چغلخور' حرام طریقہ سے مال اکٹھا کرنے والے راگی' تماشائی شریک نہیں ہوتے؟ کیا نماز' روزہ' حج و دیگر عبادات کے چھوڑنے سے مستحقِ وعید عذاب نہیں ہوتے؟ کیا اس میں خلافِ شرع عورتوں اور مَردوں کا خلط وملط نہیں ہوتا؟ کیا تعزیہ میں عورتیں ننگے سَر بلند راگنی سے اکثر مصنوعی مرثیے پڑھتی' چھاتی کوٹتی' نوحہ کرتی نہیں ہوتیں؟ کیا عوام ان کو نظرِ حرام سے دیکھ کر مبتلائے عذاب نہ ہونگے؟ کیا ان نامحرموں کو دیکھنا اور دکھانا جائز ہے؟ کیا ایسی مجلسوں میں اولیاء کرام و دیگر بزرگانِ دین کو سبّ وشتم' گالی گلوچ نہیں کیا جاتا؟ کیا ناجائز بدعتوں کو رائج کرنے کے لئے بیجا مال صرف نہیں کیا جاتا؟ کیا شرعی طور پر ایسے ناجائز افعال اور ناشائستہ حرکات کرنے والوں کی مدد و اعانت جائز ہے؟ کیا یہ افعال تصریحات بالا کے لحاظ سے بدعت اور حرام نہیں؟ کیا ایسی مجلسیں جہاں ایسے افعالِ قبیحہ کئے جاتے ہوں دیکھنی جائز ہیں؟ جب جواب نفی میں ہے اور ضرور ہے تو پھر ایسی مجلس تعزیہ کیسے جائز ہو سکتی ہے اور اس میں جانا اور ایسے کاروبار میں شریک ہونا اور ہر طرح سے مدد و اعانت کرنا شریعت میں کب روا ہے؟

میرے بزرگو! آپ کو شریعتِ پاک اور ائمۂ اطہار کا دامن پکڑنا چاہیئے۔ اور ان کے ارشاداتِ عالیہ کے رُوبرو گردن جھکانی چاہیئے اور عملی طور پر اپنی ارادت کا ثبوت دینا چاہیئے، صرف منہ سے اہلِ بیت کا محب بننا کافی نہ ہوگا۔ بلکہ محبت کے ساتھ عمل کی اشد ضرورت ہے، بزرگانِ دین اس عملی کیفیت سے ہی خوش ہو سکتے ہیں۔

موٹی بات ہے کہ محبوب کی ہر ایک چیز پسند ہوتی ہے، اُن کی شکل و سیرت کو اختیار کرو، اُنکے اوصاف و اخلاق اپنے اندر پیدا کرو، کوری محبت عمل کے بغیر بے سُود و بے معنی ہے۔

(۳۳) ماتمی مجلسوں میں ننگے سر جانے کا حکم

تعزیہ وغیرہ ماتمی مجلسوں میں سَروں سے لازمی طور پر پگڑیوں کو اُتارا جاتا ہے اور اسے ماتم کا ایک جزو قرار دیا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید اور حدیث شریف میں تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن شیعہ دوست اور رافضی بزرگ یہ فرماتے ہیں کہ۔

"بقیۂ اہلِ بیت جب کربلا سے دمشق روانہ ہوئے، تو ظالموں نے حرموں کو سواریوں پر کجاوں کے بغیر بٹھایا اور سخت بے پرواہی برتی، حتیٰ کہ سَروں سے چادروں کو اُتار دیا اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ننگے سر، بھوکے اور پیاسے دمشق پہنچایا، لہٰذا محبانِ اہلِ بیت اور فرزندانِ ماتم کا اہم فرض ہے، کہ وہ بھی ننگے سر نوحہ و ماتم کیا کریں۔"

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا یہ محض جھوٹ و افتراء ہے اور ایک مصنوعی کہانی ہے،

(۳۴) اہلِ بیت کا باپردہ دمشق کو جانا

جلاء العیون باب پنجم فصل ۱۱ میں بروایت السید بن طاؤس مذکور ہے کہ۔

"جب شہادت امام مظلوم کے بعد امام زین العابدین حرم محترم کو دمشق لے جا رہے تھے کہ راستہ میں کوفہ آیا تو بیحیا اہلِ کوفہ تماشا دیکھنے کے لئے آئے، بعض نے گریہ و زاری شروع کر دی، جس کو دیکھکر حضرتِ زینب دختر جناب امیر ہمشیرہ امام حسین نے یوں کلام فرمایا،

"اما بعد اے اہل کوفہ، اے اہلِ غدر، مکر و حیلہ تم ہم پر گریہ کرتے ہو اور خود تم نے ہمکو قتل کیا، ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا۔"

فصل ۱۵۔ اُم کلثوم ہمشیرہ دوم حضرت امام مظلوم نے صدائے گریہ بلند کی اور ہودج سے آواز دی کہ — "اے اہلِ کوفہ تمہارے منہ سیاہ ہوں تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسین کو بلایا اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب اُس کا لوٹ لیا۔"

(۳۵) قاتل شیعوں پر اہلبیت کی لعنت و پھٹکار

امام زین العابدین نے کوفہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا، میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں تم جانتے ہو کہ میرے پدر بزرگوار کو تم نے خطوط لکھے اور اُن کو فریب دیا، اُن سے بیعت کی، آخر کار اُن سے جنگ کی، اور دشمن پر اُن پر مسلط کیا۔ پس لعنت ہو تم پر۔ پس صدائے گریہ ہر طرف سے بلند ہوئی۔ آپس میں ہر ایک دوسرے سے کہتا تھا، ہم لوگ ہلاک ہوئے۔ جب صدائے فغاں کم ہوئی تو حضرت نے فرمایا، خدا اُس پر رحمت کرے جو میری نصیحت قبول کرے، سب نے فریاد کی، یا ابن رسول اللہ ہم نے آپ کا کلام سُنا، ہم آپ کی اطاعت کرینگے، جو آپ سے جنگ کرے ہم اُس سے جنگ کریں گے اور جو آپ سے صلح کرے ہم اُس سے صلح کرینگے اگر آپ کہیں اس کا خون طلب کریں۔ حضرت نے فرمایا، "ہیہات ہیہات اے غدارو، اے مکارو، پھر دوبارہ میں تمہارے فریب میں نہیں آؤنگا۔"

ان شیعی عبارتوں سے ثابت ہُوا کہ حرمِ محترم باپردہ ہودجوں اور کجاوؤں میں سوار تھیں اور انہوں نے کوئی خلاف شرع کام نہیں کیا، ہاں کوفی شیعہ ضرور غدار اور بے وفا تھے جنہوں نے متعدد خطوط بھیج کر حضراتِ اہلِ بیت کو گھر بُلایا، اُن سے بیعت کی اور وفاداری کے مستحکم اور مضبوط عہد و پیمان کئے، مگر سب کچھ توڑ تاڑ کر حضرت امام حسین و دیگر حضرات کو شہید کر کے اپنی عاقبت کو سیاہ و برباد کیا، یہی وجہ تھی کہ حضرتِ زینب و اُم کلثوم اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم نے ان کو بُری سے بُری بد دعائیں دیں، اور ان کو مکار، غدار، بے وفا وغیرہ القاب دے کر قیامت تک مشکور فرمایا۔

اور نیز سر سے پگڑی اور وہ بھی لازمی طور پر اُتار دینا ایک گری ہوئی حرکت کے علاوہ جاہلانہ شعار اور علامت ہے جس سے شریعت پاک نے مسلمان کو سختی سے روکا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے بعض افراد کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی چادریں اُتار دیں، اور اُس زمانہ میں چونکہ کُرتہ بہت کم پہنتے تھے، صرف چادر اور تہبند ہی زیادہ استعمال میں آتا تھا۔ لہذا چادر اُتار کر غم کا اظہار کیا کرتے اور جو کُرتہ پہنتے وہ اپنا گریبان پھاڑ کر اظہارِ غم کرتے، جیسا آجکل انگریزوں کی دیکھا دیکھی ہندوستانیوں نے بھی بازو پر کالا کپڑا باندھنا غم کی علامت ٹھہرائی ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن افراد کو چادریں اُتارتے دیکھ کر فرمایا کہ تم جاہلیت کا طریقہ اختیار کرتے ہو، میرا ارادہ ہوا تھا کہ تم پر ایسی بد دُعا کروں، جس سے تمہاری صورتیں بدل جائیں۔ یہ سُنتے ہی اُنہوں نے فوراً چادریں اوڑھ لیں، اس سے معلوم ہُوا کہ زمانہ جاہلیت کی ہر رسم و ادا کو شریعت نے بُری نظر سے دیکھا ہے اور سَر سے پگڑی اُتارنا بھی چادر کی طرح ہے، تو جب اظہارِ غم کے لئے چادر اُتارنا ناجائز ہے، تو اسی اظہارِ غم کے لئے پگڑی اُتارنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ثابت ہُوا کہ پگڑی اُتارنا شریعت کا حکم نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی ثواب ملتا ہے محض شیعہ حضرات کی بنائی ہوئی بات ہے اور فضول ڈھکوسلا۔ مسلمان کا فرض ہے، کہ وُہ شریعت کو اپنا لائحہ عمل مقرر کرے، اور اسی کو باعثِ ثواب ونجات سمجھے۔ ؎

ہونے کو یوں شہید ہوئے ابنِ فاطمہ ۔۔۔ دھبہ لہو کا شیعوں کے دامن میں رہ گیا
رنگ جب محشر میں لائیگی تو اُڑ جائیگا رنگ ۔۔۔ یہ نہ کہئے سُرخیِ خونِ شہیداں کچھ نہیں

(۳۶) محرم میں سبیلیں اور نیازیں شریعت کی نظر میں

شریعتِ پاک میں پانی پلانا، کھانا کھلانا، کپڑے دینا، جان و مال سے مدد کرنا اور ہر قسم کا جائز تعاون امر محمود ہے اور باعثِ اجر وثواب، لیکن ایسے لوگوں کو جو کہ خدا تعالیٰ اور شریعت پاک کی نافرمانی میں لگے ہوں، کھانا کھلانا ہرگز جائز نہیں، بلکہ معصیت اور گناہ ہے، جیسے تعزیہ وغیرہ دیکھنے دکھانے والے کو خلافِ شرع کرتے ہیں جیسا کہ اُوپر پوری تفصیل سے

(۳۷) ناجائز باتوں میں مدد کرنی حرام ہے

تعزیہ وغیرہ دیکھنے دکھانے والے کہ خلاف شرع کرتے ہیں جیسا کہ اوپر پوری تفصیل سے ثابت ہوا۔ اب ان کو خاص طور پر کھلانا اور پلانا گویا شریعتِ پاک کی مخالفت پر مدد دینی ہے، اور ان نافرمان لوگوں کے حوصلہ کو بڑھانا ہے کہ آئندہ بھی زور سے نافرمانی اور مخالفتِ اسلام کریں گے، جیسے کوئی بدنہاد بلاوجہ کسی یتیم کو مارے، اور دوسرا اسی بدنہاد ظالم کی مدد کرے، اور کہے کہ تم نے ٹھیک کیا اور مارو، تو اس ظالم کا دل کیوں نہ بڑھے گا، کل کو کئی یتیموں کو کیوں نہ پیوندِ زمین کریگا، لہذا ہر مسلمان کا یہ مذہبی فریضہ ہے کہ ایسے نافرمان اور بدعتی اور ائمۂ اہل بیت کی ارواحِ طیبہ کو ناراض کرنے والے شخصوں کی بالکل مدد و اعانت نہ کرے، نہ ان کو پانی پلائے نہ نذر بل دے، نہ کھانا کھلائے، اور نہ تعزیہ دار اس کا مطالبہ کریں، کیونکہ شہداء کربلا تو ان کے نزدیک ایک ایک گھونٹ پانی کو ترستے داصل بحق ہوئے تو انہیں اس قدر شربتوں اور دودھ وغیرہ کی خواہش کیوں ہو؟ تعزیہ ساز حضرات کا فرض ہے کہ جب وہ اس کو صحیح اور موجبِ ثواب خیال کرتے ہیں، تو وہ صحیح نقل کیوں نہیں اتارتے ضروری ہے کہ حضراتِ شہداءِ کرام کی کھانے اور پینے میں، بیٹھنے اور اٹھنے میں، رنج وغم میں، اخلاق واطوار میں، شکل وشباہت میں، سیرت وخصلت میں، ان کی پوری پوری اقتدا کی جائے مگر افسوس کہ یہاں عشرِ عشیر بھی نہیں، اور جو ہے وہ پوری برعکس اور خلافِ شریعت، کسی نے خوب نظم میں کہا ہے ؎

نام کی ہوتی محرم میں ہے خیراتِ کثیر ہے کہیں روٹی کہیں کھچڑا کہیں بلتی ہے کھیر
پہنتے ہیں لوگ اکثر جامہ ہائے سبز رنگ ہوتی ہے گتکا پھری سے مفت کی مصنوعی جنگ
مجلسوں میں نوحہ خوانی کی عجب ہوتی ہے دھوم پاک دامن کسبیوں کا دیکھ لو ہر جا ہجوم
وہ محرم کے سپاہی جیسے فوجِ شام و روم اس سرے سے اُس سرے تک سینہ کوبی بالعموم
سانگ وہ بہروپیوں کے ڈنگوں کی دھوم دھام پر قدم پر نعرہ ہائے یا علی و یا امام
وہ سبیلوں کی نمائش جھنڈیوں کا کھٹکھٹ کورے کورے مٹکے جن میں سرد شربت قند کا

جلوہ گر مصنوعی پنجۂ شاہِ مرداں کا جُدا !   اور وہ تمثالِ دُلدل رخشِ پیکر کربلا !
بھُس اُڑانا سر پہ اور رونا زبردستی کا وہ   اور نمونہ مشتے بعد از جنگ کی ہستی کا وہ
بانس کے وہ ڈھانچ جن پہ کاغذی ہو پیرہن   تعزیہ کہتے ہیں اُسکو سب یہاں کے مرد و زن
جان کر روضۂ شہیدِ کربلا کا نیک تن   پوجتے ہیں وہ ہی جن کا کہ لقب ہے بُت شکن
اشرف المخلوق اور خیر الامم ہے کیا غضب   مانتے ہیں منتیں اور مانتے ہیں اُس کو رَب

نان وحلوا مصنفہ بہاء الدین عاملی شیعی میں ماتمی حضرات کے حالت کے عین مطابق یہ نظم موجود ہے ؎

ظاہرت چو گور کافر پُر حلل   اندر آں قہرِ خدا عزّ و جل
از بروں طعنہ زنی بر بایزید   وز درونت، ننگ میدارد یزید
بہرِ اظہارِ فضیلت معرکہ   ساختی افتادے اندر مہلکہ
تاکہ عامی چند سازی رام خود   با صد افسوں آوری در دام خود
نہ فروعت محکم آمد نہ اصول   شرم بادت از خدا و از رسول

یعنی تیرا ظاہر کافر کی قبر کی طرح ہے کہ اُوپر سے بڑی سرسبز اور اُس کے اندر قہرِ خُدا ہوتا ہے، بظاہر تو بایزید ولی اللہ پر طعنہ زنی کرتا ہے اور دِل تیرا ایسا ہے کہ اُس سے یزید کو بھی ننگ و عار ہے۔ اپنی فضیلت کیلئے مجلس بناتا ہے اور ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ کب تک عوام کو اپنے تابع بنائیگا، سَو قسم کے منتروں سے اُنکو جال میں پھنساتا ہے، نہ تو فروعی مسائل کو جانتا ہے نہ اصولی کو، پھر خدا تعالےٰ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے تجھ کو شرم چاہیئے۔

شہداء کو ایصالِ ثواب جائز ہے

ہاں اپنے گھر میں یتیموں، غریبوں، مسکینوں کو بُلا کر جو چاہیں دیں، جو میسّر ہو کھلائیں، جو بن آئے پلائیں، سو نہیں لاکھوں، کروڑوں روپیہ جائز طور پر صرف فرمائیں اور شہداء کرام کی ارواحِ طیّبہ کو ثواب پہنچائیں، کون روکتا ہے، سب جائز ہے مباح ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا غلط ہے کہ حضراتِ شہداءِ کربلا پانی سے پیاسے گئے اور شربت ہی پیاس کو

خوب بجھاتا ہے، لہٰذا شربت ہی پلانا چاہئیے، اور یہی ضروری ہے، جیسا کہ بلالحاظ موسم شربت ہی کے پلانے کے رویۂ عام سے یہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ جو چاہے خیرات کرے اور ایصال ثواب کر کے شہدائے کرام کی بابرکت دعاؤں سے اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنے کی سعی جمیلہ کرے، اللہ تعالےٰ ہم کو زیادہ سے زیادہ ثواب پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(۳۸) ماتم کے جائز ہونے کی دلیلوں کا جواب

دلیل ۱۔ کسی خاص صدمہ اور تکلیف پر ماتم کرنا جائز ہے، اور ہمیشہ اُس کی یاد میں دیدۂ تر رہنا موجبِ ثواب ہے، دیکھو حضرت ہابیل علیہ السلام کو جب قابیل نے قتل کیا تو حضرت آدم علیہ السّلام برابر ایک سو سال تک روتے رہے (تفسیر خازن مصری) اور حضرت شعیب علیہ السّلام دس برس تک روتے رہے کہ آپ نابینا ہو گئے (انیس الواعظین) اور حضرت یعقوب علیہ السّلام برابر چالیس سال فراقِ یوسف علیہ السّلام میں گریہ و زاری کرتے رہے، کہ آپ کی آنکھیں روتے روتے سفید ہو گئیں، جناب زین العابدین تادم زیست اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السّلام کے غم میں روتے رہے، جناب فاطمۃ الزہرا جبتک زندہ رہیں، اپنے والد بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ کرتی رہیں۔

جواب (۱) پہلے انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اقوال و اعمال کو پیش کرنا درست نہیں کیونکہ وہ شریعتیں اب منسوخ العمل ہیں، قرآن مجید اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہم کسی پہلی شریعت پر عمل کرنے کی مکلّف نہیں ہیں۔

۲۔ ان واقعات سے یہی ثابت ہوا کہ وہ روتے رہے، تھوڑا روئے یا بہت، مگر اس سے "ماتم حسینی" جس میں اور ہزار ہا خرافات و بدعات ملی ہوئی ہیں، کہاں جائز ہوا، کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اسی طرزِ عمل پر پہلی اُمتوں میں ماتم ہُوا؟ ہرگز نہیں۔

۳۔ کسی مصیبت پر صرف آنسو بہانا جائز ہے، جبکہ زبان، ہاتھ وغیرہ سے اور کوئی ناجائز کام نہ کیا جائے، دیکھئے حضرت یعقوب علیہ السّلام باوجودیکہ روئے مگر صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور دل ہی دل میں غم سے کڑھے، مگر نوحہ وغیرہ کا نام تک نہیں۔

اسی طرح حضرتِ خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا ضرور روئیں لیکن یہ رونا ان کا محض اضطراری تھا جس پر مواخذہ نہیں، اور نہ اس میں نوحہ وغیرہ تھا، لہٰذا اس سے موجودہ ماتم کا جواز نہیں نکلتا۔

حضرت زین العابدین بھی روئے، صحیح ہے، لیکن اس سے یہ ماتم اور نوحہ وغیرہ کیسے ثابت ہوا۔ آپ کا رونا اضطراری تھا، جس میں خلافِ شرع ایک بات نہ تھی، بلکہ نوحہ وغیرہ سے آپ نے منع فرمایا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، اور ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کو قرآن مجید اور حدیث منع کرے، ائمۂ اہلِ بیت اُس سے دُور رہنے کی از حد تاکید کرتے رہے، پھر اُسی کو اُن کا کرنا ہرگز نہیں ہو سکتا پس اس نوحہ گری اور ماتم کا ان پر بہتان ہے اور جھوٹ۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ جب حضرتِ بنیامین (ابنِ یامین) علیہ السّلام کو مصر میں ٹھہرا لیا گیا تو اس سے حضرت یعقوب علیہ السّلام کا غم از سرِ نو تازہ ہو گیا مگر سُنکر یہ فرمایا فَصَبۡرٌ جَمِیۡل۔ (یعنی میں بہتر صبر کرونگا) صدمہ چونکہ بہت زیادہ ہو گیا تھا کہ مصیبت پر مصیبت آگئی، لہٰذا آپ بمصداق فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ سب سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور فرمایا، یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ (یعنی آہ یوسف پر) مگر ایسا ضبط کیا کہ جی ہی جی میں اس طرح کُڑھے کہ آنکھیں تک سفید ہو گئیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ كَظِیۡم۔ اور اَسَفَ کے معنی شدّتِ حزن و حسرت ہے، نہ کہ چلّانا اور رونا۔ اور کظم کے معنی غصہ کو روکنا اور ظاہر نہ ہونے دینا (منتخب اللغات شاہجہانی ص ۵۲۳) دیکھئے نوحہ، ماتم وغیرہ کا نام تک نہیں، پھر بھلا اس سے اس مصنوعی حسینی ماتم کو کیا تعلق، بلکہ یہ مصنوعی ماتم حضرت یعقوب علیہ السّلام کے غم کے بالکل مخالف ہے کیونکہ یعقوب علیہ السّلام تو غم سے گوشہ نشین ہو گئے اور یہ ماتمی بزرگ گلی کوچوں مظاہرہ کرتے پھرتے ہیں اور غم سے دِل ہی دل میں کُڑھے، کہ آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں، مگر ماتمی حضرات سے ایک بھی آجتک نہیں ملا جس کی غم کی وجہ سے آنکھیں سفید ہو گئیں ہوں، ہاں کُڑھنے کی بجائے اکڑنا اُبھرنا شوخ چشم ہونا اور غیر محرم عورتوں کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا وغیرہ پایا جاتا ہے، جس کو غم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دلیل ۲ قرآن مجید میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جن سے رونے کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ پس ہنسا تھوڑا کرو اور رویا بہت کرو اور یہ کئے کی سزا ہے۔

(۲) وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ۔ (سورہ یوسف) وہ اپنے باپ کے پاس یعنی برادران یوسف رات کو روتے ہوئے آئے۔

(۳) إِنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ (سورہ نجم) اور تحقیق وہ ہی ہے جو ہنساتا ہے اور رولاتا ہے۔

اور اسی طرح اور بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں رونے کا حکم دیا گیا ہے، اور اسکو بزرگان دین کا فعل بتایا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ ناجائز ہوتا اور اس پر کوئی ثواب ملنے کی توقع نہ ہوتی تو اس کو جائز کرنے کے کیا معنی؟ پس ثابت ہوا کہ رونا، نوحہ کرنا جائز ہے، لہٰذا تعزیہ کے جائز ہونے میں کیا شُبہ باقی رہا۔

جواب ۔ آیت ۱ کا ترجمہ شیعی تفسیر عمدۃ البیان ص ۵۲۹ میں یوں لکھا ہے۔

" چاہیئے کہ ہنسیں وہ منافقین تھوڑا اس دنیا ناپائدار میں کہ اسباب غم کے اس میں بہت ہیں خوشی کے اسباب سے، اور چاہیئے کہ روئیں وہ بہت آخرت کے واسطے کہ وہاں کا رنج ہمیشہ کا ہے، اسباب رنج کے وہاں بے نہایت ہیں۔"

صاف بات ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں اُتری ہے اور اُن کو تہدید کی گئی ہے کہ آخرت کے واسطے رویا کریں، نہ کسی ایمان دار کا ذکر ہے نہ کسی کی موت پر رونے کا قصہ ہے، پھر تعزیہ ماتم حسینی کو اس سے کیا تعلق، ہاں یہ ماتمی حضرات اپنے کو منافق سمجھ لیں، تو بیشک رونے کی اجازت نکلتی ہے لیکن وہ بھی آخرت کے متعلق، نہ یہ کہ کسی کی موت پر نوحہ کیا جائے، یا کسی کا تعزیہ بنایا جائے۔

اسی طرح آیت ۲ میں بھی صرف اتنا ذکر ہے کہ برادران یوسفؑ نے یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال کر اپنے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے۔ اس سے صرف رونا نکلتا ہے اور وہ جائز ہے، لیکن نوحہ اور ماتم اور تعزیۂ حسینی کو اس سے کیا تعلق، صرف رونے سے یہ چیزیں جو شرعًا ناجائز ہیں، جیسا کہ پہلے قرآن وحدیث واقوال ائمہ سے لکھا

جا چکا ہے۔ کیسے جائز ہوگئیں اور نیز جبکہ پہلی شریعتیں منسوخ العمل ہیں تو پھر اس واقعہ سے نوحہ تعزیہ وغیرہ کا جواز کیسے نکل سکتا ہے؟ ورنہ پہلی شریعتوں پر بھی جہاں جی چاہے عمل کر لینا چاہیئے، بلکہ کلمہ بھی پہلے نبیوں علیہم السّلام کا پڑھ لینا چاہیئے۔ کیونکہ جب مسلمان کے لئے آپ کی شریعت اور آپ کے جملہ ارشادات واجب العمل اور ضروری نہیں تو آپکے کلمہ پڑھنے کی اُسے کیا ضرورت ہے۔

اسی طرح آیت ۳ میں صرف خداوندِ عالم کی قدرتِ کاملہ اور اس کے مالک مستقل ہونے کا بیان ہے کہ وہ ہی ہنسانے رولانے والا ہے۔ بھلا اسکو تعزیہ مرسومہ سے کیا نسبت۔ بہرصورت ان آیاتِ کریمہ اور اس قسم کی اور آیاتِ مبارکہ سے جن میں رونے کا ذکر ہے، نوحہ و ماتم و تعزیہ وغیرہ قطعًا ثابت نہیں ہوتا، لہذا تعزیہ مصنوعی ناجائز ہے اور حرام

دلیل ۳ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے رنج وبیقراری کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (یعنی حضرت یوسف اور اُن کے بھائی کی زندگی اور جلدی ملاقات)۔

دیکھئے اس آیۂ کریمہ میں رنج وغم کا اظہار جائز قرار دیا گیا ہے اور تعزیہ میں بھی حضرتِ امام حسینؓ کی مصیبت کا اظہار ہوتا ہے، لہذا جائز ہے۔

جواب۔ (۱) آیتِ کریمہ میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے تعزیہ اور ماتم کا جواز نکلے کیونکہ اس میں صرف اتنی بات ہے کہ جب برادرانِ یوسف نے حضرتِ یعقوب علیہ السلام کی جدائی یوسف علیہ السّلام کی وجہ سے حالتِ غم و رنج کا ملاحظہ کیا، اور یہ کہا کہ تو اس طرح بیمار یا ہلاک ہو جائیگا، تو آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے پیارے بیٹے کے دلی رنج وغم کا اظہار صرف اپنے اللہ سے کرتا ہوں تمہیں تو کچھ نہیں کہتا۔ دیکھئے اس میں نہ رونے کا ذکر ہے نہ نوحہ و ماتم کا، پھر موجودہ رسمی تعزیہ اس سے کیسے ثابت ہوگیا۔ بلکہ یہ تو ایک طبعی وعارضی طور پر رنج تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جانی و مالی مصیبت پر طبعی اور دلی رنج ضرور ہوتا ہے مگر چونکہ یہ بے اختیاری ہوتا ہے۔ اس پر شریعت کا

کوئی مواخذہ نہیں ہے بلکہ دنیاوی یا اُخروی معاملات میں جو طبعی اور غیر اختیاری طور پر رنج و غم پیدا ہوتا ہے۔ اس کا چونکہ انسانی طبیعت پر گہرا اثر پڑتا ہے، تو جب کبھی اور کسی وقت اللہ تعالیٰ کے بندے پر یہ غم مسلّط اور غالب ہُوا، اللہ تعالیٰ نے اُسے فوراً دُور کر دیا چنانچہ مندرجہ ذیل آیاتِ کریمہ سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

(۱) قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْحُزْنَ (سورہ فاطر)
اور جنتی کہیں گے کہ اُس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

(۲) وَلَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (سورہ توبہ)
تم مجھے تکلیف پہنچنے کے خیال سے فکر نہ کرو کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

(۳) وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (سورہ نحل)
(اے نبی تم کافروں کیلئے) تشویشناک نہ ہو اور اپنے بازو ایمانداروں کے سامنے جھکا دو۔

(۴) وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ۔ (سورۂ عنکبوت)
(اور عذاب کے فرشتوں نے لُوط سے کہا) کہ آپ خوف اور غم نہ کریں، ہم آپکو اور آپکے اہل و عیال کو بچا لینگے...

(۵) یَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (سورۂ زخرف)
(مومنوں سے قیامت کو خطاب ہوگا) اے میرے بندو آج تمہیں کچھ خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔

اسی طرح کی بکثرت آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کبھی اُسکے بندوں کو غم و رنج لاحق ہوتا ہے تو اُس کو دُور فرما دیتا ہے اور انکو ارشاد فرماتا ہے کہ تمہیں بالکل غمناک نہیں رہنا چاہیئے ہر طرح کے غم واندوہ سے تمکو آزادی ملے گی۔

(۲) جب قرآن مجید سے بلکہ احادیث اور اقوالِ ائمہ سے یہ ثابت ہُوا کہ نوحہ تعزیہ وغیرہ سب ناجائز ہے، تو پھر ان آیات سے کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ تعزیہ جائز ہے ورنہ یہ لازم آئیگا کہ قرآن مجید وغیرہ ایک ہی وقت میں ایک شئے کیلئے دو متخالف حکم بیان کر رہا ہے، یعنی یہ کہ نوحہ ماتم جائز بھی ہے اور ناجائز بھی اور ایسا حکم دینا قرآن وغیرہ کی شان کے خلاف ہے۔

(۳) وہ شریعتیں اب واجب العمل نہیں ہیں، ورنہ سجدہ بھی جائز ہونا چاہیئے،

کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو کیا تھا جب اس شریعتِ پاک میں غیر کو سجدہ ناجائز اور حرام ہے، تو رسمی تعزیہ کیسے جائز ہوا، وہ بھی اس شریعت میں حرام اور بدعت ہے۔

بہر صورت میرے بزرگو اور عزیزو! قرآن مجید کی کسی آیت کریمہ سے یہ رسمی تعزیہ اور مصنوعی نوحہ و ماتم ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو محض ہماری بہتری اور بہبودی کے لئے نازل کی گئی ہے، اس کو ذریعہ ہدایت خیال کرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دلیل ۴۔ حضور علیہ السلام کے وصال پر صحابۂ کرامؓ روئے اور سخت ماتم کیا۔

وبصحت رسیدہ کہ چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرمود، فاطمۃ الزہرا ندبہ کرد وزاری نمود یا ابتاہ دعوتِ حق را اجابت فرمودی وا ابتاہ بجنّتِ فردوس نزول نمودی وا ابتاہ خبر مرگ ترا جبریل کہ رساند وا ابتاہ بعد از تو وحی برکہ فرود آید۔ الخ (مدارج شریف ص۵۱۲ ج۲)

اور صحیح روایات سے ثابت ہوا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ زہرا نے اُن پر ندبہ (میت کے بہترین اوصاف شمار کرنا) کیا اور کہا اے میرے ابا آپ نے دعوتِ حق کو قبول فرمایا ہے، اے میرے ابا آپ جنتِ فردوس میں تشریف فرما ہوئے ہیں، اے میرے ابا آپ کی موت کی اطلاع جبریل کو کس نے دی، اے میرے ابا آپ کے بعد وحی کس پر آئے گی الخ۔

جواب (۱) حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال حسرت آیات پر رونا بصورت ندبہ تھا نہ کہ نوحہ و ماتم ناجائز جیسا کہ اسی روایت میں لفظ ندبہ خود موجود ہے۔

(۲) آپ کے وصال پر صحابۂ کرام کا رونا محض ایک غیر اختیاری اور وقتی امر تھا۔

صحابۂ کرام کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر از خود رفتہ ہونا

مدارج شریف ص۵۱۲ ج۲ پر ہے۔

آوردہ اند کہ صحابہ بعد از موت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراسیمہ وحیران گشتند گویا

روایت ہے کہ صحابۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حیران و پریشان ہو گئے تھے، گویا

عقل ایشاں مسلوب گشتہ وحواس عاطل شدہ
بعض را زبان بستہ شدہ وہوش ونطق نماند
عثمان بن عفان نیز ازیں قبیل بود۔
وبعض مریض ولاغر شدہ کاہیدہ
از عالم رفتند وبعض دعا کردند کہ خداوندا مارا
کور سازد کہ طاقت نظر بر روئے دیگراں
نداریم وچنداں فریاد می کردند کہ حاجیاں
در تلبیۂ احرام فریاد کنند وعمر را اختلال عقل
بحدے راہ یافت کہ فریاد می کرد وسوگند می خورد
کہ رسول خدا نہ مُردہ است ولیکن اُورا صعقہ
شدہ است ہمچوں صعقہ موسیٰ علیہ السلام۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکے حواس بیکار ہوگئے ہیں
بعض کی تو اس صدمہ سے زبان بند ہوگئی اور وہ بالکل
بولنے سے رہ گئے حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ
عنہ) بھی ایسے لوگوں سے ہی تھے ۔۔۔ اور بعض اتنے
لاغر اور ضعیف ہوگئے کہ اس دنیا سے دار بقا
میں چل بسے اور بعض نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ
اللہ تعالیٰ ہمکو اندھا کر دے تاکہ ہم اُس آنکھ سے
جس سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں
آرا کو مشاہدہ کرتے تھے اور کسی کو نہ دیکھیں اور
حاجیوں کی طرح اپنی مراد (جمال حقیقی) کو پانے
کے لئے اُونچی اُونچی فریاد کرتے تھے اور حضرت عمر
تو اس صدمہ سے اتنے پریشان تھے کہ قسم کھاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ
ان پر حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرح ایک سکتہ سا عارض ہوگیا اور بس "۔

شیعوں کی معتبر کتاب "روضۃ الصفا" ص۲۲۴ ج ۲ پر ہے کہ۔

حین وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ
وسلم آں صحابہ کہ در مسجد بودند چوں ندبہ ونوحہ
شنیدند کہ بروفت ختمی مآب از ایشاں صادر
می شد سراسیمہ ومتحیر گشتند چنانچہ زبان بعض از
تکلم باز ایستاد در برخے از امراض مالیخولیا وغیرہ
گرفتار شدند وبر طائفہ مرض استیلا یافت
آں گاہ طائفہ از منافقان مدینہ بزبان آوردند
کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر بودے بائستے
کہ فوت نہ شدے، عمر کہ ایں سخن بشنید شمشیر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال پر ندبہ
ہوتے ہوئے جب اُن صحابہ نے سُنا جو کہ مسجد نبوی میں
بیٹھے ہوئے تھے تو وہ سخت حیران و پریشان ہوگئے،
چنانچہ بعضوں کی زبان بند ہوگئی اور بعض مرض مالیخولیا
میں دکھائی دیئے جانے لگے، اُس وقت مدینہ منورہ
کے منافقوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ اگر محمد صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم نبی و رسول ہوتے تو کبھی فوت نہ
ہوتے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) آئے اور جب
یہ بات سُنی تو ننگی تلوار ....

از نیام کشید و بر در ایستادہ گفت کہ ہر کس بگوید کہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت شد ند میان اُو را دو نیم کنم

لے کر دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں اُسی تلوار سے اُس کے ٹکڑے کر دوں گا۔

اور اخبار ماتم مجلس ص۱۴۴ ج ۲ پر بھی اسی طرح ہے۔

پس جب ان روایاتِ مسلمہ فریقین شیعہ و سُنّی سے ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے وصال پر صحابۂ کرام سخت پریشان تھے، اور آپ کے صدمۂ وفات سے حواس باختہ ہو گئے تھے، تو ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں جو کچھ ان سے صادر ہُوا ہو گا۔ وہ بلاشک ایک اضطراری و غیر اختیاری امر ہو گا۔ جس پر شرعی طور پر کوئی مواخذہ نہیں، بخلاف تعزیہ کے کہ وہ اختیاری ہے۔ کیونکہ مدتِ مدید کے بعد اظہارِ غم اور پھر بڑے اہتمام سے اختیاری ہوتا ہے نہ اضطراری۔

(۳) صحابۂ کرام کا رونا اور آنسو بہانا حدِ جواز تک تھا کہ اس میں سینہ کوبی، بال نوچنا، کپڑے پھاڑنا اور زنجیروں وغیرہ سے اپنے آپ کو زخمی کرنا وغیرہ ہرگز نہ تھا، جیسا کہ آج تعزیہ میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، لہٰذا اس مرسومہ مروجہ تعزیہ کو اس پر اعتبار کرتے ہوئے ہرگز جائز نہیں کہا جا سکتا۔

(۴) صحابۂ کرام کا سراسیمہ ہونا ایک تازہ مصیبت کا اثر تھا، بعد میں صحابۂ کرام کی تا زندگی باوجود اس صدمہ کے یاد ہونے کے کبھی یہ حالت نہیں ہوئی، اور نہ انھوں نے اسکی یاد میں کوئی مجلس ماتم قائم کی۔

ثابت ہوا کہ آج یہ تعزیہ اور ماتمی مجلسیں صدیوں کے بعد ناجائز اور حرام ہیں۔

(۵) صحابۂ کرام کا وہ قول و فعل جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول و فعل کے سراسر خلاف منقول ہو گا، وہ مؤوّل ہو گا یا متروک العمل، کیونکہ اللہ و رسول کی نافرمانی اور غیر کی فرمانبرداری کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

دلیل ۵ غزوۂ اُحد میں جب حمزہؓ شہید ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں واپس آئے تو آپ نے سُنا کہ لوگ اپنے اپنے مقتولین پر آہ و بکا کر رہے ہیں، تو فرمایا کہ افسوس میرے چچا حمزہ پر کوئی نہیں روتا۔ یہ خبر مدینہ والوں کو ہو گئی، جس پر انھوں

نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ حضرت حمزہ پر جاکر روئیں، پس انہوں نے آکر خوب نوحہ و ماتم کیا، جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنہیں دعائیں دیں، اور راضی ہوئے اور فرمایا، خدا تم سے اور تمہاری اولاد اور اولاد در اولاد سے راضی ہو (مدارج ص ۱۲۶ ج ۲) بلکہ آپ نے حضرت حمزہ پر خود نوحہ و ماتم کیا۔

مدارج ص ۵۷۶ ج ۲ پر ہے کہ حمزہ کے جنازہ پڑھانے پر آپ نے نوحہ کیا اور بلند آواز سے روئے، یہاں تک کہ بیہوش ہو گئے۔ پس ثابت ہوا کہ نوحہ و ماتم جائز اور سنتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسی طرح تاریخ کامل ص ۴۲ ج ۲ اور تاریخ خمیس ص ۴۹۹ ج ۱ پر ہے۔

جواب۔ (۱) قرآن مجید اور حدیث شریف اور ائمہ اہلِ بیت سے جب تعزیہ وغیرہ کی روشن دلائل سے حرمت ثابت ہو گئی، تو اُس کے خلاف کسی اور واقعہ سے یہ تعزیہ ہرگز نہیں ثابت ہو سکتا، قطعی چیز کے مقابلہ میں ظنی چیز کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا اُسکی تاویل کریں گے، یا وہ متروک العمل قرار دی جائے گی، جیسا کہ پہلے گذرا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی میت پر رونا بصورت اضطرار و ندبہ تھا اور اسی کو جائز قرار دیا۔

(۲) اس واقعہ سے صرف یہ نکلتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر آپ روئے اور رونے والوں کو دعائیں دیں، اور صرف رونا جائز ہے، جبکہ اُس کے ساتھ ہاتھ اور زبان سے کوئی ناجائز حرکت صادر نہ ہو، اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر کون روکتا ہے، کہ نہ رویا جائے اور افسوس نہ کیا جائے، آپ کے صدمات کو ملاحظہ کرتے ہوئے رونا افسوس کرنا، غمگین ہونا جائز ہے، منع صرف یہ ہے کہ رونے کے ساتھ نوحہ اور ماتم وغیرہ اور ممنوعات کا ارتکاب کیا جائے، جیسا کہ آج تعزیہ مرسومہ میں ہزاروں بدعات اختیار کی جاتی ہیں اور جان بوجھ کر شریعت کا خلاف کیا جاتا ہے اور آپ نے جو رونے والوں کو دعائیں دی ہیں، وہ محض ہمدردی کے اظہار پر دی ہیں، نہ کہ وہاں پر نوحہ و ماتم ہوا تھا اور آپ نے اُس کو پسند فرمایا، اور دعائیں دیں، اور حوالجات مذکورہ میں بھی نوحہ و ماتم وغیرہ کا نام و نشان نہیں۔ تاریخ خمیس ص ۴۹۹ ج ۱ پر ہے۔

مَرَّ رسول اللهِ صلی الله علیه وسلم بدار من دور الانصار من بنی عبد الاشهل وبنی ظفر فسمع البکاء والنوائح علیٰ قتلهم فذرفت عینا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ ثم قال لکن حمزة لا بواکی له فلما رجع سعد و اُسید بن حضیر اتی دار بنی الاشهل امرا نسائهم ان یتحزمن ثم یذهبن فیبکین علیٰ عم رسول الله صلی الله علیه وسلم فلما سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم بکائهن علیٰ حمزة خرج علیهن وهن علیٰ باب مسجده یبکین علیه فقال ارجعن رحمکن الله فقد واسین بانفسکُنَّ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد الاشہل وبنی ظفر انصاری کے ایک گھر سے گذر فرمایا کہ وہاں اپنے اپنے مقتولوں پر رونا اور نوحہ کیا جارہا تھا جس پر آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے پھر آپنے فرمایا لکن حمزة لا بواکی لہ یعنے حمزہ پر رونیوالی کوئی نہیں پس جب حضرت سعد واسید بن حضیر بنی عبد الاشہل کے گھر کی طرف آئے تو اپنی عورتوں کو حکم دیدو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ پر اظہار ہمدردی کیلئے خوب روئیں جب وہ آکر رونے لگیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سُنا تو آپ حجرۂ مقدسہ سے باہر تشریف لائے، دیکھا تو عورتیں مسجد کے دروازہ پر رو رہی تھیں آپنے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنی ہمدردی کا حق ادا کیا اللہ کریم تم پر رحم کرے، اب واپس چلی جاؤ۔

مدارج شریف صفحہ ۱۶۶ جلد ۲ پر ہے۔

دریںجا حکایتے غریب است کہ نقل کردہ اند کہ چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمدینہ نزول فرمود از اکثر خانہائے از انصار آواز گریہ زناں شنید مگر از خانہ حمزہ فرمود لکن حمزة لا بواکی لہ یعنے

یہاں پر ایک عجیب و غریب حکایت ہے اور وہ یہ ہے کہ منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (غزوہ اُحد سے) واپس مدینہ تشریف لائے۔ تو انصاریوں کے بہت سے گھروں سے اپنے مقتولوں پر رونے کی آواز سُنی مگر حمزہ کے گھر

حمزہ زنانے کہ بروے گریہ کنند ندار د انصا خموشی تھی جس پر آپ نے فرمایا "لکن حمزة لا بواکی لہ" یعنے حمزہ کے گھر ایسی عورتیں نہیں ہیں کہ جو اُس پر بھی روئیں جب انصار

چوں ایں سخن شنیدند زنانِ خویش را گفتند کہ نخست بخانۂ حمزہ روند بروے بگریند آں گاہ بخانۂ خویش آیند و بر کشتگانِ خویش گریہ کنند زنانِ انصار بایں میانِ شام و خفتن بخانۂ حمزہ آمدند و تانیم شب بروی می گریستند آنحضرت بخواب رفتہ بود چون بیدار شد آواز گریہ زنان از خانۂ حمزہ شنید پرسید کہ ایں چہ آواز ست گفتند کہ زنانِ انصار بر عمِ تو می گریند پس دعا کرد آنحضرت فرمود رضی اللہ عنکن و عن اولادکن و عن اولاد اولادکن ہمچنیں است در معارج النبوۃ ۔

مدینہ کو یہ بات آپ کی معلوم ہوئی تو سب نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ پہلے جا کر حضرت حمزہ پر روئیں پھر اپنے اپنے مقتولوں پر، عورتیں مغرب و عشاء کے درمیان حضرت حمزہ کے گھر حاضر ہوئیں اور آدھی رات تک روتی رہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خواب استراحت میں تھے جب بیدار ہوئے اور رونے کی آواز سُنی تو فرمایا یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ آپکے چچا حمزہ پر عورتیں رو رہی ہیں پس آپ نے انکو دعا دی اور فرمایا اللہ تم سے اور تمہاری اولاد اور اولاد در اولاد سے راضی ہو۔ اسی طرح معارج النبوت میں بھی ہے۔"

تاریخِ کامل صفحہ ۷۲، جلد ۲ پر ہے ۔

وَمَرَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدارٍ من دور الانصار فسمع البکاء و النوائح فذرفت عیناہ بالبکاء و قال لکن حمزۃ لا بواکی لہٗ فجمع سعد بن معاذ الی دار بنی الاشھل فامر نساءھم ان یذھبن فیبکین علی حمزۃ ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انصاریوں کے ایک گھر سے گزرے کہ وہاں پر رونے اور نوحہ کی آواز آئی۔ آپ بھی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ حمزہ پر کوئی رونے والی نہیں، پس سعد بن معاذ بنی عبد الاشہل کے گھر کی طرف آئے اور اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ آپ کے چچا حمزہ پر جا کر روئیں۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ انصار کی عورتیں محض اظہار ہمدردی کیلئے درِ دولت پر حاضر ہوئیں اور روئیں جو کہ شرعی طور پر جائز ہے، مگر نوحہ سینہ کوبی اور ماتم وغیرہ جیسا کہ آج تعزیہ وغیرہ میں مروج ہے۔ ہرگز ہرگز انہوں نے نہیں کیا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لکن حمزۃ لا بواکی لہٗ سے آپ کی مراد یہ نہ تھی کہ انصار کی عورتیں آئیں اور حمزہ پر روئیں بلکہ حضرتِ حمزہ کی حالتِ زار

پر اظہارِ افسوس تھا ——— چنانچہ مدارج النبوت صفحہ ۱۶۶ جلد ۲ پر ہے۔

گفت بندۂ مسکین ثبتہ اللہ تعالیٰ علیٰ طریق الحق والیقین کہ ظاہر آنست کہ گفتنِ آنحضرت ایں کلمہ را لکن حمزۃ لابواکی لہٗ مقصود ازاں تأسف وتألم وغربت و مصیبت بر حمزہ بود کہ کشتہ شد بجالتے کہ معلوم است وغربتِ دیگر کہ کسے ہم ندارد کہ بروے گریہ کند وگریستن بے نوحہ ممنوع ہم نیست و انصار بجہتِ مبادرت با ستر ضاء ومبالغہ ایشاں دریں باب ایں فہمیدند کہ مقصود آنحضرت آنست کہ زناں بیایند وبگریند و آنحضرت نیز چوں از جانبِ ایشاں معنیٔ استرضاء وامتثال مشاہدہ کرد دعا کرد۔

کہتا ہے بندۂ مسکین (عبدالحق) اللہ تعالیٰ اُس کو حق ویقین پر ثابت قدم رکھے کہ ظاہر یہ بات ہے کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد لکن حمزۃ لابواکی لہٗ سے مقصود صرف حضرت حمزہ کے قتل پر اظہارِ غم و مصیبت ہے کہ وہ سخت بیرحمی سے قتل کئے گئے اور نیز یہ کہ رونیوالی تک نہیں اور وہ رونا جس میں نوحہ و ماتم نہ ہو ایک جائز امر بھی ہے اور انصار نے جن کی فطرت ہو چکی ہو کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضامندی کے حصول میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ آپکے اس ارشاد سے یہ سمجھ لیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی خواہش یہ ہے کہ انصار کی عورتیں آئیں اور حمزہ پر روئیں اور حضورؐ نے بھی چونکہ اُنکی خواہش طلب رضاء اور فرمانبرداری کو مشاہدہ فرمالیا تھا۔ لہذا اُن کو دعائے خیر سے مالا مال فرمایا۔"

(۳) اور اگر فرض کر لیا جائے کہ انصار کی عورتیں حضرت حمزہ کے گھر آکر نہ صرف روئیں بلکہ نوحہ و ماتم بھی کیا تو معروض ہے کہ یہ نوحہ و ماتم منسوخ اور ممنوع قرار دیا گیا۔ تاریخ خمیس ص ۴۹۷ پر ہے۔

وفی روایۃ لما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن حمزۃ لابواکی لہٗ الیوم سمعہٗ قوم من انصار فاتوا نساءھم فاقسموا علیھن باللہ لایبکین انصاریًا اللیلۃ حتی یاتین نبی اللہ فیبکین عندہٗ ففعلن فسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصیاح النساء فی دار حمزۃ

جس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لکن حمزۃ لابواکی لہٗ الیوم تو انصار نے اپنی عورتوں کو قسمیں دیں کہ کوئی عورت اپنے گھر نہ روئے جبتک وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت پر آکر نہ روئے۔ پس عورتوں نے آکر رونا شروع کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سُنا کہ حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے . . . . . .

فسأل ماھذا فاخبر بالذی فعلت الانصار بنسآئھم فقال لھم معروفاو نھی یومئذ عن النوح فبکرت الیہ نسآ الانصار وقلن بلغنا یارسول اللہ انک نھیت عن النوح وانما ھو شی نندب بہ موتانا ونجد بعض الراحۃ فاذن لنا فیہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فعلتن فلا تلطمن ولا تخمشن ولا تحلقن شعرا ولا تسلقن ولا تشققن جیبا کذا فی المنتقی۔

تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ انصار نے اپنی عورتوں کو حکم دیا ہے کہ آپ سے وہ اظہار ہمدردی کریں، پس آپ نے اُن کو دعائے خیر دی اور اُس دن کے بعد نوحہ کرنا منع کر دیا۔ جب عورتوں کو پتہ چلا کہ آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمادیا ہے تو حاضر دربار ہو کر عرض کی کہ سنا ہے آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمادیا ہے اور حقیقت میں یہ ایک چیز تھی جس سے ہم اپنے مُردوں پہ ندبہ کرتیں اور ہمکو قدرے راحت وغم میں تخفیف ہوتی آپ اس میں اجازت فرمائیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کو یہ ضرور کرنا ہی ہے (یعنی مُردوں پر رونا ہی ہے) تو رونے کے ساتھ مُنہ کو پیٹنا، خراشنا، بالوں کا منڈانا، کپڑوں کا پھاڑنا، گریبانوں کا چاک کرنا اختیار نہ کرنا ——— اسی طرح منتقی میں ہے۔

قال ابن ھشام ونھی یومئذ عن النوح اُسدن سے آپ نے نوحہ کرنے سے روک دیا۔

مدارج النبوت صفحہ ۱۲۶ جلد ۲ پر ہے۔

دتواند کہ نوحہ گری راہ یافتہ باشد پس منع کرد ازاں ومبالغہ نمود دراں وتواند کہ دراں نوحہ ہم مباح باشد پس نسخ کردند ایں حکم را۔ انتہی

اور ہوسکتا ہے کہ عورتوں سے آپ کو نوحہ گری کا خیال پیدا ہوا ہو پس آپ نے منع فرمادیا اور اس ممانعت پر سخت تاکید فرمائی اور ہوسکتا ہے کہ عورتوں نے نوحہ کیا ہو پس آپ نے ہمیشہ کے لئے نوحہ وماتم کو منسوخ وممنوع قرار دے دیا۔

خلاصہ ان حوالجات کا یہ ہوا کہ حضرت حمزہ پر آپ روئے لیکن یہ رونا حدِ جواز تک تھا اسی طرح جب آپ نے دیکھا کہ لوگ اپنے مقتولین کا اظہار غم کر رہے ہیں تو آپ اپنے چچا حمزہ کی بے وطنی وبیکسی اور اُنکی ممتاز شہادت کو ملحوظ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

" آہ میرے چچا پر آج یہ عالم ہے کہ کوئی رونے والا نہیں اور اظہار ہمدردی کرنیوالا بھی نہیں ہے۔

یہ خبر مدینہ میں جب پہنچی تو انصار نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اظہار ہمدردی کریں اور حضرت حمزہ پر آ کر روئیں، چنانچہ وہ حاضر ہوئیں، اظہارِ ہمدردی سے رونا شروع کیا۔ مگر جب دیکھا کہ وہ نوحہ و ماتم کرنے کو تیار ہوتی ہیں تو فوراً روک دیا اور فرمایا کہ نوحہ و ماتم کرنا شریعت میں منع اور حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور تمہاری اس ہمدردی کا شکریہ، اللہ تعالےٰ تم سے اور تمہاری اولاد اور اولاد در اولاد سے راضی ہو۔

(۴) اگر اس واقعہ سے نوحہ وغیرہ کا جائز ہونا ثابت ہو جائے تو لازم آئیگا کہ شریعت نے ایک چیز کیلئے ایک وقت دو الگ الگ حکم دیئے ہیں، یعنی نوحہ وغیرہ جائز بھی ہے اور ناجائز بھی، جس کو عقلِ سلیم اور فطرتِ صحیحہ کبھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی اور نہ شریعت ایسا حکم دے سکتی ہے۔ فافہم۔

(۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حمزہ پر رونا ایک اضطراری اور غیر اختیاری فعل تھا، جس پر شریعتِ پاک میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ —— مدارج النبوۃ ص۱۲۵ ج۲ پر ہے،

چون دید آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حمزہ را کشتہ شد و مثلہ کردہ شد زد و گفت مصیبت زدہ نمی شوم من ہرگز بمثل تو۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حمزہ کو شہید ہوا دیکھا اور ساتھ ہی یہ کہ آپ کو مثلہ کیا گیا (بعض اعضا کو کاٹ لیا گیا) تو آپ نے چیخ ماری اور فرمایا کہ آپ کی برابر مجھ کو تکلیف اور صدمہ نہ پہنچایا جائے گا۔

و منقول ست کہ از ابن مسعود کہ گفت ندیدیم ما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گریہ کنندہ تر ہرگز سخت تر از گریہ وے بر حمزہ بن عبد المطلب ایستادہ بر جنازہ وے دگر بیہ کرد و برداشت آواز تا بیہوش شد و فرمود یا حمزہ یا عم رسول اللہ یا اسد اللہ یا اسد رسولہ یا فاعل الخیرات یا حمزہ یا کاشف الکربات یا حمزہ یا ذاب من وجہ رسول اللہ و از یں جا معلوم شد کہ در

ابنِ مسعود سے روایت ہے کہ ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا جتنا کہ آپ حضرت حمزہ ابن عبد المطلب پر روئے آپ نے حمزہ کا جنازہ پڑھنا شروع کیا کہ آنسو بہنے لگے اور چیخ ماری کہ بتقاضائے بشریت بیہوش ہو گئے اور فرمانا شروع کیا اے حمزہ اور رسولِ خدا کے چچا، اے خدا اور رسول کے شیر، اے نیکیوں کے کرنے والے، اے مصیبتوں کے دُور کرنیوالے، اے حمزہ اے

ندبہ اور بے طاقتی کی حالت میں فریاد وآہ و بکا بھی صادر ہوجاتی ہے، ظاہر ہے کہ بے ہوشی کی صورت میں جو بکا صادر ہوجاتی ہے وہ بلا اختیار ہوتی ہے۔"

(۶) اور اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ رونا اختیار سے تھا، تو پھر یہ تسلیم نہیں کہ وہ رونا بصورتِ نوحہ و ماتم تھا بلکہ محض ندبہ تھا، کیونکہ آپ سے رونے کی حالت میں جو الفاظ صادر ہوئے ہیں اُن میں حضرتِ حمزہ کے محاسن اور اوصافِ جلیلہ کا ذکر ہے کہ آپ فاعل الخیرات و کاشف الکربات وغیرہ تھے، نہ کہ آپکی خلاف واقع تعریف کی گئی ہے اور ندبہ اور بے طاقتی میں فریاد وآہ وزاری کو صادر ہوجاتی ہے۔ لیکن یہ شریعت میں مذموم اور بُری نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی عذاب وعید مقرر ہے، بخلاف اس رسمی تعزیہ وغیرہ کے کہ اس میں ہزاروں ناجائز چیزیں ملی ہوتی ہیں، یہ ندبہ ہرگز نہیں، کیونکہ ندبہ میں میت کی خوبیوں کا تذکرہ ہوتا ہے، اور کوئی ناجائز امر اس کے ساتھ نہیں کیا جاتا، اور یہاں تعزیہ میں رونا پیٹنا، کپڑوں کا پھاڑنا، ننگے پاؤں ننگے سر ہونا وغیرہ وغیرہ لاکھوں بدعات شامل ہیں، لہذا یہ نوحہ اور ماتم وہ ہے جو کہ شریعت میں ناجائز ہے اور حرام ہے۔

دلیل ۲۶ ابو شحمہ حضرت فاروقِ اعظم عمرؓ کے بیٹے نے انتقال کیا، تو حضرت فاروق نے اُن پر نوحہ کیا اور مدینہ والوں نے تو اتنا نوحہ و ماتم کیا کہ ریکارڈ فیل کردیا۔ پس ثابت ہوا کہ ماتم و نوحہ کرنا جائز ہے اور باعثِ ثواب (ازالۃ الخفاء)

جواب (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ قرآن مجید اور صحیح حدیث کے خلاف کسی صحابی سے منقولہ روایت کا اعتبار نہیں ہوسکتا، لہذا یہ روایت خلافِ قرآن و حدیث ہونے کی وجہ سے غیر صحیح ہے اور بشرطِ صحت حضرت فاروق وغیرہ کے صرف رونا ثابت ہے نہ کہ نوحہ و ماتم (ازالۃ الخفاء اُردو جلد ص۲۲ و ص۳۳ ملخصاً) پر ہے کہ آپ (عمر) نے اس کا سَر اپنی گود میں اُٹھا کر رکھا، اور رو کر فرمانے لگے، باپ تجھ پر قربان ہو، تجھے حق نے قتل کیا، تو آخری حد پر مرا اور تیرے عزیز و اقارب اور تیرا باپ تجھ پر رحم نہ کرسکے، جب لوگوں نے پاس آکر دیکھا تو اُس کی رُوح پرواز کرچکی تھی، یہ ایک سخت دن تھا، لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر

چالیس دن کے بعد حذیفہ بن یمان جمعہ کے دن صبح کو ہمارے پاس آئے اور بیان کیا کہ میں نے آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ ابو شحمہ کو خواب میں دیکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کو میرا اسلام کہہ دینا اور کہنا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم کیا ہے کہ قرآن پڑھو، اور حدود قائم کرتے رہو اور ابو شحمہ نے کہا اے حذیفہ میرے والد کو میرا بھی سلام کہہ دینا، اور کہنا کہ اللہ آپ کو پاک کرے، جس طرح آپ نے مجھے پاک کیا۔

اس سے روز روشن سے زیادہ ثابت ہوا کہ حضرتِ فاروق وغیرہ صرف روتے تھے نہ کہ انہوں نے نوحہ و ماتم کیا تھا، اور بلند آواز سے رونا یا دہاڑ مارنا، نوحہ یا ماتم وغیرہ ہرگز نہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت فاروق اور ابو شحمہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہیں اور وہ جنتی ہیں، مومن ہیں، اور ان کا عمل عین شریعت کے موافق ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاروق کو سلام بھیجا وغیرہ وغیرہ۔

دلیل ۷:- احادیث و واقعات سے گویا ثابت ہوتا ہے کہ نوحہ و ماتم وغیرہ منع ہے لیکن بعد میں اجازت دی گئی، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کا عملی طور پر ماتم اور نوحہ کرنا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ اب نوحہ وغیرہ سب جائز ہے، اور تعزیہ بھی صحیح، پس وہ تمام حدیثیں اور واقعات جن سے ماتم و نوحہ و تعزیہ وغیرہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، سب کی سب منسوخ اور چھوڑ دینے کے قابل ہیں۔

جواب (۱) - وہ حدیثیں و واقعات جن سے بظاہر نوحہ و ماتم مفہوم ہوتا ہے، اُن سے نوحہ وغیرہ کی اجازت خیال کرنا غلطی ہے، کیونکہ جب ایک شئے کے متعلق مختلف حدیثیں آجائیں کہ بعض سے اس کا جائز ہونا ثابت ہو اور بعض سے ناجائز، تو اصولی طور پر اُن حدیثوں پر عمل ہوگا جو کہ قرآن مجید کے حکم کے موافق ہوں گی اور دوسری متروک العمل متصور ہوں گی، اور قرآن مجید سے شیعہ حضرات کی تشریح کے لحاظ سے بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نوحہ و ماتم و تعزیہ وغیرہ سب ناجائز ہیں لہذا ثابت ہوا کہ وہ حدیثیں جو حرمتِ تعزیہ وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں وہی صحیح او قابلِ عمل ہیں۔

(۲) یہ کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نوحہ و ماتم منسوخ و ممنوع قرار دیا جا چکا ہے یعنی پہلے

نوحہ کیاجاتا تھا، بعد میں آپ نے اس کو ہمیشہ کے لئے منع کردیا۔ پس حدیثوں میں تعزیہ کی حرمت وجواز کا تقابل وتخالف باقی نہ رہا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث سے نوحہ وماتم زیر بحث ثابت ہی نہیں اور جو ہے وہ ندبہ بحالت اضطرار و بے اختیاری ہے جو نہ حجت ہے اور نہ قابلِ گرفت۔

دلیل ۸ جب کسی کے ساتھ خاص محبت ہوتی ہے تو اُس کی جُدائی پر خواہ مخواہ رونا آتا ہے، اُس کی تکلیف کا سخت سے سخت صدمہ ہوتا ہے، جیسے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوۂ اُحد میں دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ کو سخت صدمہ ہوا، تو حضرت خواجہ اُویس قرنی نے یہ واقعہ سُن کر اپنے دانتوں کو شہید کر ڈالا۔

غنیۃ الطالبین میں حضرت پیر دستگیر فرماتے ہیں کہ روزِ شہادت سے تاقیامت ستّر ہزار فرشتے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں روتے رہیں گے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے سِر الشہادتین میں لکھا ہے کہ آپ کی شہادت پر جنوں اور پریوں نے ماتم کیا، مرثیے پڑھے، جمادات ونباتات نے آنسو بہائے، روزِ شہادت پتھروں کے نیچے سے لہو نکلا، کئی ہفتوں تک سورج کو گہن لگا، آسمان نے خون کے آنسو بہائے، پہلے انبیاء علیہم السلام نے اس پر گریہ وزاری کی، بلکہ خود سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر آنسوئے غم بہائے حضرت علی اور خاتونِ جنت نے بڑی بے چینی سے خونِ جگر چھڑکا، غرضیکہ کونسی چیز ہے جس نے روزِ شہادت نوحہ اور ماتم نہیں کیا؟ پس جملہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ حضرت امام حسین پر نوحہ ماتم کرتے رہا کریں۔

جواب (۱) حضرت امام حسین کے ساتھ کونسا دل ہے جو محبت نہیں رکھتا، آپکی مصیبت پر خون کے آنسو نہیں بہاتا، مگر بات یہ ہے کہ جس چیز کی ہمیں محبت ہو اُس کے فراق میں ہم وہی ظاہر کرسکتے ہیں جو کہ مرتبۂ جواز میں ہو، اور شریعت اُس کی اجازت بخشتی ہو اور ظاہر ہے کہ جمادات ونباتات کا رونا نوحہ کرنا مسلمانوں کے لئے شرعی طور پر کوئی دلیل وحجت نہیں، کیونکہ مسلمانوں کو تو یہ کا حکم ہوا ہے کہ اطیعوا اللّٰه واطیعوا الرسول "اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو" نہ کہ آسمان وزمین اور جمادات ونباتات کی، اسی طرح پرلوں، جنوں کا نوحہ کرنا مرثیہ خوانی کرنا کوئی دلیل نہیں ہے، مسلمان صرف شریعت کا پابند ہے۔

نہ کہ جن اور بھوت پری وغیرہ کا، اسی طرح فرشتوں کا رونا و دیگر بزرگان دین کا رونا یا غم کرنا وہ جائز ہے، منع صرف نوحہ و ماتم وغیرہ ناجائز چیزیں ہیں جن کا دلیل میں نام تک نہیں، پھر وہ کیسے جائز ہو ہیں۔

(۲) یہ بزرگان دین جب نوحہ وغیرہ کی سخت ممانعت کر رہے ہیں تو پھر یہ اس کو جائز کیسے کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

(۳) بزرگان دین اور ائمہ کرام کی ہم پر تعظیم واجب ہے اور ان کی پیروی موجب اجر و ثواب، لیکن اُسی حد تک کہ اُن کی پیروی کرنے میں شریعت کی مخالفت نہ ہو کیونکہ از روئے قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ جس بات کے کرنے میں خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہو۔ اُس میں کسی بزرگ کی پیروی نہیں کی جائیگی، بلکہ بصورت تخالف ۔۔ کی پیروی کرنا حرام ہوگی اور ناجائز، حدیث شریف میں ہے۔

لاطاعة للمخلوق فی معصیة اللّٰه "خدا کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت حرام ہے"

اور تعزیہ وغیرہ میں شریعت کی سخت مخالفت ہے، لہذا ناجائز ہے۔

(۴) کسی بزرگ کا قول یا فعل اُسی وقت باعث اقتدا ہوتا ہے، جب اختیار سے سرزد ہو، اور اگر وہ طبعی طور پر اور اختیار کے بغیر سرزد ہو، تو اُس کی اقتداء و پیروی کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

دلیل ۹ ۔ اس ماتم اور تعزیہ میں دردمندوں کے رُو برو ظلم کی فریاد ہے، جور و جفا کے خلاف مظاہرہ ہے، حضرات شہداء کرام سے ساتھ ہمدردی ہے اور اُن ظالموں کی حالت پر تعجب کرنا ہے جنہوں نے مسلمان ہونے کے باوجود ایسی مقدس ہستی کی ناقدری کی، اُنکو تختۂ مشق ظلم و ستم بنایا، جگر گوشۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کیا، اور یہ سب کے سب سُنّی حضرات ہی تھے۔

جواب (۱) ظالم کے جور و جفا اور اُس کے ستم ناروا کی اُسی حد تک فریاد ہو سکتی ہے جہاں تک شریعت نے اجازت بخشی ہو، وہ ہمدردی اور مظاہرۂ ستم جو حدِ شریعت مطہرہ سے باہر ہو قطعاً ناجائز ہے لہذا تعزیہ مرسومہ گو کیسی ہی فریاد و ہمدردی پر مشتمل ہو شرعی طور پر ناجائز ہے، لہذا اس طور کی ہمدردی ناجائز ہے۔

تعجب وغیرہ کا اظہار خلافِ شرع ناجائز ہے

(۲) تعجب کی بناء پر ماتم ونوحہ کرنا اور تعزیہ نکالنا ہزاروں بدعات وخرافات کو اختیار کرنا اور ایک گھنٹہ نہیں دو گھنٹے نہیں بلکہ پورا عشرہ، بلکہ پورا سال ہی کرتے رہنا عجیب تعجب ہے، بچہ بھی جانتا ہے کہ تعجب ایک فوری امر ہوتا ہے، کسی نایاب اور نادر الوقوع شئے کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے اور فوراً ہی ختم ہو جاتا ہے، نہ یہ کہ عرصۂ بعید تک قائم رہتا ہے ؟

(۳) تعجب کی وجہ سے گو وہ کیسا ہی ہو انسان قطعاً اس کا مجاز نہیں کہ وہ خلافِ شرع مظاہرہ کرتا پھرے اور بزرگانِ دین کی ارواحِ مبارکہ کو تنگ اور پریشان کرے۔

(۴) کربلا میں خاندانِ نبویہ پر ظلم کرنے والوں اور شہید کرنے والوں کو سُنّی بتانا بالکل خلافِ واقع اور غلط ہے اور مسلمہ واقعات کے برعکس، حقیقت یہ ہے کہ سُنّی حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کرنے والے ہیں، ان کی شریعت کے شیدائی ہیں، ان پر جان ومال قربان کرنے والے ہیں، ان کے نام پر زندہ ہیں، ان سے یہ فعل قبیح اور عمل کریہہ بھول کر بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایسے فعلِ بد کے خیال سے بھی میلوں دُور بھاگتے ہیں، یہ سب کارروائی شیعہ حضرات کی ہے، ان شیعوں نے ہزاروں خط بھیج کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی آرزو کی ہے اور بیعت کرنے کا وعدہ کیا جانی ومالی ایثار سے آگاہ کیا اور پھر ہزاروں کی تعداد میں داخلِ بیعت ہوئے، مگر مقام کربلا میں سب نے بیعت توڑ دی اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر اُتر آئے اور بڑی بے رحمی سے جگر گوشۂ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے جان نثارانِ اہلِ بیت کو شہید کر ڈالا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور جیسا کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ بیوفائی کی تھی، بعینہٖ اُسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ بھی اپنی پُرانی اور سابقہ عادت کو پورا کرتے ہوئے مکمل بے وفائی کی اور اپنی دُنیا وآخرت تباہ کی۔

تفصیل کی تو گنجائش نہیں، مختصر طریق سے بیان کیا جاتا ہے کہ آخر مقام کربلا میں امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مقابلہ میں کون حضرات تھے۔

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں سب حضرات شیعہ ہی تھے

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی شیعوں نے اپنے کسی فائدہ کیلئے یہ چاہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا جائے، مگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی مصلحت کی وجہ سے قبول نہیں فرمایا تھا، پھر جب امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا تو یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی اپنی بیعت کا سوال جاری کردیا (جلاء العیون صـ ۴۲۳) چونکہ یزید کے حالات سخت مخدوش اور قابلِ اعتراض تھے، لہٰذا بعضوں نے تو کسی وجہ سے ہوئے قبول کر لی، اور بعض چپکے بیٹھ گئے اور دُنیاوی جاہ وجلال پر لات مار کر گوشہ نشین ہوگئے۔ اور حضرت امام حسین مع اہل وعیال باوجودیکہ بعض دوست وجان نثار مانع سفر بھی ہوئے، مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں چونکہ بیعتِ یزید کے متعلق اکثر بحث ہوتی رہتی تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بات گرد و نواح میں پھیل گئی، حتیٰ کہ کوفہ تک پہنچ گئی، لہٰذا کوفی شیعہ حضرات نے جو کہ امیر معاویہ کی زندگی میں ہی حضرت امام حسین کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے (جلاء العیون اُردو باب پنجم فصل ۱۲) فوراً مشورہ کیا کہ آخر ہم امام حسین اور اُن کے والد حضرت علی کے شیعہ ہیں، کیوں نہ ہو کہ حضرت امام حسین کی بیعت کریں، چنانچہ مشورہ ہو کر خط لکھا گیا (جلاء العیون باب پنجم فصل ۱۲ و ناسخ التواریخ ج ۶ کتاب ۲ میں (ترجمہ)

"جب یہ خبریں اہلِ کوفہ کو پہنچیں، شیعانِ کوفہ سلیمان بن صرد خزاعی کے گھر میں جمع ہوئے، مشورہ کیا کہ حضرت امام حسین بیعتِ یزید سے انکار کرکے مکہ معظمہ آگئے ہیں، اور تم اُن کے شیعہ اور اُنکے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو اگر مدد کر سکو تو خط لکھ کر یہاں بُلالو، شیعوں نے کہا جب حضرت اس شہر کو اپنے نورِ قدوم سے منوّر کریں گے، ہم سب بقدمِ اخلاص بیعت کریں گے اور نصرت میں جانفشانی اور دشمنوں سے حفاظت میں کوشش کرینگے"۔ الخ مختصراً

مضمون خطوط شیعانِ اہلِ کوفہ

خط - (۱) "یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں اور مخلصوں کی طرف سے بخدمت حسین بن

علی بن ابی طالب ہے، امّا بعد بہت جلد آپ اپنے دوستوں ہوا خواہوں کے پاس تشریف لائیے کہ جمیع مردمان ولائت منتظر قدوم مسرّت لزوم ہیں اور بغیر آپ کے دوسرے شخص کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں، البتہ بتعجیل تمام ہم مشتاقوں کے پاس تشریف لائیے والسلام۔

(جلاء العیون ص۸۷ ج ۲)

خط (۲) یہ خط سلیمان بن صرد و مسیب ابن نخبہ وغیرہ و جمیع شیعان و مومنین و مسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین ہے۔

خط (۳) بعد حمد و ثنا گزارش ہے کہ تمام صحرا سبز اور میوے تیار ہیں، اگر آپ تشریف لائیں تو آپ کیلئے لشکر یہاں مہیا و حاضر ہے، اور شب و روز آپکی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔

قاضی نور اللہ شوستری شیعی اپنی کتاب مجالس المومنین میں لکھتے ہیں۔

و بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل نہ دارد و سنّی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج دلیل است گو ابو حنیفہ کوفی باشد۔	کوفیوں کے شیعہ ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ جو اصلی کوفی اور وہاں پر ہی پیدا ہوا ہو اُس کا سُنّی ہونا خلافِ اصل اور دلیل کا محتاج ہے خواہ ابو حنیفہ کوفی ہی ہوں۔

خط کشیدہ سطروں اور لفظوں سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ کوفہ سے خطوط روانہ کرنے والے جملہ دوست شیعہ اور محبّانِ اہلِ بیت تھے جنہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کا وعدہ کیا تھا، اور اُن کی حفاظت کیلئے جنگی سامان بھی مہیا کیا تھا۔

خطوطِ موصولہ کی تعداد

ناسخ التواریخ کتاب ۲ ج ۶ پر ہے۔

بدیں گونہ مکاتیب متواتر کردند چنداں کہ دوازدہ ہزار نامہ در حضرتِ امام حسین از بزرگانِ کوفہ حاضر گشت	کوفی شیعہ حضرات نے اس کثرت سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خط لکھے کہ بارہ ہزار تک پہنچ گئے۔

اخبار ماتم مطبوعہ حسینی پریس رام پور ص۲۸۵ پر بھی تصریح موجود ہے۔

فاجتمعت الشیعۃ فکتبوا الیہ	شیعہ جمع ہوئے اور اس کثرت سے خط

اثنی عشر الف کتاب۔ لکھے کہ بارہ ہزار تک پہنچ گئے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف ۔ بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

سامانِ جنگ

جو سامانِ شیعانِ کوفہ نے حضرت امام حسین کی حفاظت کے لئے تیار کر رکھا تھا اُس کی تعداد ایک لاکھ تلوار تک تھی چنانچہ بروایت شیخ مفید منتہی الآمال ص۵۵ پر لکھا ہے۔

اہلِ کوفہ نیز عریضہ نوشتہ بودند کہ صد ہزار شمشیر برائے نصرت تو مہیا است ۔ اہلِ کوفہ نے یہ بھی خط لکھا کہ آپ کی مدد کے لئے ایک لاکھ تلوار موجود ہے۔

حضرت امام حسین کے چچیرے بھائی حضرت امام مسلم کی کوفہ کو روانگی

شیعانِ کوفہ نے اتنی تعداد پر خط لکھے، مگر حضرت امام حسین کو شیعانِ کوفہ کی غداریوں کی اور بیوفائیوں کی وجہ سے جو کہ اُنہوں نے آپ کے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور برادرِ محترم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کی تھیں، یقین نہ آیا تو حضرت امام مُسلم رضی اللہ عنہ کو صحیح حالات معلوم کرنے کو روانہ فرمایا اور ایک خط و پیغام لکھ کر بھی عنائیت فرمایا جس کا مضمون ناسخ التواریخ کے ص۱۳۱ پر یوں ہے۔

"بسم اللہ ۔ یہ خط حسین بن علی کا مومنوں، مسلمانوں شیعوں کی طرف ہے، اما بعد بیشمار خطوط تم نے مجھے لکھے، مضامین سے مطلع (اس کے بعد امام حسین نے لکھا کہ) بالفعل اور سر دست برادر پسرِ عم مُسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں، اگر یہ لکھیں گے جو تم نے لکھا ہے، تو میں جلد تمہارے پاس چلا آؤں گا" ؎

مجھ کو معلوم ہے وعدہ کی حقیقت اے شیخ ۔ دِل کے بہلانے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

حضرت امام مُسلم کا وُرود کوفہ اور شیعانِ کوفہ کی تعداد بیعت

جب امام مُسلم رضی اللہ عنہ کوفہ میں پہنچ کر مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر اُترے تو اہلِ کوفہ نے کمال مسرت کا اظہار کیا، فوج در فوج ہو کر آپ کی خدمت میں آتے تھے اور آپ حضرت امام حسین

رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سُناتے تھے اور وہ مضمون کو سُن کر روتے تھے اور حضرت امام حسین کی آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے جاتے تھے۔

بیعت کنندہ حضرات شیعان کوفہ کی تعداد مختلف طور پر مفہوم ہوتی ہے، اکثر یہ ہے کہ وہ اسّی ہزار کی تعداد تھی۔ تلخیص مرقع کربلا شیعی صہ۱۵ پر ہے۔ آٹھ ہزار سے زائد خلاصۃ المصائب صہ۲۱ پر ہے کہ زیادہ سے زیادہ چھ لاکھ تھی۔

ناسخ التواریخ کتاب دوم جلد ششم پر ہے۔

وابی مخنف لشکر ابن زیاد ہشتاد ہزار سوا از نگاشتہ گوید ہمگان کوفی بودند وحجازی وشامی بایشان نبود	ابن زیاد کا لشکر جس کی تعداد اسّی ہزار تھی اور یہ سب کوفی تھے، ان میں حجازی وشامی وغیرہ اور کوئی نہ تھا۔

اور جلاء العیون صہ۴۳۲ اور ناسخ التواریخ صہ۱۳۲ پر ہے کہ "جو شیعہ بشرف بیعت امام حسین مشرف ہوئے تھے، وہ اسّی ہزار کی تعداد میں تھے" چنانچہ لکھا مورخ ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد فقط۔ یعنی مورخ ابی مخنف نے کہا ہے کہ بیعت کرنے والوں کی تعداد اسّی ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

صاف ظاہر ہے کہ بیعت کنندہ شیعہ حضرات اسّی ہزار تھے، اور نیز یہ کہ کربلا میں جو امام کے مقابلہ پر اُترے ہوئے تھے جب ان میں کوئی شامی حجازی وغیرہ نہ تھا بلکہ سب کوفی حضرات ہی تھے، تو غالباً یہ وہی حضرات شیعہ کوفی ہیں جنہوں نے بکثرت خطوط بھیج کر امام حسین کو بلایا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، کیونکہ جب وہ لشکر شام اور حجاز سے بھی نہیں اور نہ اس میں بیعت کنندہ افراد شیعہ داخل ہوں تو آخر وہ تعداد ہزاروں کی صورت میں ابن زیاد مقابلہ کے لئے کہاں سے لے آیا؟ اور پھر وہ اسّی ہزار بیعت کنندہ شیعہ حضرات کہاں چھپ گئے؟ نہیں نہیں بلکہ یہ اسّی ہزار کی تعداد جو آج جگر گوشہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہے، یہ وہی اور خاص وہی ہیں جنہوں نے آپ سے بیعت وفا کی، جیسا کہ آگے تصریحات امام حسین وغیرہ سے بھی یہی ظاہر ہوگا۔

بہر صورت بیعت کنندہ شیعہ حضرات کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی اور کوفی اپنی

عقیدت وارادت کا زائد سے زائد اظہار کرتے جاتے تھے، حضرت امام مسلم کو خوشی ہوئی حالات خوش گوار محسوس ہوئے، تو آپ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا کہ حالات موافق ہیں، آپ فوراً تشریف لائیے۔

حضرت امام حسین کی کوفہ کو روانگی

جلاء العیون باب پنجم فصل ۱۲ پر ہے "کہ جناب امام حسین علیہ السلام نے ماہِ شعبان سے ذیقعد تک مکہ معظمہ میں بعبادت الٰہی قیام کیا، اس مدت میں شیعانِ اہل حجاز و بصرہ و جمیع بلاد امام حسین کے پاس جمع ہوئے، جب ماہ ذی الحجہ آیا، امام نے احرام حج باندھا، چونکہ یزید نے ایک گروہ کو حج کے بہانہ بھیجا ہوا تھا کہ حضرت کو پکڑ کر اُس شقی کے پاس لے جائیں یا قتل کر دیں، اس وجہ سے حضرت نے احرام حج کو عُمرہ سے بدل دیا اور عُمرہ سے فارغ ہو کر متوجہ عراق ہوئے، راستہ میں امام حسین نے کہ ابھی تک امام مُسلم کی شہادت کی خبر نہ پہنچی تھی، اہلِ کوفہ کو ایک خط بایں مضمون لکھا کہ

"بسملہ، یہ خط حسین بن علی کی طرف سے برادرانِ مومن مُسلم کو السلام علیکم امابعد بدرستیکہ خط مسلم کا میرے پاس پہنچا، لکھا ہے کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے، خدا تم کو جزائے خیر دے"

حضرت مُسلم کی شہادت اور شیعانِ کوفہ کی غداری

حضرتِ امام حسین کی بعیت کی جب یزیدی فوج کو خبر پہنچی تو انھوں نے اہلِ کوفہ کو ڈرایا دھمکایا اور حضرت امام حسین کی بعیت کو توڑ دینے پر زیادہ سختی کی اور کسی کو مارا اور کسی کو کوئی طمع دیا، پھر کیا تھا کہ بعیت کنندہ شیعہ حضرات سب کے سب فرنٹ اور دیکھنے کو بھی نظر نہ آئے، بلکہ امام حسین کے دشمن ہو گئے اور اُن کے قتل کرنے کے سامان مہیا کئے وہ ایک لاکھ تلوار جو کہ امام کی مدد کے لئے تیار کی تھی، وہی امام کے لئے استعمال کرنے لگے نوبت بآنجا رسید کہ امام مُسلم کو اُن کی بے وفائی سے سخت خطرہ پیدا ہوا کہ آپنے فوراً ایک خط

امام حسین کو لکھا کہ شیعانِ اہلِ کوفہ نے اپنی موروثی عادت کے موافق سخت بے وفائی کی ہے، آپ ہرگز تشریف نہ لائیں" (جلاء العیون)

یہ خط آپ کو راستہ میں ملا چنانچہ جلاء العیون صـ ۴۵۲ اور ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب ۲ صـ ۱۴۹ پر دو خط بایں الفاظ منقول ہے۔

هو يقول لك ارجع فداك ابى و امى باهل بيتك ولا يغررك اهل الكوفة فانهم اصحاب ابيك الذى يتمنى فراقهم بالموت او القتل ان اهل الكوفة قد كذبوك وليس لكذوب راى	میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں آپ مع اہل و عیال واپس تشریف لے جائیں اور کوفیوں کے دھوکہ میں نہ آئیں کیونکہ یہ وہی ہیں جن سے آپ کے والد سخت پریشان رہتے تھے اور اُن کی موت اور قتل سے اپنی نجات چاہتے تھے، اُنہوں نے آپ کی بیعت توڑ دی ہے اور جھوٹے پر کوئی بھروسہ نہیں۔

جب امام حسین کو شہادت امام مسلم وغیرہ کی خبر پہنچی تو امام نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور فرمایا کہ شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اُٹھایا جسے منظور ہو مجھ سے جُدا ہو جائے کوئی حرج نہیں ہے، پس ایک گروہ جو بطمع مال و جاہ حضرت کے ساتھ رفیقِ سفر ہوا تھا ان خبروں سے آپ سے جُدا ہو گیا۔ خلاصۃ المصائب میں یوں ہے۔

بلغنى خبر قتل مسلم وعبد الله بن يقطر وقد خذلنا شيعتنا	امام فرماتے ہیں کہ مجھ کو مسلم اور عبد اللہ بن یقطر کی خبرِ قتل معلوم ہے اور بتحقیق رسوا کیا اور چھوڑ دیا ہم کو ہمارے شیعوں نے۔

ہے ابھی دونوں طرف باقی لگاوٹ یار کی صبح کو تعریف میری شام کو اغیار کی

حضرت امام کا کربلا میں تشریف فرما ہونا

آپ مقامِ کربلا میں تشریف لائے، یزیدی فوج سامنے اُتر آئی چنانچہ جلاء العیون میں ایک لمبا مضمون ہے، بقدر ضرورت یہ ہے کہ " دونوں لشکروں نے بالمقابل خیمے نصب کر دیئے، امام اپنے خیمہ سے باہر آئے اور دونوں لشکروں کے سامنے کھڑے ہوئے

بعد حمد و ثناء کے فرمایا میں خود تمہاری طرف نہیں آیا مگر جب تمہارے خطوط اور قاصد متواتر آئے، تم نے لکھا کہ آپ تشریف لائیے، ہمارا کوئی امام نہیں ہے، اگر تم اپنے عہد پر برقرار ہو، مجھ سے پیمان تازہ کر کے میرا دل مطمئن کرو، اور اگر قول و قرار کو تم نے شکستہ کر دیا ہے تو میں اپنے وطن واپس جاتا ہوں، ہم خلافت کے اس گروہ سے زیادہ تر سزاوار ہیں (بالآخر امام نے اپنے) اصحاب کو حکم دیا سوار ہوں، جب ہو جائے حرم محترم اُونٹوں پر بندھ گئے، حضرت پائے مبارک رکاب پر رکھ کے سوار ہوئے، جب چاہا واپس جائیں، لشکر مخالف نے راستہ روک لیا ہے گیدڑ پکارتے ہیں یہ اندھیر دیکھنا ہم بھی ہوئے آج ذرا شیر دیکھنا

ناسخ التواریخ صفحہ ۱۶۳ پر ہے۔

اگر شما عہد بشکنید حمل بیعت از گردن فرو نہید قسم بجان من کہ از شما شگفت نباشد چہ با پدر من علیؓ و برادر من حسنؓ و پسر عم من مسلم جز این نہ کردید فریفتہ کسے ہست کہ بہ عہد و پیمان شما مغرور شود۔

اگر تم اقرار کو توڑ دو اور بیعت سے سبکدوش ہو جاؤ مجھے اپنی جان کی قسم کہ ایسا کرنا تم سے عجیب ہو گا کیونکہ میرے باپ علی اور میرے بھائی حسنؓ اور میرے چچیرے بھائی مسلم کے ساتھ سوائے اس قسم کے سلوک کے اور کیا کیا ہے، وہ دیوانہ ہے جو تمہارے قول و قرار پر دھوکہ کھا جائے۔

خونے نہ کردہ ایم کسے را نہ کُشتہ ایم جرم ہمیں ست کہ عاشق روئے تو گشتہ ایم

کربلا میں امام حسین کو شہید کرنیوالے سب شیعہ تھے

اُوپر جو عبارتیں اور حوالجات لکھے گئے ہیں اُن سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام حسین وغیرہ کو شہید کرنے والے دوست سب شیعہ تھے، کیونکہ جن سے آپ خطاب فرما رہے ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے بیعت کی تھی اور اُن سے غداریاں کی تھیں اور وہی ہیں جنہوں نے امام مسلم کے ہاتھ پر امام حسین کی بیعت کی تھی اور پھر بیعت توڑ کر امام مسلم کو شہید کر دیا۔ اور امام حسین کو شہید کرنے کے لئے ہمت کئے بیٹھے ہیں اور یہ سب کے سب شیعہ ہی تھے، خطوط میں ان کے اقرار موجود ہیں اور اماموں کے

ارشاد موجود کہ وہ ہمارے شیعہ ہیں، جیسے کہ خط کشیدہ حروف سے معلوم ہوتا ہے۔

تسلی نہ ہو تو اور سنئے! حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد یزیدی ٹولے نے اپنی سیاہی دھونے کے لئے جب کوفہ میں حضرت امام حسین کا ماتم برپا کیا تو حضرت زینب اور ام کلثوم اور امام زین العابدین رضی اللہ عنہم نے ان کو ڈانٹا اور جھڑکا اور سخت بد دعائیں دیں کہ کمبختو تم نے ہی ہم سے دھوکا کیا، ہم کو خط لکھے، ہم سے بیعت کی، اور پھر جب ہم آئے ہیں تو تم نے ہم کو قتل کر دیا، اللہ تمہارے منہ سیاہ کرے، اور اپنے کئے پر روتے رہو۔ [له]

من از بیگانگاں ہر گز نہ نالم — کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

کان رکھتے ہو تو سُن لو نعرۂ قہرِ خدا — پردہ پوشی ہو چکی اب تو عذاب آنے کو ہے

قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ شیعوں کو حضرت امام حسین کو شہید کرنے کے بعد ندامت ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ —" وہ اکٹھے ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالٰے نے اتنی لمبی عمر دی کہ مختلف فتنوں میں مبتلا ہوئے، اور بُری باتوں کے ساتھ متہم ہوئے، اب ہم اپنے کئے پر سخت شرمندہ ہیں اور توبہ چاہتے ہیں، شاید اللہ قبول فرمائے اور ہم پر رحم کرے" اس جماعت سے جتنے لوگ کربلا میں (یزید کی طرف سے) امام کو قتل کرنے گئے تھے، سب اسی طرح معذرت کرنے لگے، سلیمان بن صرد نے کہا میرے خیال میں اُس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو تہِ تیغ کر دیں، جیسے بنی اسرائیل نے توبہ کے وقت کیا تھا، چنانچہ حق تعالٰے نے فرمایا کہ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے یہ کہہ کر سب شیعہ استغفار کیلئے زانوؤں کے بل گر پڑے، ——— ثابت ہوا کہ شہید کرنے والے وہی ہیں منگوانے والے یہ ندامت اور شرمندگی محسوس کرنے والے وہی ہیں، بیعت کرنے والے اور بلانے والے قطعی طور پر شیعہ تھے، لہٰذا واضح ہوا کہ حضرت امام حسین وغیرہ کو شہید کرنے والے سب کے سب شیعہ تھے ان میں ایک بھی سُنی نہ تھا۔

یہ عذر امتحانِ جذبۂ دل کیسا نکل آیا — میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

صد ہا ارمانوں سے جس نے کہ مجھے ذبح کیا — قتل کے بعد کوئی دیکھے ندامت اُن کی

له حضرت امام کے ان خطابات سے معلوم ہوا کہ جو مقابلہ پر اُترے ہوئے حضرات ہیں یہ سب شیعہ کوفی حضرات ہیں جنہوں نے ہزاروں کی تعداد میں خطوط بھیج کر امام مسلم کو منگوایا اور بیعت کی اور آج میدان میں شہید کرنے کیلئے کمر بستہ ہیں۔

شیعانِ کوفہ بیوفا نے آخر کیوں حضرت امام حسین کو شہید کیا؟

جب حوالجاتِ مذکورہ کو پڑھا جائے تو واقعی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امامؑ کو منگانے والے بیعت کرنے والے اور جانی ومالی خدمات پیش کرنے والے یہ سب حضرات شیعہ ہی تھے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ دیدہ دانستہ یہ شیعانِ اہلِ بیتؑ دشمنِ اہلِ بیت ہو کر درپے قتل ہوئے، حقیقتِ حال تو پروردگارِ عالم ہی جانتا ہے یا برادرانِ شیعہ، لیکن بظاہر اس کی چند وجہیں معلوم ہوتی ہیں

ایک تو یہ کہ انہوں نے یہ سب عہد وپیماں کئے تھے، لیکن یزیدی فوج سے خوف زدہ ہو کر سب فرنٹ ہو گئے اور تمام عہد وپیمان توڑ دیئے، جیساکہ وہ شیرِ خدا حضرت علیؓ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے وقت کرتے رہے اور امام حسین کے دشمن ہو کر متمنی قتل ہوئے ؎

اَتَرْجُوْا شِیْعَۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا   شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَاب

کیا شیعہ (حضرات) امام حسین کو قتل کرنے کے بعد بھی پیغمبرِ اسلام کی شفاعت کے امیدوار ہیں ہرگز نہیں۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے تقیہ پر عمل کیا اور ثواب حاصل کیا کہ دل میں تو اپنے عہد وپیمان پر تھے اور وہی عقیدت اور ارادت تھی اور امام حسین کو اپنا رہنما اور دلی خیال کرتے تھے، لیکن جب دشمن نے حملہ کیا تو تابِ مقابلہ نہ لا سکنے کی وجہ سے تقیہ پر جھٹ عمل پیرا ہوئے کہ بمصداق "ہم خرما وہم ثواب" محبت اہلِ بیت بھی باقی رہے اور دشمن سے نجات کے علاوہ ثواب بھی حاصل ہو۔

(۳) تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ درحقیقت دل میں دشمنِ اہلِ بیت تھے، ان کے دل میں امامِ باوقار کے احترام کا ذرّہ بھر لحاظ نہ تھا اور وہ اپنی ذاتی عداوت کا بدلہ لینا چاہتے تھے، جیساکہ ان کی سابقہ روایات اس پر گواہ ہیں کہ انہوں نے حضرتِ شیرِ خدا اور امام حسن کو سخت پریشان کیا اور خلافت سے دست بردار ہو گئے پر مجبور کر دیا، اور بڑی بڑی نافرمانیاں کیں، حتیٰ کہ ائمۂ اطہار کو برے اور کریہہ الفاظ سے ان کو یاد کرنا

پڑا" اور یہ وجہ قوی معلوم ہوتی ہے، پس بظاہر انہوں نے بطور تقیہ اپنی محبت کا اظہار کیا اور جان و مال قربان کرنے کا وعدہ کیا، اور حضرتِ امام کو منگوا کر اپنی ذاتی دشمنی کو پورا کیا، اور ثوابِ تقیہ کو بھی حاصل کیا۔

(۳) یہ وجہ اور بھی قوی ہو جاتی ہے، جبکہ شیعہ حضرات کو ائمہ اہل بیت کی طرف سے بھی بوقتِ ضرورت اجازت تھی کہ وہ بطور تقیہ ائمہ کرام کی بے ادبی کریں تو حرج نہیں۔

اصولِ کافی باب تقیہ میں ہے، قال انکم ستدعون الی سبّی فسبونی۔

کہا امام جعفر صادق نے کہ ضرور تم کو میری دشنام دہی کے لئے بلایا جائیگا تو مجھے تم سب و شتم کر دینا تو مذہب کی بناء پر جو ائمہ کو تقیہ سے گالی دے سکتا ہے، وہ تقیہ سے اور کیا نہیں کر سکتا؟

تقیہ کیا شئے ہے؟

شیعہ مذہب میں تقیہ ایک اہم مسئلہ ہے، جو ہر طرح سے ضروری اور موجب عبادت خیال کیا جاتا ہے، اس امر پر اس مختصر رسالہ میں سیر حاصل بحث ناممکن ہے صرف بقدرِ ضرورت روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شیعہ مذہب میں تقیہ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مصلحت یا ضرورت کی وجہ سے عام ازیں کہ ملجی[1] ہو یا نہ ہو، اُس امر کو جو از روئے مذہب شیعہ حق ہو چھپانا اور جو باطل و خلافِ واقعہ ہو اُس کو ظاہر کرنا ہے، جو کہ دوسرے الفاظ میں جھوٹ و نفاق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اصولِ کافی باب التقیہ میں ہے۔

(۱) عن ابی جعفر علیہ السلام التقیۃ فی کل ضرورۃ وصاحبھا اعلم بھا حین نزل بہ۔

امام ابو جعفر فرماتے ہیں کہ تقیہ ہر ضرورت میں ہے اور ضرورت مند خود معلوم کر سکتا ہے کہ یہ کیسی ضرورت ہے اور آیا تقیہ اس میں مفید ہو سکتا ہے؟

اس میں صاف ہے کہ تقیہ کے لئے شرعی طور پر کوئی تحدید و تعیین نہیں، ادنے سے ادنے ضرورت میں تقیہ کیا جا سکتا ہے، جس کا احساس خود بندہ کر سکتا ہے۔

---

[1] ملجی کے معنے یہ ہیں کہ جان جانے یا کسی عضو کے کٹ جانے کا قطعی و یقینی خطرہ لاحق ہو جائے اور

(۲) کافی کلینی باب التقیۃ صث ۴۸۳ پر ہے۔

عن ابی بصیر قال قال ابوعبد اللہ علیہ السلام التقیۃ من دین اللہ قلت آمن دین اللہ قال ای واللہ من دین اللہ ولقد قال یوسف ایتھا العیر انکم لسارقون واللہ ما سرقوا شیئا ولقد قال ابراھیم انی سقیم واللہ ما کان سقیما

راوی ابوبصیر کہتا ہے کہ امام جعفر نے کہا کہ تقیہ اللہ کے دین سے ہے، میں نے کہا اللہ کے دین سے ہے؟ تو فرمایا واللہ ہاں! تقیہ اللہ کے دین سے ہے اور تحقیق بضرور کہا یوسف علیہ السلام نے کہ اے قافلہ والو تحقیق ضرور تم چور ہو، اور واللہ انہوں نے کوئی چیز نہ چرائی تھی اور ضرور کہا ابراہیم علیہ السلام نے کہ تحقیق میں بیمار ہوں اور وہ بیمار نہ تھے۔

صریح اور صاف ہے کہ جو چور نہ ہو اُس کو چور کہنا، اور جو بیمار نہ ہو اُس کو بیمار کہنا، بنا بر تقیہ اور صرف تقیہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ کلینی میں اس کو باب تقیہ میں ذکر کیا ہے۔ اور نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ تقیہ میں خوف شرط نہیں ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہونے کے علاوہ آپ اُس وقت زبردست بادشاہ بھی تھے۔ جاہ و جلال، استبداد و استقلال کے جملہ اسباب موجود تھے تو کسی سے خوف کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کی شرح صافی میں اسی حدیث کے ماتحت لکھا ہے کہ تقیہ ہر حاجت میں کیا جا سکتا ہے، نیز استبصار باب جواز التقیہ صث ۳۹ اور من لا یحضرہ الفقیہ وغیرہ صث ۱ جزو اول میں بھی اسی طرح ہے ـــــ اصول کافی صث ۴۸۵ پر ہے۔

قال عبد اللہ علیہ السلام یا سلیمان انکم علی دین من کتمہ اعزہ اللہ ومن اذاعہ اذلہ اللہ

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ اے سلیمان بیشک تم ایسے دین پر ہو جس نے اسکو چھپایا، یا خدا نے اسکو عزت دی اور جس نے اسکو ظاہر کیا، خدا نے اس کو ذلیل کیا۔

اصول کافی صث ۵۱ ۵ پر ہے۔ "جو اپنے دین کو ظاہر کریگا اللہ اُس کا ایمان سلب کر لیگا۔ یعنے چھین لے گا" ـــــ صاف ظاہر ہے کہ جب دوسروں کو مذہب کے

لے قرآن مجید میں یہ قول ایک ملازم بتایا گیا ہے، پس یوسف علیہ السلام کی طرف منسوب

اظہار سے منع کیا جا رہا ہے، تو بھلا خود کیوں ظاہر فرما کر اپنے کو ذلیل اور دولتِ ایمان سے محروم کرنے کی کوشش فرمائیں گے، وہ بہر نہج خلافِ واقعہ بنا بر تقیہ ہوگا اور تنفیہ کے طور پر ہوگا۔

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ائمہ اپنے شیعوں کو بھی ایک سوال کے متعدد جوابات دیتے رہے جیسا کہ اصولِ کافی کتاب العلم ص۳۷ پر ظاہر ہے، بلکہ بصائر الدرجات میں تو یہاں تک ہے کہ،

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایک مسئلہ میں ستر وجہ پر کلام کرتا ہوں، کیونکہ اپنا مذہب تو ظاہر نہیں کرتا تو اس کے خلاف حسب ضرورت بنا، پر تقیہ جو کچھ کہا جائے سب جائز و صحیح ہے۔"

نیز ائمہ چونکہ مفترض الطاعۃ حجۃ اللہ مصدر ہدایت ہیں لہذا آج تک جو کچھ شیعہ حضرات نے کیا یا جو کچھ آگے کریں گے، وہ ائمہ کرام کی ہدایات کی روشنی میں ان کا اپنا مذہب نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مذلت و رسوائی ہے، جس کو وہ ہرگز پسند نہیں کریں گے، بلکہ بطور تقیہ اپنی ضرورتوں کا اظہار ہے، مصلحتِ وقتی ہے، ابن الوقتی ہے۔

اس سے یہ امر بھی درست ہوگیا کہ تقیہ شیعہ کا معنیٰ اور کذب و نفاق کا معنی بالکل قریب قریب ہے، کیونکہ نفاق و کذب خلافِ واقعہ کے اظہار کا ہی تو نام ہے۔

تقیہ کی اہمیت اور اس پر ثواب

شیعہ حضرات کا مذہب ہے کہ تقیہ بمعنے مذکور ایک امر مرغوب ہے، جو خدا کو پسند ہے۔ بہترین عبادت ہے، ائمہ کرام بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ جملہ انبیاء کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے قولاً و عملاً اس کو اپنایا ہے اور اس کو اختیار کرنے اسی پر رہنے کی ترغیب بلکہ ذریعۂ نجات قرار دیا ہے، چنانچہ اصولِ کافی صفحہ ۸۳-۸۴-۱۸۲-پر ہے کہ۔

"تقیہ دینِ خدا ہے، دین کے دس حصوں سے نو حصے تقیہ ہے، جس میں تقیہ نہیں وہ بیدین ہے، تقیہ بہترین عمل ہے اور تقیہ کے سوا ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔"

تفسیرِ عسکری صفحہ ۱۶۳ و ۱۶۴ پر ہے کہ "زمانہ غیبتِ امام میں ہر جگہ اور ہر وقت تقیہ واجب ہے۔"

جامع الرضوی صـ۵۵ ج ۱ پر ہے کہ "تقیہ کا تارک ایسا ہے جیسا کہ نماز کا تارک ۔"
من لا یحضر الفقیہ باب صوم الشک صـ۳۲ ج ۲ پر ہے ۔" مخالف کے پیچھے تقیہ سے نماز پڑھنا، سات سو نماز پڑھنے کا ثواب، بلکہ ایسا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و والسلام کے ساتھ پہلی صف میں نماز پڑھی ۔"
(تفسیر عسکری صـ۲۰۰ و شیخ صدوق رسالہ اعتقادات بروایت امام جعفر صادق)

ناظرین با تمکین ! آپ تقیہ کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد کہ وہ کیا ہے ؟ یعنی جھوٹ و نفاق پھر اس کی اہمیت کو ملاحظہ فرمائیں اور اندازہ لگائیں، کہ کیا شریعت ایسا گوارا کر سکتی ہے ؟ اور عقل سلیم میں یہ بات آ سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں اور بالکل نہیں ۔

تقیۂ شیعہ کا معنی جھوٹ ہے جس کی نسبت ائمہ کی طرف افترا ہے

اصولِ کافی باب الکذب صـ۱ ۔ قال امیر المؤمنین علیہ السلام لایجد عبد طعم الایمان حتی یترک الکذب ہزلہ و جدہ ۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بندہ ایمان کا ذائقہ نہیں پاتا جبتک کہ کذب کو ہزل سے ہو یا جد سے نہیں چھوڑتا ۔

(ایضاً) الکذب شر من الشراب

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کذب شراب سے بھی بُرا ہے ۔

کتاب الروضہ کلینی صـ۲۹ اما الاولی فالصدق ولا تخرجن من فیک کذبۃ ابداً ۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امیر المومنین کو جن باتوں کی وصیت کی اُن میں سب سے پہلے سچ بولنا تھا یعنے فضیلتِ اولیٰ سچ بولنا ہے، تیرے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلے ۔

اصولِ کافی باب ذی اللسانین ۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال من لقی المسلمین لوجھین و لسانین جاء یوم القیامۃ ولہ لسانان من نار ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول ہے کہ ذو وجہین، ذو لسانین قیامت کے روز آئیگا اور اُس کی دو زبانیں آگ کی ہونگی ۔

ناظرین حضرات! دیکھا جھوٹ کی ائمہ کرام نے کس قدر مذمت کی ہے اور اس کو ہر طرح سے قبیح قرار دیا ہے، تو پھر اُن کی نسبت یہ گمان کرنا کیسے درست اور صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ تقیہ کرتے، یعنے جھوٹ بولا کرتے تھے یا بخوفِ اظہارِ باطل کہا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں اور بالکل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ائمہ کرام نے شریعت کے خلاف ہرگز نہیں کیا اور تقیہ وغیرہ کی نسبت اُن کی طرف محض افتراء ہے، اجی وہ قرآن و حدیث کے خلاف کیسے کر سکتے تھے؟

تقیۂ شیعہ ناقابلِ عمل ہے

ناظرین حضرات! تقیۂ شیعہ اگر مان لیا جائے، تو لازم آتا ہے کہ شریعت محض ایک افتراء ہے، قرآن مجید کی تفسیر ایک بے معنی حقیقت ہے، حدیث ایک محض ڈھونگ ہے، کیونکہ جب ائمہ نے اپنا حقیقی مذہب بتایا نہیں، اور اظہار کی سخت ممانعت کر دی، تو جو کچھ یہ موجود ہے، محض ایجادِ بندہ ہے اور بس!

اور نیز یہ لازم آتا ہے کہ ائمہ کرام بلکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بھی مذہبی حیثیت بلکہ دنیوی طور پر اعتماد اُٹھ جائے، کیونکہ جب وہ خدا کی بات کو ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں تو اپنی صحیح بات کب بتائیں گے، یہ ایک ایسی بدیہی البطلان چیز ہے جس کو ادنےٰ عقل والا انسان بھی کبھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

نیز اگر تقیۂ شیعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آتا ہے کہ جملہ عباداتِ مالیہ و بدنیہ بجا لانے کے باوجود، اگر تقیہ کو ترک کر دیا جائے تو انسان دوزخی و جہنمی ہو جائے، وجہ سنئے کہ سُنی و شیعہ کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ قیامت میں جس کی نیکی بُرائی سے زائد ہوگی وہ جنت میں جائیگا اور جس کی بُرائی نیکی سے زائد ہوگی، وہ جہنم میں، مثلاً اگر کسی کی نیکیاں اس قدر کم ہوں کہ دسواں حصہ نیکیاں ہوں اور نو حصہ گناہ، تو بلاشبہ وہ گنہگار و دوزخی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (ترجمہ) جس کی میزانِ اعمالِ نیک ہلکی ہوگی

پس اس کا ٹھکانا دوزخ ہے"۔ ـــــ بنابریں جب تقیہ دین کے نو حصے ہوئے، چنانچہ اصولِ کلینی باب تقیہ کی دوسری حدیث کے اول ہی میں یہ فقرہ موجود ہے۔

قال ابوعبد اللّٰہ علیہ السلام یا ابا عمران تسعۃ اعشار الدین فی التقیۃ

فرمایا امام جعفر صادق نے کہ اے ابو عمر دین کے نو حصے منجملہ دس کے تقیہ میں ہیں۔

تو جو شخص کہ وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ جملہ عبادات بجا لاتا رہا مگر اُس نے تقیہ شیعہ نہیں کیا، اُس نے یقینی اور حتمی طور پر دین کے نو حصے چھوڑ دیئے ترک کر دیئے اور ایک حصہ دین اپنایا، تو بلاشبہ وہ نیکی کے کم ہونے کی وجہ سے دوزخ اور جہنم میں جائیگا، اور اُس کی جملہ عبادات نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کچھ کام نہ آئیں گی۔

اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ خداوند کریم نے اُن کی حفاظت کا ذمہ لیا، اُن کی تائید میں معجزات صادر فرمائے، وحی نازل کی، اُن کے حواری پیدا کئے، مخلوق کے دلوں میں اُن کی محبت ڈال دی، ظاہری و باطنی طور پر اقتدار بخشا مگر پھر بھی اُن کو اپنے مولائے کریم پر اعتماد پیدا نہ ہُوا اور اُن سے خالف ہو کر سچی بات نہ بتائی، اور مخالفین کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، اللہ کا فرمان نہ سمجھا، مقصدِ بعثت کو فوت کر دیا، مخلوق کو گمراہی سے نہ نکالا بلکہ اور اُلجھنوں میں ڈال دیا۔ وغیرہ وغیرہ، حالانکہ یہ بالکل صریح غلط ہے، آیاتِ قرآنیہ، نصوصِ حدیثیہ، تقاضائے عقولِ سلیمہ کے سخت خلاف ہے، لہذا روزِ روشن سے زیادہ واضح ہُوا کہ تقیہ شیعہ شرعی و عقلی، ملی و ملکی، معاشرتی و اقتصادی طور پر حرام، مُضر، قبیح ہے۔

ناظرین کرام! جو کچھ کہ تحریر ہُوا ہے، یہ مُشتے نمونہ از خروارے ہے، اور محض اس لئے لکھا گیا ہے کہ ہم اسکو پڑھیں، غور کریں، اور نتیجہ نکالیں کہ تقیہ شیعہ آیا ائمہ کرام کی طرف منسوب ہونے کے قابل ہے؟

ہم اہلِ سنت و جماعت کا بفضلہ تعالیٰ یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دامن تقیۂ شیعہ سے بالکل پاک ہے، وہ ایسے تقیہ کے ہرگز قائل نہ تھے، یہ سب کچھ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منہُ بحرمۃ حبیبہ سید المرسلین آمین۔

مفہوم تقیہ میں غلط فہمی کا ازالہ

ناظرین حضرات! قرآن مجید میں بعض موقعوں پر اپنے مافی الضمیر کے خلاف کہنے کی اجازت دی گئی ہے، مثلاً کسی خوف سے کلمہ کفر زبان پر لے آنا جبکہ دل میں پورا اطمینان ہو، شرعاً جائز ہے، مگر اس کو حضرات شیعہ کے تقیہ سے دُور کی نسبت بھی نہیں ہے، تقیہ سے متعلق یہ قرآنی اجازت بصورتِ اضطرار و مجبوری ہے کہ جان یا کسی عضو کے کٹ جانے کا قطعی خطرہ لاحق ہو جائے تو اگر دل میں اطمینان اور ایمان موجود ہے تو صرف زبان سے خلاف واقعہ کوئی بات کہہ دینے میں چنداں حرج نہیں، نہ یہ کہ ضرورت ہو یا نہ اضطرار ہو یا نہ محض اپنے نظریات کے ماتحت جب جاہو اور جو چاہو کہتے اور کرتے پھرو، معاذاللہ، اللہ تعالےٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شرعی طور پر تقیہ کی حقیقت کا خلاصہ

تقیہ کے لفظی معنیٰ بچنا یا دشمن سے جان ا ومال آبرو کو بچانا، چونکہ دشمن دو قسم کے ہیں، دینی و دنیاوی، لہٰذا تقیہ بھی دو قسم کا ہے۔

نمبر ۱۔ **دینی** تقیہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافروں کے نرغہ میں ایسا پھنسے کہ وہاں اپنا دین ظاہر نہ کر سکے یا کسی کفر بکنے پر قطعی طور پر مجبور ہو جائے تو جان چھڑانے کے لئے اُس وقت اُس پر عمل کرے، مگر وہاں سے پھر ایسی جگہ ہجرت کر جائے جہاں دینی آزادی ہو اور یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام نے بعض اوقات کفرستان اور حربی قوموں کے ملک سے ہجرت کی، جیسا کہ قرآن اور حدیث اور تاریخ اس پر شاہد ہے، ہاں بچے عورتیں اور جو لوگ ہجرت پر قادر نہ ہوں، ان کے اور احکام ہیں مگر پھر بھی اگر کلمہ کفر زبان سے نہ نکالے اور جان دیدے تو شہید ہو گا (احکام القرآن وروح المعانی)۔

نمبر ۲۔ **دُنیوی** تقیہ یہ ہے کہ کافروں سے دُنیوی معاملات میں تواضع و مدارات کرنا یہ ضرورۃً جائز ہے اور بلا ضرورت منع، کفار سے خندہ پیشانی سے ملنا، ان سے مصافحہ کرنا، ان کو ہدیئے و تحفے دینا وغیرہ یہ ضرورۃً جائز ہیں، اسی طرح تبلیغ دین بھی ایک ضرورت ہے، کفار کے ساتھ بالخصوص جو کافر اسلام کی طرف مائل ہوں ان سے بہتر سلوک کرنا جائز ہے، شروع اسلام میں

توکفار کو تالیفِ قلوب کی بنا پر زکوٰۃ دینی بھی جائز تھی۔ بہرصورت یہ تقیہ دینی و دُنیوی اُمور میں بضرورتِ خوف و توقع جائز ہے۔

(۳) ایک تقیہ صوفیانہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اسرارِ الٰہیہ کو نااہلوں اور اغیار سے چھپانا اور یہ ضروری اور لازمی امور سے ہے، اسی وجہ سے یہ حضرات اسرارِ الٰہیہ کو ایسی عبارات سے بیان کر جاتے ہیں جو کہ عام کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں، بعض ظاہر ہیں علماء ان کی ظاہری عبارات پر فتوٰی کفر دے دیتے ہیں، حضرت محی الدین عربی اور بایزید بسطامی وغیرہ حضرات کی پیچیدہ عبارتیں اسی تقیہ کی مثالیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فقہاءِ کرام صوفیاء کے ایسے علوم کو علمِ باطن کہتے ہیں (روح المعانی وغیرہ)

(۴) روافض کا تقیہ اور ان کے تقیہ کی نوعیت ہی کچھ اور ہے اور اس کے احکام بھی اور روافض کے ہاں ضرورت ہو یا نہ ہو کوئی مصلحت ہو یا کچھ اور، دینی معاملہ ہو یا دُنیاوی، یہ تقیہ جائز ہی نہیں بلکہ بہترین عبادت ہے اور باعثِ ثواب بالخصوص سُنی کو دھوکہ دینا جائز ہے، ان کے ہاں مشہور روایت ہے کہ جس نے دھوکہ کی غرض سے سُنی کے پیچھے نماز پڑھ لی گویا اُس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی، جھوٹ بولنا، اپنا دین بدلنا چھپانا، اسی کی تاکید کرنا حتٰی کہ اپنی بیٹی کفار کے نکاح میں دیدینا وغیرہ سب تقیہ کی صورتیں ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ نے خلفاء ثلاثہ کے پیچھے تقیہ سے نمازیں ادا کیں تقیہ سے ان کی بیعت کی اور تقیہ سے ان کی تعریفیں کیں بلکہ اپنی بیٹی اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عمر فاروقؓ سے کر دینا یہ سب تقیہ سے تھا مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ تقیہ بمعنی مذکور اگر جائز ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام کو کفار کے ہاتھوں تبلیغی صورت میں ان مصائب کو برداشت کرنے اور ہجرت کرنے کی تکلیف گوارا کرنی نہ پڑتی حالانکہ اُنہوں نے تکالیف اور صدمات برداشت کئے اور بلا خوف لومۃ لائم شرعی احکام کی تبلیغ فرمائی ——— اور حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی بنا پر تقیہ درست ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ تقیہ میں خوف شرط ہے، اور خوف کی دو صورتیں ہیں، ایک جان کا اور دوسرا آبرو کا، اہلِ بیت کو جان کا خطرہ ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ ان کے نزدیک امام کی موت خود اپنے قبضہ میں ہوتی ہے، جیسا کہ کافی وغیرہ سے مروی ہے، بلکہ امام کو کلی غیب ہوتا ہے، اپنی موت

اور اُس پر قبضہ اور موت کی نوعیت اس کا وقت وغیرہ سب اُن پر روشن ہوتا ہے لہذا جان کے خطرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور نہ ہی کسی کے ڈر و خوف کا تصور پیدا ہوتا ہے اور آبرو کا خطرہ اہلِ بیت کو اس وجہ سے نہیں کہ اُن کی جرأت و بہادری سب کو مسلّم تھی نیز تبلیغ احکام میں مشقت برداشت کرنا اور ہر مصیبت پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کرنا بلا خوف و خطر نشر و اشاعت اسلام اور ہر طرح کی قربانی طریقہ انبیاء علیہم السّلام ہے' اہل کرام کو اس کی اقتداً چاہیئے تھی اور مردانہ وار دشمنانِ دین اور مخالفین عزت و آبرو سے مقابلہ کرنا چاہیئے تھا۔ بہر صورت حضرت مولئے علی رضؓ اور دیگر اہلِ بیت کرام نے یہ تقیہ ہرگز نہیں کیا بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کیا' مقابلہ کیا' جس سے اس تقیہ کی حقیقت کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند میں سُلا دیا گیا۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

شیعہ حضرات ائمہ اہلِ بیت کی نظروں میں

شیعانِ کوفہ نے چونکہ اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ سخت بدسلوکی اور بے وفائی کی' اُن پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیے حتیٰ کہ شہید کر ڈالا' اس لئے ائمہ کرام نے اپنی نظروں سے اُنہیں گرا دیا اور اُن کے حق میں سخت کریہہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

(۱) اصولِ کافی کتاب الحجہ ص ۱۵۹ پر امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ سے ہے۔

عن ابو الحسن علیہ السلام قال انّ اللہ عزوجل غضب علی الشیعۃ فخیرنی فی نفسی او ھم فوقیتھم واللہ بنفسی۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیعوں پر غضب کیا ہے پس مجھ کو اختیار دیا ہے کہ اپنے نفس کو الگ کرلوں یا شیعوں سے برتاؤ کروں پس میں نے اللہ کی قسم ان شیعوں سے کنارہ کیا۔

(۲) امام جعفر سے ہے۔ ما انزل اللہ سبحانہٗ ایۃ فی المنافقین الا وھی فیمن ینتحل التشیّع

جتنی آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوتی ہیں وہ ان سب شخصوں پر پوری اُترتی ہیں جو شیعہ ہونے کو اچھا خیال کرتے ہیں۔

قرآن و حدیث کی رُو سے شیعوں میں کفر و نفاق کے اوصاف ہیں۔

اور آیاتِ منافقین بکثرت ہیں، چند سُنیے۔

(۱) لا تصل علیٰ احد مات ابداً ولا تقم علیٰ قبرہٖ انہم کفروا باللہ و رسولہ وھم فاسقون

منافقین کی نمازِ جنازہ مت پڑھو نہ اُن کی قبر پہ (فاتحہ کیلئے) کھڑے ہو اسلئے کہ انہوں نے اللہ اور رسول علیہ السّلام کے ساتھ کفر کیا ہے۔

(۲) علیھم دائرۃ السّوء غضب اللہ علیھم ولعنھم واعدلھم جھنم وساءت مصیرا

اُنہیں پر بُری گردش ہے، اُنپر اللہ تعالیٰ کا غضب اور لعنت ہے اور اُن کیلئے دوزخ تیار کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ منافق کی نمازِ جنازہ اور اُس کے لئے فاتحہ وغیرہ سب ناجائز ہے اور وہ فاسق کافر، ملعون، مغضوب اور جہنمی ہے۔

شیعہ اماموں کے منکر ہیں۔

(۳) امام جعفر فرماتے ہیں کہ من فتنۃ شیعتنا انکارھم الائمۃ۔

شیعوں کے فتنوں سے ایک یہ بھی فتنہ ہے کہ وہ ائمہ اہلِ بیت کا انکار کرتے ہیں۔

(۴) جامع عباسی نولکشوری باب ۲ صفحہ ۲۶ ج ۲ پر ہے کہ

خاصانِ شیعہ جماعتے اند کہ با مامتِ دوازدہ امام قائل اند چہ جماعتِ نادسیہ کہ تا حضرت امام جعفر صادق می دانند و رافضیہ کہ تا امام موسےٰ کاظم امام می دانند وکسانیہ کہ با مامتِ محمد بن حنفیہ قائل اند وغیر انہا از فرق شیعہ زیارت امام حسین می کنند و زیارتِ امام رضا نمی کنند

خاص شیعہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور فرقہ نادسیہ شیعہ امام جعفر تک مانتے اور باقیوں کا انکار اور فرقہ رافضیہ امام موسیٰ کاظم تک مانتے ہیں اور اور دوسروں کا انکار، اور فرقہ کسانیہ محمد بن حنفیہ کی امامت کے صرف قائل ہیں اور دوسرے شیعہ فرقے امام حسین کی زیارت کرتے ہیں اور امام رضا کی نہیں کرتے۔

(۵) نیرنگِ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت شیعی صنٹ پر ہے کہ حضرت علی نے اپنی خلافت کے وقت اپنے شیعوں سے ارشاد فرمایا تھا (بغور ملاحظہ فرمائیں)

"جب شام کے لشکروں میں سے ایک آدھ دستہ تمہارے قریب آجاتا ہے تو تم خوف کے مارے اپنے دروازوں کو بند کرلیتے ہو، اپنے حجروں میں اس طرح پوشیدہ ہوجاتے

جاتے ہو جیسے سوسمار اپنے سوراخ میں یا کفتار اپنے بھٹ میں، خدا کی قسم جس کی تم مدد اور نصرت کرو وہ ذلیل ہے، تم اُسے لڑائی میں چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے اور مغلوب ہو کر اُسے خواہ مخواہ ذلت نصیب ہوگی اور جس شخص نے تمہیں دشمن کے مقابلہ کیلئے بھیجا اُس نے ایک تیرِ بے پیکان چلایا، قسم خدا کی تم اپنے مکانوں میں تو بہت چیختے ہو مگر میدان میں علم کے نیچے تمہاری تعداد بہت قلیل ہوتی ہے، بیشک میں اس چیز سے خوب واقف ہوں جو تمہارے فتنہ و فساد کی اصلاح کر سکتی ہے، خدا تمہارے چہروں کو ذلیل و خوار کرے، تمہارے نصیب اور مقدر کو پست کر دے، تم بدبخت ہو جاؤ۔"

یہ عبارت بار بار پڑھئے اور اندازہ لگائیے۔

(۶) کتاب مذکور کے صفحہ ۶۹ پر ہے ـــــ "میری دعا ہے کہ میں اسی بات کو دوست رکھتا ہوں کہ پروردگار میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کر دے، اور مجھے ان لوگوں سے ملحق کر دے جو تم سے زیادہ میرے لئے سزاوار ہوں۔" الخ

(۷) صفحہ ۱۳۱ پر ہے ـــــ "قسم خدا کی میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ معاویہ مجھ سے اس طریقہ سے تمہارا معاوضہ کرے کہ دینار کے عوض درہم مجھے میسر ہو، اور دس نفر تم سے لے لے، اور ایک مرد شامی میرے حوالے کر دے، تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔"

(۸) صفحہ ۱۳۲ پر ہے ـــــ "میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو دیکھا ہے تم میں کوئی بھی ان کی نظیر دکھائی نہیں دیتا۔"

(۹) اصول کافی کتاب الحجۃ صفحہ ۱۵۹ پر امام موسےٰ کاظم سے ہے۔

عن ابی الحسن علیہ السّلام قال ان اللہ عزوجلّ غضب علےٰ لشیعۃ فخیرنی فی نفسی اوھم فوقیتھم واللہ بنفسی۔

امام موسےٰ کاظم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شیعوں پر غضب کیا ہے پس مجھکو اختیار دیا ہے کہ اپنے نفس کو الگ کر لوں یا شیعہ سے بڑا ؤ کر دوں پس میں نے اللہ کی قسم ان شیعوں سے کنارہ کیا۔

(۱۰) فلما ان قتل الحسین صلوات اللہ علیہ اشتد غضب اللہ علی اھل الارض

جب حضرت حسین شہید کئے گئے تو اللہ تعالےٰ کا زمین والوں پر غضب اور بھی سخت ہو گیا۔

فاخرہ الیٰ اربعین ومائۃ (اصول کافی ص۲۳۲) پس حضرت امام مہدی کے ظہور کو ایک سو چالیس برس اور بھی مؤخر کر دیا۔

(۱۱) امام موسیٰ کاظم سے ہے۔

لو میزت شیعتی ما وجدتھم الا واصفۃ ولو امتحنتھم لما وجدتھم الا مرتدین۔ (کتاب الروضۃ فروع کافی ص۱۰۱) اگر میں اپنے شیعوں کو الگ کر کے دیکھوں تو صرف باتونی، دل سے کورے ہوں گے، اور اگر امتحان لوں تو مرتد نکلیں گے۔

(۱۲) امام جعفر سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی سے قرآن کی آیت ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین کی تفسیر میں فرمایا کہ۔

ھم شیعتک فسلم، ولدک منھم ان یقتلوھا۔ (کافی کلینی) آیت میں مراد تمہارے شیعہ ہیں ان سے اپنی اولاد کو بچاؤ مبادا کہ شیعہ انکو قتل نہ کر ڈالیں۔

(۱۳) حضرت علی نے امام حسنؓ کو وصیت کی کہ "اے فرزند جب میں دنیا سے مفارقت کر دوں، اور میرے اصحاب (شیعہ) تم سے موافقت نہ کریں تو لازم ہے کہ تم خانہ نشین رہنا"۔ (جلاء العیون)

(۱۴) امام حسن۔ خدا کی قسم معاویہ میرے لئے بہتر ہے، اُس جماعت سے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے شیعہ ہیں اور (حالانکہ انہی شیعوں نے) میرے قتل کا ارادہ کیا اور مجھ کو غارت کیا کہ ایک شخص امام کا مصلّیٰ لے بھاگا۔ اور دوسرے نے آپ کی ران مبارک پر کلہاڑی ماری۔

(ازالۃ العین از بحار الانوار جلد ۱۰ وجلاء العیون)

(۱۵) امام حسنؓ۔ اے جماعت (شیعہ) تمکو ذلت و تباہی ہو تم کس قدر بُرے آدمی ہو۔ (ناسخ التواریخ ص۱۹۲) اے گمراہان اُمت، ترک کنندگان کتاب، متفرقان احزاب، پیروان شیطان، ترک کنندگان سنت ہائے پیغمبراں، کشندگان و ہلاک کنندگان اولاد و عترت اولیا و پیغمبران الحاق کنندگان اولاد زنا بغیر پدراں، ایذا رسندۂ مومنان، یاوری کنندۂ ظالماں، تم پر وائے ہو، لعنت خدا ہو۔ (جلاء العیون)۔

(۱۶) تحفہ جوادیہ مطبوعہ جعفری لکھنؤ ص۹۵ پر ہے، کہ بانگ میں کلمہ اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشھد ان علیاً ولی اللہ بطور تبرک ملانا جائز ہے، شرح لمعہ شیعی میں ہے۔

ذالک من اتخاذ المفوضۃ وھم طائفۃ اذان میں کلمہ علوی ملانا ملعون غالی

من الغلات لعنهم الله . شیعوں کا کام ہے۔

(۷) کتاب من لایحضرہ الفقیہ باب الاذان میں ہے۔

هٰذا هو الاذان الصحيح لايزيد ولاينقص منه والمفوضه لعنهم الله قد وضعوا اخبارًا وزادوا في الاذان محمد وآل محمد خير البرية وفي بعض رواياتهم بعد اشهد ان محمدا رسول الله اشهد انّ عليًّا ولي الله مرتين .

یہی مشہور اذان بلا کم و بیشی صحیح ہے اور ملعون فرقہ مفوضہ نے بہت سی حدیثیں گھڑلی ہیں اور اذان میں محمد وآلِ محمد خیر البریہ ، اور بعض میں اشہد انّ محمداً رسول اللہ کے بعد اشہد انّ علیاً ولی اللہ دو مرتبہ بڑھاتے ہیں۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے

خلاصہ ان حوالجات اور ارشادات کا یہ ہے کہ حضرات ائمہ کرام شیعوں سے سخت ناراض ہیں، انکے حق میں سخت بد دعائیہ کلمات استعمال فرمائے ہیں، انکو منافقین کی طرح فاسق، مغضوب، معتوب، ملعون، معذب، مفتن، منکر وغیرہ مکروہ الفاظ سے یاد فرمایا ہے، اِن کے دَجل و فریب سے الگ ہوئے ہیں، انکی شرارتوں سے تنگ آئے ہیں، اور یہ کہ زبانی محبت اور دل کے کھوٹے ہیں، حضرت علی اور اُنکی اولاد کے دشمن ہیں، اماموں کی بے عزتی کرنیوالے ہیں وغیرہ وغیرہ، اور یہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہوا کہ نا عاقبت اندیشوں نے تقیہ سے اہلِ بیت کو مختلف مصیبتوں کا آماجگاہ بنایا اور یہ نہ سمجھا کہ تقیہ اگر اُس وقت مفید ہوتا تو حضرت امام حسین کو قطعی طور پر علم ہوتا کیونکہ مذہب کی رُو سے امامِ وقت کو تمام واقعات و حوادث کا جاننا ضروری امر ہے، لہٰذا آپ اس کو مفید سمجھ کر ضروری طور پر استعمال فرماتے اور ایسے خطرناک مقام میں تشریف نہ لاتے ۔

بُوئے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل تیری محفل سے جو نکلا سو پریشان نکلا

میرے عزیزو اور دوستو، محترم بزرگو! یہ ہیں ائمہ اہلبیت کے ارشادات شیعہ حضرات کے

متعلق جن کاوشن کر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا عقلمند کے لئے کوئی دشوار نہیں، وہ بآسانی خیال کر سکتا ہے کہ حضرات ائمہ اہلِ بیت کی پسندیدہ لائن کونسی ہے، یعنی وہ سب اہلِ سنت تھے نہ کہ شیعہ اور ان کا شیعہ کے متعلق فتویٰ سوچ بچار اور کافی تجربہ کے بعد صادر ہوا ہے۔

کیا شیعہ کہلانا باعث فخر ہے

آج جہاں تعزیہ وغیرہ کی معصیت کا زور ہے، وہاں یہ چیخ و پکار بھی ہو رہی ہے کہ ائمہ اہلِ بیت سب کے سب شیعہ تھے اور شیعہ پن ہی دینِ الٰہی ہے، اور شیعہ پاک ہیں کیونکہ شیعہ کا معنےٰ پاک گھرانے کے لوگ ہیں اور وہی دُنیا و آخرت میں نجات یافتہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مگر حوالجات مذکورہ بالا سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ اہلِ بیت ہرگز شیعہ نہ تھے اور انہوں نے اس کو پسند کیا۔ بلکہ وہ اس مذہب سے بیزار رہے اور الگ ہو گئے اور لوگوں کو باز رہنے کی ہدایت فرمائی اور شیعہ مذہب کے اوصافِ رذیلہ اور خصائلِ قبیحہ پر لوگوں کو مطلع فرمایا، تو پھر یہ مذہب پاک اور نجات دہندہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ فخر کی معقول وجہ تو یہی تھی کہ وہ مذہب ائمہ کرام کا ہے، جب یہ نہیں تو اس پر فخر کرنا بے سُود ہے۔

رہا یہ امر کہ "شیعہ" کے معنےٰ پاک اور صاف ہے اور نیک گھرانہ ہے، سو ایک جاہلوں کا گھڑا ہوا معنےٰ ہے، شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ قرآن مجید میں اکثر جگہ اس کو مذمت اور بُرائی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

(۱) اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلٰی فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا — ضرور فرعون نے زمین پر غرور کیا اور اہلِ زمین کو شیعہ کر دیا۔

اس آیت میں فرعونی جماعت پر شیعہ کا لفظ بولا گیا ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ — جن لوگوں نے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور شیعہ ہو گئے آپکو اُن سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپکو ان لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیئے جنہوں نے دین میں تفرقہ پیدا کر دیا اور شیعہ ہو گئے۔

(۳) وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا — مسلمانو تم اُن مشرکین میں شامل نہ ہو جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایسے مشرک لوگوں سے الگ رہیں جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور شیعہ تھے۔

(۴) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ط — ہم نے بلاشبہ پہلے شیعوں میں رسول بھیجے مگر جب بھی اُن کے پاس رسول علیہم السلام آئے وہ آگے سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ شیعوں کی عادت نبیوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کرنے کی تھی۔

(۵) فوربك لنحشرنهم والشيٰطين ثم لنحضرنهم حول جهنم جثيّا ثم لننزعن من كل شيعة اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ط — تیرے رب کی قسم ہم ان کافروں کو اور شیاطین کو اکٹھا کرینگے، پھر گھٹنوں کے بل جہنم کے ارد گرد جمع کریں گے، پھر بڑے سرکش شیعوں کو دوزخ میں ڈالیں گے۔

اس آیت میں شیعوں اور شیطانوں دونوں کو بُری طرح جہنم رسید کرنے کو ظاہر کیا ہے اور اسی طرح اور آیاتِ کریمہ ہیں جن میں شیعہ کے لفظ کو فرعونی، فرقہ بندی کرنے والا دین کے ٹکڑے کرنے والا نبیوں سے ٹھٹھا کرنے والا شیطانی، سرکش، جہنمی وغیرہ مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، کوئی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ کہے کہ لفظ "شیعہ" کے معنے "پاک" اور "نیک گھرانہ" ہے؟ ہاں یہ معنی اگر نیک سمجھے جائیں، تو سمجھنے والوں کو مبارک ہوں۔

حقیقت میں بات یہ ہے کہ لفظ شیعہ کے اصلی معنوں میں کوئی اچھائی یا بُرائی نہیں اس کے معنی صرف گروہ اور جماعت کے ہیں، اچھائی بُرائی اس میں اُس چیز سے پیدا ہو جاتی ہے جس کی طرف یہ لفظ منسوب ہو جائے۔ پس اچھی چیز کی طرف منسوب ہُوا تو اس کے معنی اچھا ستھرا ہوگا، اور بُری ہو تو بُرا۔

آیاتِ مذکورہ میں بُری نسبت کی وجہ سے بُرے معنی میں استعمال ہُوا۔ قرآن مجید میں وارد ہے۔ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ یعنے اللہ تعالےٰ کے شیعوں یعنی تابعداروں میں

سے ابراہیم ہے، یہاں پر اچھی نسبت سے نیک معنی تابعداری میں لے گیا ہے۔

شیعوں کا اصلی اور خدائی نام

حضور سرورِ کائنات مفخرِ موجودات جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمتِ مرحومہ کا نام اللہ سبحانہ نے "مسلمان" اور صرف مسلمان رکھا ہے، قرآن مجید میں ہے مِلَّۃَ اَبِیۡکُمۡ اِبۡرٰہِیۡمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ یعنی کہو کہ ہم اپنے باپ ابراہیم کی ملّت پر ہیں" اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا، جب مسلمانوں میں مختلف فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے تو ہر فرقہ اپنے خصوصیات اور ضروری اعمال سے ایک دوسرے سے ممتاز ہوا، چنانچہ کسی فرقہ کا لقب اہلِ سنّت وجماعت مقرر ہوا، کسی کا قدری اور جبری اور معتزلی اور شیعہ حضرات کا رافضی متعین ہوا۔ کیونکہ رافضی چھوڑنے والے کو کہتے ہیں، اور انہوں نے ائمہ اہلِ بیت کی پیروی اور تابعداری چھوڑی اور شریعت سے پشت موڑی، اور اماموں پر ظلم وستم ڈھائے، اُن کو پریشان کیا اُن کی عزت و وقار کو ٹھیس لگائی۔ بڑی بیرحمی سے بعض کو شہید کیا اور اُن کی پھٹکار لیکر اپنی دنیا و آخرت سیاہ کی جیسا کہ اُوپر گذرا ہے، لہذا اہلِ بیت کے صحیح جان نثاروں اور فدائیوں نے انکو رافضی کہنا شروع کر دیا۔ اور ہر خاص وعام کے مُنہ سے اس نام سے پکارے جانے لگے، جس کا ان رافضی دوستوں کو سخت صدمہ ہوا، چنانچہ اصول کافی نولکشور کتاب الروضہ ص۱۶ پر ہے کہ

"ابوبصیر نے ایک روز امام جعفر صادق سے کہا کہ مسلمانوں نے ہمارا نام بُرا رکھا ہے جس سے ہماری کمر ٹوٹ گئی اور دِل مَر گئے، اور ایک حدیث ان کے فقہار نے بیان کی ہے، جس میں ہم کو رافضی کہا ہے اور اسی بنار پر ہمارا نام رافضی رکھا گیا ہے، اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا کیا وہ نام رافضی ہے؟ ابوبصیر راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں، امام نے کہا اللہ کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام نہیں رکھا، بلکہ اللہ نے رکھا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

فقال ابو عبد اللہ علیہ السلام الرافضۃ قال قلت نعم قال لا واللہ ماھم سمّوکم بل اللہ سماکم ــــــ اور قاضی نور اللہ شوشتری مجتہد شیعی نے مجالس المومنین میں تصریح کی ہے کہ قدماء اثناء عشر کا لقب رافضی تھا اور حدیث

جس میں ان کو رافضی کہا گیا ہے ۔ حسب ذیل ہے ۔

سیاتی من بعدی قوم لھم نبذٌ یقال لھم الرافضۃ فان ادرکتم فاقتلوھم فانھم مشرکون قال قلت یارسولؐ اللہ ماالعلامۃ فیھم قال یفرطونك ما لیس فیك ویطعنون علی السلف۔ (دار قطنی) ترجمہ پہلے گزر گیا ہے ۔

جامع اخبار، صحیفہ رضی شیعی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے ' اس سے ثابت ہُوا کہ شیعہ حضرات کا نام رافضی تھا ۔ (اہلبیت اور شریعت کے چھوڑنے والے) جو کہ بتصریح ائمہ خود خُدا وند تعالےٰ نے عطا فرمایا تھا ۔

قدیم زمانہ کے شیعوں نے اسے بصد خوشی قبول کیا تھا' مجتہدین شیعہ نے اسکی تصدیق کی' مگر افسوس کہ آج شیعہ حضرات اس کو پسند نہیں فرماتے' اور خدائی لقب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے مختلف القاب تجویز کرتے ہیں ' بعض اپنے کو شیعہ اور بعض امامیہ اور بعض اثنا عشریہ کہلواتے ہیں ' جن کا قرآن مجید اور حدیث صحیح میں بالکل ثبوت نہیں ۔

لہذا ان کو لازم ہے کہ اپنے کو رافضی کہیں اور کہلوائیں ' کیونکہ یہ خدائی نام ہے جو بہر صورت بہتر بلکہ موجب اجر ہے ۔

کسی گروہ پر لفظ شیعہ بولنے کی ابتداء

اسلام میں اس لفظِ شیعہ کی ابتداء ایک خاص موقعہ پر ہوئی ' اس وقت بلکہ اس کے بعد بھی بہت دنوں تک کسی مذہبی معنیٰ پر اس کو نہیں بولا گیا ' حضرت علی کی جب امیر معاویہ سے جنگ چھڑی تو اُس وقت صحابہ کرام کی تین جماعتیں ہو گئیں ' ایک جماعت حضرت علی کے ساتھ تھی ' اس کو "شیعہ علی" کہتے تھے ' یعنی حضرت کا گروہ اور دوسری جماعت امیر معاویہ کے ساتھ تھی ' اور حضرت معاویہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرتے تھے ۔ اس لئے اس جماعت کو "شیعانِ عثمان" کہا گیا ' یعنی حضرت عثمان کا گروہ ' اور ایک جماعت صحابہ کی نہ اِدھر تھی نہ اُدھر تھی ' یہ لوگ فتنے سے بچنے کے لئے گھر بیٹھے رہے تھے ۔ اسلئے اس کو قاعدین یعنی بیٹھنے والی جماعت کہنے لگے ' مگر صحابہؓ کرام کی یہ تینوں جماعتیں

مذہبی لحاظ سے بالکل متحد تھیں، کوئی دینی اختلاف ان میں برائے نام بھی نہ تھا، سب اہل "سنت وجماعت" تھے، نہ ان میں کوئی رافضی تھا، نہ معتزلی اور قدری و جبری وغیرہ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے "تحفہ اثنا عشریہ" میں لکھا ہے کہ "شیعہ اولیٰ وشیعۂ مخلصین کہ پیشینیاں اہل سنت وجماعت اند" یعنی صدر اول شروع اسلام میں شیعہ کہ اہل سنت وجماعت کے پیشوا تھے" وہ وہی تھے جو قرآن مجید وحدیث شریف پر عامل تھے اور نہایت متدین مخلص تھے اور ان کا اور دیگر صحابہ کا دینی، مذہبی، سیاسی، تمدنی بالکل اتحاد تھا، ہر وجہ سے شیر وشکر تھے، ان کو شیعہ بمعنے جماعت کہا جاتا تھا، نہ اس معنے کے لحاظ سے جس کو تشیعی دنیا نے لفظ شیعہ کیلئے تراش رکھا ہے اور اس کا تعارف تعزیہ وغیرہ ناجائز چیزوں کی ترویج سے پسند فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ائمہ اور اہل بیت سب اہل سنت تھے، کیونکہ وہ اہلسنت کے پیشوا تھے اور ظاہر ہے کہ پیشوا اور اس سے متعلق کا ایک ہی طریقہ ہوتا ہے اور عملی واعتقادی اتحاد ہوتا ہے اور شیعہ کا معنی جماعت تھا نہ کہ فطرتی پاک بہر صورت صحابہ کرام کی ان تینوں جماعتوں کا اتحاد مذہبی اور اتفاق قومی خود حضرت علی کے ارشادات عالیہ سے ظاہر و باہر ہے، چنانچہ نہج البلاغت قسم دوم ص۱۱۸ پر ہے۔

آپ کا ارشاد ہے جب الالتقیا موجود ہے کہ آپ نے جنگ صفین کے بعد ایک گشتی فرمان لکھ کر شائع کروایا جس کا ابتدائی حصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علی کے نزدیک امیر معاویہ مومن تھے

وکان بدأ امرنا انا التقینا والقوم من اھل الشام والظاھر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحد لانستزیدھم فی الایمان باللہ والتصدیق برسولہ ولا یستزیدوننا الامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء	ہمارے کام کی ابتداء یوں ہوئی کہ ہم اور شام والوں کی ایک قوم میں ذرا جھگڑا ہو گیا اور ظاہر بات یہ ہے کہ ہمارا اور اُن کا رب ایک ہے، دعوتِ اسلام ایک ہے، نبی ایک ہے، ہم اُن سے ایمان و تصدیق میں زائد نہیں اور نہ وہ ہم پر زائد ہیں ہر طرح سے متحد اور مساوی ہیں، حضرت عثمان کے قصاص کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تھا جس سے ہم ہر طرح سے بری ہیں۔

اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مقابلین اہل شام کا اور اپنا مذہب و ملت ایک بتا رہے ہیں پھر جماعت قاعدین کے لئے تو کچھ ہی نہیں وہ بھی یقینی طور پر متحد ہیں اور مذہبی اتحاد ہی نہیں بلکہ فضائل و کمالات کی بنیاد یعنی ایمان اور دعوت الی اللہ ان دونوں چیزوں میں اپنے کو اور ان کو برابر اور مساوی فرمایا ہے ؎

جان نثاران نبی سب اہل سنت سے ہی تھے جھوٹ سے نفرت تھی انکو اور حق سے پیار تھا
مہر چرخ نبوت تھے محمد یار تارے تھے علی پہ منحصر کیا ہے سبھی احمد کو پیارے تھے

صحابہ اور ائمہ اہلبیت کا مذہب ایک تھا

روز روشن سے زیادہ ثابت ہوا کہ لفظ "شیعہ" قرون اولیٰ اور ابتدا اسلام میں کسی مذہبی معنی پر نہیں بولا گیا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ تمام صحابہ اور حضرت شیر خدا کا مذہب ایک تھا، اور وہ سب اہل سنت و جماعت تھے، محض شیعہ دوستوں کی منگھڑت اور اختراع ہے، انہوں نے اپنے بزرگوں کی طرح یہ محسوس کر کے کہ "رافضی" کہلوانے میں خواہ مخواہ بدنامی ہوتی جاتی ہے، ہماری اہل بیت کے ساتھ ظلم و ستم کی کیفیت کا بھانڈا پھوٹا جاتا ہے، ہماری بے پرواہی اور خود روی طشت از بام ہوتی ہے، بڑی چالاکی سے اپنا لقب شیعہ تجویز کر لیا۔ اور اس کو مذہبی معنی میں استعمال کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ شیعہ کے معنی پاک اور نیک گھرانہ ہے۔

اثنا عشریہ اور امامیہ لقب کی ابتدا

شیعہ لفظ کی طرح اثنا عشریہ اور امامیہ لفظ و لقب بھی ابتداء اسلام اور قرون اولیٰ میں کسی مذہبی معنی پر نہیں بولا گیا، صرف "رافضی" لقب سے بدنامی ہونے کی وجہ سے یہ لقب اختیار کئے گئے ہیں اور ایسے معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں جن کو سن کر ایک ادنیٰ سے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیونکہ جنہوں نے اپنا لقب اثنا عشر تجویز کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم بارہ اماموں کو مانتے ہیں، اتنی بات میں تو کوئی حرج نہ تھا۔ بلکہ ایمان ہے، لیکن یہ تو انکے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ بارہ امام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح واجب الاطاعت ہیں اور آپکے جملہ

جملہ کمالات و فضائل میں آپ کے ساتھ ہر طرح سے شریک اور برابر ہیں۔ استغفر اللہ
اصولِ کافی صفہ ۱۱ پر ہے " امام جعفر سے روایت ہے کہ فرمایا میں وہ کرتا ہوں جو کہ حضرت علی نے فرمایا ہے اور جس سے روکا، رُکتا ہوں اور اُن کی فضیلت وہی ہے جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اور وہ فضیلت تمام مخلوقات پر ہے اور ایسی ہی بزرگی تمام ائمہ اہل بیت کو یکے بعد دیگرے حاصل ہے"
اسی طرح امامیہ بھی کہتے ہیں کہ ہم بارہ اماموں کو مانتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہ تھا لیکن یہ تو یہ اعتقاد ظاہر کرتے ہیں کہ بارہ امام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح معصوم اور واجب الاطاعت ہیں، اور نبی کریم کے ساتھ ہر امر میں مساوی اور شریک ہیں اور لطف یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ ختمِ نبوت کا بھی اعلان کرتے ہیں"۔ ایں چہ بو العجبی است"
بہر صورت ثابت ہوا کہ لفظ "شیعہ" اسلام میں کسی مذہبی معنی پر نہیں بولا گیا، ائمہ اہلِ بیت نے اسکو اچھی نظر سے نہیں دیکھا، صرف شیعہ برادروں کی ایجاد ہے، جن کا قدرتی اور اصلی لقب "رافضی" تھا، کاش کہ حضراتِ شیعہ اسی خدائی لقب کو پسند فرمائیں، اللہ توفیق عطا فرمائے، آمین۔

لقب "اہل سُنت و جماعت" کا ثبوت

اہل سنت وجماعت کا لقب سُنی حضرات کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ثبوت قرآنِ مجید اور احادیثِ مُسلّمہ فریقین میں بڑی صراحت سے موجود ہے، اس لقب میں دو جزو ہیں، ایک سنت اور دوسری جماعت، سنّت کے معنی یہ ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو یعنی جو طریقہ آپ کا تھا جس پر آپ نے اپنے اصحاب کو چلایا تھا اُس طریقہ پر چلنے والا، اور جماعت کے معنے یہ ہیں کہ کلمہ گویانِ اسلام سے جو لوگ جماعت اور سوادِ اعظم کے صحیح مصداق ہیں، اُن میں شامل ہونے والا، بڑے گروہ، بڑی جماعت کی تحقیقات میں جو تعلیم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ثابت ہوتی ہے، اُس تحقیق پر عمل کرنے والا، نہ یہ کہ جماعت کے بنائے ہوئے مذہب کو ماننے والا کیونکہ مذہب کے بنانے

کا نہ کسی شخص کو اختیار ہے نہ کسی جماعت کو، دین خدا کا ہے اور خدا کی طرف سے نازل ہوا
پس دونوں جزوں کے ملانے سے یہ ثابت ہوا کہ جس نے سنت چھوڑی اور اس کو باعث
ہدایت ونجات نہ سمجھا وہ بھی اہلِ سنت نہیں ہے اور جس نے جمہوری تحقیق کو ترک کیا
وہ بھی اہلِ سنت نہیں ہے، اور دونوں کو چھوڑنے والا بطریق اولیٰ اہلِ سنت وجماعت
نہیں اور جس نے دونوں پر عمل کیا وہ اہلِ سنت وجماعت ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدٰی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّٰی ونصلہٖ جھنم وساءت مصیرا۔	جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور جمہور اسلام کا خلاف کرے ہم اسکو اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا اور جہنم میں داخل کریں گے وہ بہت بُری جگہ ہے۔

اس آیت میں دو چیزوں کی ممانعت کی ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، اور
جمہور فقہا اسلام والوں کی راہ کے خلاف چلنے کی کوشش کی، نتیجہ صاف ہے کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا چاہیئے اور جماعت، اہلِ ایمان کی راہ اختیار کرنا
چاہیئے، سنت اور جماعت کا ثبوت اس سے اور زیادہ واضح کیا ہو سکتا ہے؟

حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (المؤطا)	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزیں تم میں چھوڑ چلا ہوں جب تک ان پر عمل کرتے رہو گے گمراہ نہ ہو گے، کتاب مجید اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اتبعوا السواد الاعظم من شذّ شذّ فی النار۔ (ابن ماجہ)	جمہور اسلام کا اتباع کرو، جو بڑی جماعت سے الگ ہو گا وہ جہنم میں جائیگا۔

ان دونوں حدیثوں سے سنت اور جماعت کے علاوہ جماعت کی اہمیت بھی ظاہر
ہو رہی ہے کہ جماعت سے الگ ہونے میں سخت نقصان ہے کہ شخص جہنم رسید ہو جاتا ہے۔

شیعہ کتب میں اہلِ سنت وجماعت حق پر ہے اور واجب الاتباع

نہج البلاغت مصری قسم اول صـ۱۶۱ پر ہے، حضرت فرماتے ہیں۔

خیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علے الجماعۃ۔

بہترین وہ لوگ ہیں جو میرے حالات میں افراط و تفریط سے بچتے ہیں پس بڑی جماعت کی پیروی کا التزام کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کیلئے ہے۔

۴۸۵ صفحہ پر آپ فرماتے ہیں فاجتمع القوم علی الفرقۃ وافترقوا عن الجماعۃ کانھم ائمۃ الکتاب ولیس الکتاب امامھم۔

ایک قوم جماعت سے الگ ہوگئی گویا وہ یہ سمجھتی ہے کہ انکے پاس کتاب ہے حالانکہ اُن کے پاس کتاب ہے قرآن نہیں ہے، یعنی وہ قرآن کے خلاف چلے گی۔

علامہ ابنِ بابویہ قمی کتاب خصال مطبوعہ ایران ص۱۴۱ ج ۲ میں حدیث ہے۔

ان امتی ستفترق علی اثنین و سبعین فرقۃ یھلك احدی سبعون یتخلص فرقۃ قالوا یارسول اللہ من تلك قال الجماعۃ الجماعۃ الجماعۃ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری امت بہتّر فرقوں پر بٹ جائیگی جن میں سے صرف ایک جماعت راہ یافتہ ہوگی باقی سب ضلالت و گمراہی میں ہونگی، عرض کیا گیا کہ وہ کونسی ہے آپنے تین دفعہ فرمایا کہ وہ جماعت، جماعت، جماعت ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل تفرقت علے اثنین و سبعین فرقۃ وتفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (رواہ الترمذی) فی روایۃ احمد وابی داؤد عن معاویۃ نثتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ۔ یعنی بنی اسرائیل کی طرح میری امت بھی کئی فرقے ہوجائیگی جن میں سے صرف ایک جماعت جنتی ہوگی اور وہ (بڑی) جماعت ہوگی۔

ان حدیثوں میں کس زور سے سنّت پر عمل کرنے کو ارشاد فرمایا گیا ہے اور سوادِ اعظم اور بڑی جماعت میں شامل ہونے کو کس قدر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں کے بغیر ہدایت اور نجات کی کوئی صورت نہیں، ان کی مخالفت دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے اور سنّت پر عمل کرنا اور اسلامی بڑی جماعت میں شامل ہوکر اُن کے تحقیقی مسائل پر کاربند

ہونا جنت میں داخل ہونے کا بہترین وسیلہ ہے۔

ثابت ہوا کہ لقب "اہلسنت وجماعت" قرآن مجید اور حدیث پاک اور ائمہ کرام کا عطا کیا ہوا ہے کسی کا شیعہ لقب کی طرح مذہبی معنیٰ لینے کی رُو سے گھڑا ہوا نہیں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ مذہب اہل سنت وجماعت ہی قرآن اور حدیث اور اقوال ائمہ اہلبیت کی رُو سے صحیح ہے' اسی کی پیروی نہایت ضروری ہے اور اسی پر رہ کر نجات حاصل ہو سکتی ہے' اس کی مخالفت سے ایمان کے ضائع ہونے کا سخت سے سخت خطرہ ہے۔

ائمہ اہل بیت سب سُنّی مذہب تھے

ائمہ اہل بیت قرآن مجید پر عامل اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامل اور اقوال صحابہ کے قائل اور ان کے اعمال میں شامل تھے اور بوجوہ حسب ذیل پکے اہل سنت وجماعت تھے (۱) حوالجات مندرجہ عنوان "شیعہ ائمہ کرام کی نظر میں" سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے آپکو شیعوں سے الگ رکھتے اور دوسروں کو اُن سے الگ رہنے کی تعلیم دیتے رہے اُن کو بُرے بُرے الفاظ والقاب سے یاد فرماتے رہے تو پھر وہ شیعہ کیسے شمار کئے جا سکتے ہیں' کیونکہ موٹی سی بات ہے کہ وہ جس میں دوسرے کو داخل ہونے سے رد کرتے ہیں اور اُسکو نفرت کی نگاہ سے مشاہدہ فرماتے ہیں اُس میں خود کیسے شامل ہو سکتے ہیں' لہٰذا وہ شیعہ نہ تھے بلکہ پکے سنّی تھے۔

(۲) آج شیعہ حضرات جو کچھ کر رہے ہیں جو اعمال وافعال اُنکی طرف منسوب کرتے ہیں ائمہ اہل بیت نے وہ بالکل نہیں کئے' پس یہ سب اُن پر بہتان وافتراء ہے لہٰذا وہ شیعہ نہ تھے بلکہ وہ سُنّی تھے۔

(۳) ائمہ کرام نے صحابہ کے ساتھ ملکر متحدہ طور پر تبلیغ اسلام کا کام کیا' صحابہ کے اعمال وافعال کو پسند فرمایا' اُنکی اقتدار کی اُنکے مسائل واحکام پر عمل کیا' اُنکے پیچھے نمازیں جمعہ عیدین وغیرہ ادا کیں' اُن کی خلافت کو مانا' اُنکے ساتھ ملکر جہاد اسلام کیا' اُن کو دین واسلام کا حامی اور یاور یقین کیا' اُنکی تعلیم وتحکیم کو خدائی ہر دگرام خیال کیا' اُنکی صداقت وشجاعت وعدالت ودیانت کا اعتراف کیا۔ جیسا کہ نہج البلاغت قسم دوم ص۱۱ پر موجود

ہے کہ "جب جنگِ صفین ختم ہوئی تو آپ (علی) نے اطرافِ ملک میں ایک گشتی فرمان لکھکر روانہ فرمایا جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے (اصل عبارت پہلے گذر چکی ہے)۔

"ہمارے کام کا آغاز یُوں ہُوا کہ ہم میں اور اہلِ شام کی ایک قوم میں مقابلہ ہُوا اور ظاہر ہے کہ ہمارا اور اُن کا خدا ایک ہے اور ہمارا اور اُن کا نبی ایک ہے اور ہماری اور اُن کی دعوتِ اسلام یکساں ہے، اللہ پر ایمان رکھنے میں اور تصدیقِ رسول میں نہ ہم اُن سے زیادہ ہونے کے مدعی ہیں نہ وہ ہم سے زیادہ ہونے کے مدعی، ہمارے اور اُنکے درمیان صرف خونِ عثمان کا جھگڑا ہے اور اس خون سے ہم بَری ہیں۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس ارشاد سے جو کہ اطرافِ مملکتِ اسلامیہ میں آپ نے لکھ کر روانہ فرمایا تھا کہ اور اس سے ہر خاص و عام کو مطلع فرمایا تھا، ثابت ہُوا کہ آپ کا مذہب اور طریقہ و طرزِ عمل وہی تھا جو کہ دیگر صحابہ کرام کا تھا توحید و رسالت اصول و فروع میں سیاست و امارت میں، ارادت و عقیدت میں متحد و متفق تھے۔

روضۃ الصفا اور نہج البلاغت و کُتبِ شیعہ میں جو خط حضرتِ شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہو جانے کے بعد اپنی بیعتِ خلافت تسلیم کرانے کے لئے روانہ کیا تھا وہ اس طرح پر ہے۔

حضرت علی کے نزدیک اصحابِ ثلٰثہ کی خلافت حق ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من امیر المؤمنین علی بن ابی طالب الی معاویۃ بن سفیان امابعد فان بیعتی لزمتك یامعاویۃ وانت بالشام فانہٗ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علٰی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرُدّ وانما الشورٰی للمھاجرین والانصار فان اجتمعوا

آپ فرماتے ہیں کہ اے معاویہ میری بیعت اور خلافت تجھ پر شام میں لازم ہو چکی ہے، کیونکہ میری بیعت اُن لوگوں نے کی ہے جنہوں نے اصحابِ ثلٰثہ ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعتِ خلافت کو تسلیم کیا تھا اور اُسی بات پر کی ہے جس پر اُن کی مانی تھی۔ لہٰذا کوئی حاضر و غائب اسکے خلاف کرنے کا مجاز نہیں ہے اور مشورہ (خلافت وغیرہ کے متعلق) صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے (یعنی اس میں شامیوں اور کوفیوں کو کوئی دخل نہیں)

علے رجل واحد وسموہ اماماً کان ذالك لله رضاً۔ جس کو اپنا یہ خلیفہ و امام چن لیں پس وہی سب مسلمانوں کا خلیفہ و امام متصور ہوگا اور اسی میں خدا کی رضا ہے اور وہ خدائی خلیفہ و امام یقین کیا جائے گا۔"

اس خط کا جواب امیر معاویہ نے لکھا تھا اُس کے جواب الجواب میں حضرت علی فرماتے ہیں اما ما ذکرت منازل الخلفاء فضائلهم فنقول نحن وجدنا افضلهم فی دین الله تعالیٰ ابابکر العتیق الصدیق ثم عمر الفاروق الذی لایخاف فی الله لومة لائم ثم ذی النورین الذی یستحی منه الملائکة ولعمری ان مکانهم فی الاسلام لعظیم فرحمهم الله وجزاهم احسن ما عملوا۔

(اے معاویہ) جو تو نے اصحاب ثلٰثہ اور خلفاء راشدین کے فضائل ورُتبے اور خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہ سب صحیح ہیں اُن کا کون منکر ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے صحابہ کرام میں سے بہترین اور بلند ترین جس کو پایا اور دیکھا ہے وہ حضرت ابوبکر عتیق و صدیق تھے پھر حضرت عمر ملقب بفاروق جو کہ حق کہنے میں کسی سے خوف نہ کھاتے تھے اور پھر ذی النورین عثمانؓ صاحب حیا کہ اُن سے فرشتے بھی شرماتے تھے اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اصحاب ثلٰثہ کا اسلامی دنیا میں ایک عظیم الشان مرتبہ ہے (جس کی مثال نہیں) پس اللہ تعالیٰ ان پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور ان کی اسلامی خدمات کی اُن پر بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔

نیز محمد بن المنکدر سے مروی ہے۔

انهٗ رای علیاً علی المنبر بالکوفة وهو یقول لان اتیت برجل یفضلنی علی ابی بکر و عمر لاجلدنهٗ حد المفتری

محمد بن منکدر کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کو کوفہ میں منبر پر کہتے ہوئے سُنا کہ بلاشبہ وہ شخص جو کہ صدیق اکبر اور عمر پر مجھکو فضیلت دیتا ہے اگر میرے پاس پکڑ کر لایا جائے تو میں اُسکو مفتری اور بہتان تراشی کرنے والے کی سزا دُوں۔ (رجال کشی صنہ ۲۵۰)

اسی طرح امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں۔

حب ابی بکر و عمر ایمان و بغضهما یعنی ابوبکر صدیق اور عمر کی محبت عین ایمان

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا اور ان دونوں سے بغض و عداوت رکھنا بہتان عظیم اور واقع کے خلاف ہے اور کفر کا ارتکاب ہے۔

ان عبارتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت علی اصحابِ ثلثہ کی دینی خدمات کے معترف اور انکی خوبیوں اور فضائل کے قائل تھے، ان کو تمام صحابہ بلکہ اپنے سے بھی اعلیٰ و افضل تسلیم کرتے ہیں، اُن کو نہایت تعظیمی الفاظ سے یاد فرماتے ہیں، قسمیہ بیان سے اُن کی برتری اور بلند پایگی کا اعلان کرتے ہیں، اُن کی مذہبی اور دینی خدمات پر اُن کے لئے یادگارِ الٰہی سے حصولِ مغفرت کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرتِ شیرِ خدا کا طرزِ عمل اور طریقِ کار وہی تھا جو کہ دیگر صحابہ کا تھا، وہی دین و مذہب تھا جو اُن کا تھا، وہی بیعتِ خلافت تھی جو اُن کی تھی، سب اس پر عملی و اعتقادی طور پر متحد و متفق تھے اور یہ ایک کھلی ہوئی مسلّم بین الفریقین حقیقت ہے کہ اصحابِ ثلثہ اور ان کے پیرو حضرات سب کے سب اہلِ سنت و جماعت تھے اور ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ ائمہ اہلِ بیت بھی بلا شک و شبہ اہلِ سنت و جماعت تھے نہ کہ شیعہ و رافضی۔

(۴) حضراتِ ائمہ اہلِ بیت نے سنت پر چلنے اور سب سے بڑی جماعتِ اسلام اور سوادِ اعظم میں شامل ہونے کی بڑی شد و مد سے تائید فرمائی ہے، اسی کی وصیت کی ہے۔

(۱) کافی کلینی ص ۳۷ ج ۱ و پر ہے۔

ان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سَنَّ سنۃً حسنۃً جمیلۃ ینبغی للناس اخذہا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین طریقہ سنت بتایا ہے جس پر چلنا لوگوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔

(۲) کافی کلینی ص ۱۳۲ ج ۱ پر ہے اَللّٰھم ارحم خلفائی قیل من خلفاءک یا رسول اللّٰہ قال الذین یاتون من بعدی یردون حدیثی وسُنّتی

حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ اے اللہ خلفاء پر رحم فرما عرض کیا گیا کہ آپ کے خلفاء کون ہیں فرمایا جو میرے بعد آکر میری سنت اور حدیث کو جاری کریں گے۔

(۳) کافی کلینی صہ ۲۱۳ ج ۲ پر ہے ما بال اقوام غَیَّروا سنة رسول الله وَعَدَلُوْا عَنْ سُنَّتِهٖ لا یتخوفوا ان ینزل بھم العذاب۔

قوموں کی حالت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کو بدل دیا ہے اور آپ کی سنت سے الگ ہو گئے ہیں اس سے نہیں ڈرتے کہ اُن پر عذاب الہٰی اُترے۔

(۴) کافی کلینی صہ ۳۹ ج ۱ پر ہے من احب ان یکون علیٰ فطرتی فلیستنَّ بِسُنَّتِیْ

جو میری فطرت پر ہونا چاہتا ہے اُسکو چاہیئے کہ میری سنّت پر عمل کرے۔

(۵) کتاب من لایحضرہُ الفقیہ صفحہ ۳۶۲ و ۲۵۹ ج ۴ پر ہے۔

انما علیکم اقامة السنة۔

تم پر لازم ہے کہ میری سنّت پر قائم رہو۔

(۶) معانی الاخبار صہ ۵ پر ہے، یا علیُّ اوصیك الاخذ بسنتی۔

اے علی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ میری سنّت پر عمل کرو۔

(۷) جلاء العیون اُردو صہ ۲۰۵ ج ۱ پر ہے کہ " حضرت علی نے وصیّت کی تھی کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور سنتِ طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضائع نہ کرنا "

ان حوالجات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ کرام نے اہلِ سنت وجماعت کی پیروی کی سخت تاکید کی ہے، اسی کی وصیت کی ہے اسکی مخالفت کرنے والے کو ہلاکت ونزولِ عذاب کی وعید وتہدید سناتی ہے، اس پر چلنے کو ہدایت اور تقاضائے فطرت ہونا فرمایا ہے، اسی پر فوت ہونے کی خواہش کی ہے، چنانچہ حضرت زین العابدین سے مروی ہے توفنا علیٰ ملتك وسُنّة نبیك محمد صلی الله علیه وسلم، بخلاف شیعہ بننے کے کہ اس کی رغبت تک نہیں کی بلکہ نفرت کی اور شیعہ کو اہلِ باطل (معانی الاخبار صہ ۵) اہلِ جہالت (نہج البلاغت صہ ۹۵) فرقہ بندی کرنے والا (نہج البلاغت صفحہ ۹۰، ۹۵ وغیرہ فرما کر خود اس سے کنارہ کشی کی اور دوسروں کو علیحدہ رہنے کی تلقین کی۔

نتیجہ صاف ہے کہ ائمہ کرام سب اہلِ سنت وجماعت تھے اور اسی کی ہدایت فرماتے رہے،

(۵) خود ائمۂ اہلِ بیت نے اقرار کیا ہے کہ ہم اہلِ سنت وجماعت ہیں۔ (رسالہ تبرّا مطبوعہ یوسفی دہلی شیعہ صہ ۱۵ پر ہے، حضرت علی کا اقرار موجود ہے کہ فرماتے ہیں۔

انا واللہ اھل السنۃ والجماعۃ۔ اللہ کی قسم ہم قطعی طور پر اہلسنت وجماعت ہیں۔

(۶) آج ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین پر شیعہ حضرات کے فیوض باطنی اور اسرارِ روحانی بالکل ناپید ہیں، تاریخ اور واقعات شہادت دیتے ہیں کہ شیعہ اعتقادات رکھنے والوں سے اسرارِ ولایت و برکات روحانی سے بہت کم لوگ مستفید ہوئے ہیں، بلکہ ندارد ہیں، نہ ان میں غوث نہ قطب، نہ ابدال نہ کوئی اور بزرگ، نہ زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد، حالانکہ ان کی کثرت ہونی چاہیئے تھی، اور روحانی طاقتوں کا وجود ان پر وقف ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ فیوض و برکات روحانی اور اسرارِ ولایت اور رموز طریقت ائمہ اہل بیت سے سرزد ہوئے، وہ اس روحانی شیعہ لائن اور طریقِ باطن کا مصدر و منبع ہیں، لہذا اُن سے زیادہ تر وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جو اُن کی راہ پر قائم ہیں اور اپنی جملہ روحانی ترقیوں کے لئے اُن کو ذریعہ سمجھتے ہیں، اُن کی پوری پیروی اور اقتدا کا دعوٰی کرتے ہیں، دن رات اُنہیں کے گیت گاتے رہتے ہیں۔

اب اگر شیعہ حضرات کا یہ دعوٰی سچا ہے کہ ائمہ اہلِ بیت شیعہ تھے، اُن کے خیالات و اعتقادات یہی تھے جن پر کہ آج شیعہ دنیا قائم ہے، اور شیعہ بزرگ بھی اُن کی پوری پوری پیروی کرتے ہیں، پھر فیوض باطنی اور اسرارِ ولائیت و انوارِ روحانیت وغیرہ شیعہ حضرات میں ناپید و معدوم کیوں ہیں؟ دنیا جانتی ہے کہ شیعہ حضرات میں سے ایسے کتنے ہیں جو اسرارِ ولایت اور انوارِ شریعت کے مالک ہوئے؟ اور کسی ملک کا تو پورا پتہ نہیں، ہندوستان کا برّاعظم شیعہ ولائیت سے بالکل خالی ہے، ثابت ہُوا کہ ائمہ اہلِ بیت شیعہ نہ تھے اور نہ یہ شیعہ حضرات صحیح طور پر ان کے پیروکار نظر آتے ہیں، دونوں طرف ایک کشیدگی کی خلیج حائل ہے، کوئی مناسبت نہیں، لہذا اہلِ بیت سے جو کہ مصدرِ فیوض و برکات روحانی ہیں، یہ شیعہ بزرگ کچھ حاصل نہ کر سکے بلکہ وہ اہلسنت وجماعت تھے اور دنیائے اہل سنت وجماعت سب ان کی صحیح طریق سے تابعدار اور فرمانبردار ہے، دونوں میں اتحاد ہے، دل ملے ہوئے ہیں، باطنی ربط پیدا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہلِ سنت وجماعت میں سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے اہل بیت سے فیوض حاصل کئے اور رموز باطنی اور اسرارِ طریقت سے مالا مال ہوئے، سینکڑوں اوتاد و ابدال و اغیاث و اقطاب وغیرہ رونق افروز ہیں، جن سے دنیا کی رونق اور زیبائش کو

کو چار چاند لگے ہوئے ہیں، ان کے درِ دولت پر مخلوقِ خدا پروانہ وار گِر رہی ہے، انکے فیوض و برکات کی ایک دھوم مچی ہوتی ہے اور جانے دیجئے صرف پاک و ہند کو دیکھئے کہ حضرت داتا گنج بخش، حضرت میراں بادشاہ، حضرت میاں میر، حضرت مکی شاہ وغیرہ لاہور شریف، حضرت بابا فرید گنج شکر پاک پٹن شریف، حضرت خواجہ معین الدین اجمیر شریف حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی دہلی شریف، حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیر شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین و دیگر متعدد حضرات تشریف فرما ہیں، جن کی ولایت کا انکار چاند پر تھوکنا ہے اور یہ سب اہلسنت وجماعت تھے، پس ثابت ہوا کہ ان کے پیر و مرشد حضرات اہلِ بیت ائمۂ اطہار بھی ضروری اور یقینی طور پر اہلِ سنت وجماعت ہی تھے۔

دلیل نمبر ۱۔ رسمِ تعزیہ گو اس میں قدرے شریعتِ پاک کی مخالفت بھی ہے، لیکن شہداءِ کربلا اور خواہرانِ امام حسینؑ، اُم کلثومؑ زینبؑ کی مظلومیت کو بیان کیا جاتا ہے، ان کے فنا فی اللہ ہونے کا تذکرہ ہے، ان کے استقلال کی کیفیت جس سے اسلام پھر دوبارہ زندہ ہوگیا اور حق باطل سے ہمیشہ کے لئے ممتاز ہوگیا اور ان کی عزت و وقار کے قائم کرنے کا بیان ہے، ظالموں اور بے رحموں کا تفصیلی نقشہ ہے، جو کہ شریعت میں جائز ہے، کیونکہ کسی کی مصیبت اور مظلومیت کو بیان کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ خود قرآنِ مجید میں بعض بزرگوں کی مصیبتوں کا ذکر موجود ہے، جیسے حضرت مریم علیہا السّلام کہ عیسےٰ علیہ السّلام کی ولادتِ باسعادت کے وقت قوم اُن سے بدظن ہوگئی اور زنا کی تہمت لگادی، حتیٰ کہ اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ذریعہ حضرتِ مریم علیہ السّلام کا اس تہمت سے بَری ہونا ظاہر کرنا پڑا کہ اُن کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بلا باپ پیدا کیا ہے، اور وہ جیسے چاہتا ہے، ویسے پیدا کرتا ہے، اسی طرح اور متعدد واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

بہر صورت یہ جائز ہے، بلکہ اس میں ایک فائدہ ہے کہ شیعہ مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، یہی ایک طریقہ ہے، جس کی وجہ سے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں شیعہ مذہب میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس میں غیر مسلموں نے اقرار

بھی کیا ہے کہ شیعہ مذہب کی تعزیہ وغیرہ کی وجہ سے بڑی ترقی ہوتی ہے اور دن بدن انکی جماعت بڑھ رہی ہے، اور دینی و دنیاوی اقتدار و وجاہت کا سبب بنتی جا رہی ہے۔

جواب: مسلمانوں کو بحیثیت مسلمان ہونے کے قرآن مجید اور شریعتِ پاک کی ایک ذرّہ بھر نافرمانی کرنا قطعًا ناجائز ہے، قرآن مجید میں ہے۔

اِن الّذین یحادّون اللہ ورسولہٗ — جو لوگ خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول علیہ السلام

اُولٰئِکَ فی الاذلّین — کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہیں۔

اسی طرح اور متعدد آیات کریمہ اور احادیثِ صحیحہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو شریعت کی نافرمانی ناجائز ہے اور کسی مظلوم کی کیفیتِ ظلم کو ظاہر کرنا اس حد تک جائز ہے کہ اس میں شریعتِ پاک کی بھی مخالفت نہ ہو، اور شہداءِ کربلا کے اظہارِ ظلم کی کیفیت جو شیعہ اور ماتمی حضرات آج پیش فرما رہے ہیں وہ سراسر شریعت کے خلاف ہے کیونکہ تعزیہ مرسومہ میں ناجائز بدعتوں کے علاوہ واقعاتِ کربلا کو بھی صحیح طور پر بیان نہیں کیا جاتا، حضرتِ مریم اور دیگر حضرات کی مصیبتوں کا ذکر جو قرآن مجید میں موجود ہے، وہ درست اور صحیح ہے، لیکن اس سے اس رسمی تعزیہ کا ثبوت ہرگز نہیں نکلتا، کیونکہ اس میں واقعاتِ کربلا کا صحیح نقشہ بھی ہوتا اور حضراتِ اہلِ بیت اور شہداءِ کرام کے استقلال اور اعتماد کا بیان ہوتا تو بھی ایک بات تھی، لیکن یہاں پر تو معاملہ ہی برعکس ہے، ہزاروں بدعتوں اور ناجائز چیزوں کو تعزیہ کی صورت دیکر حضراتِ شہداءِ کرام کی ارواحِ طیبہ کو ناراض کرنے کے لئے کوشش کی گئی ہے، باقی رہی تبلیغِ مذہبِ شیعہ کہ اس کے لئے تعزیہ وغیرہ ایک بہترین مبلغ ہے، مخالفین کو اعتراف ہے کہ شیعہ جماعت میں اسکی بدولت بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ سو اس کے متعلق گزارش ہے کہ عارضی طور پر کسی جماعت کا ترقی کر جانا اور مخالفین کا اس کی اس ظاہری ترقی کو دیکھ کر حیران ہو جانا، یہ کوئی صداقت کی دلیل نہیں۔ باطل کبھی چمک جایا کرتا ہے، ہزاروں ایسے باطل فرقے پیدا ہوئے اور متعدد فتنے اُٹھے جن کی ابتدائی ترقی کو دیکھ کر دنیا حیران ہو گئی اور ایک خلق کثیر اُن کا شکار ہو گئی، لیکن دنیا نے پھر انہیں آنکھوں سے دیکھا کہ چند دنوں کے بعد اُنکا نام و نشان بھی نہ رہا، ہمیشہ کیلئے تختۂ زمین سے اُتار دیئے گئے۔

دوسرے اس لئے کہ یہ طریق شرعی طریق تبلیغ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ تعزیہ وغیرہ خود ناجائز ہے، تو ناجائز طریق سے تبلیغ شرعی کیسے جائز ہوگی، کیا یہ جائز ہوگا کہ ہم رنڈیوں وغیرہ کو نچا کر، باجے بجا کر اسلام کی تبلیغ کریں اور گراموفون سے قرآن پڑھ کر سنائیں؟ ہرگز نہیں اور یہ محض اسواسطے ناجائز ہے کہ یہ طریق تبلیغ شرعی طور پر غلط اور غیر صحیح ہے، لہٰذا بصورت تعزیہ وغیرہ تبلیغ کرنا بھی ناجائز ہے۔

شیعوں کو مذہبی تبلیغ کرنا منع ہے جو کریگا ذلیل ہوگا

تیسرے اس لئے یہ طریق تبلیغ ناجائز ہے کہ شیعہ حضرات کو بحسب ارشادات ائمہ کرام مندرجہ کتب شیعہ سرے سے تبلیغ مذہب اور اشاعت دین شیعہ کی اجازت ہی نہیں، ائمہ اہل بیت نے منع فرمایا ہے کہ ہمارے دین کو ظاہر نہ کیا جائے، جو اس کی اشاعت کریگا وہ دین و دنیا میں ذلیل و خوار ہوگا۔

(۱) اصول کافی صفحہ ۴۸۵۔ امام جعفر فرماتے ہیں۔

انکم علی دین من کتمه اعزه الله ومن اذاعه اذله۔ — تم (شیعہ) ایسے دین پر ہو جو اسکو چھپائیگا اُس کو اللہ عزت دیگا اور جو اسکو ظاہر کریگا اُسکو ذلیل کریگا۔

(۲) اصول کافی ص۹۵۔ کفوا عن الناس ولا تدعوا احداً الی امرکم — لوگوں سے الگ رہو اور کسی کو اپنے دین کی تبلیغ مت کرو۔

(۳) اصول کافی ص۴۸۶ یا معلی اکتم امرنا ولا تذعه فانه من کتم امرنا ولم یذعه اعزه الله به فی الدنیا وجعله نوراً بین عینیه فی الآخرة یقوده الی الجنة یا معلی من اذاع امرنا ولم یکتم اذله الله به فی الدنیا ونزع النور من بین عینیه فی الآخرة۔ — اے معلی ہمارے دین کو چھپاؤ اور لوگوں سے مت ظاہر کرو کیونکہ جو شخص ہمارے اس دین کو چھپائیگا اُسکو اللہ دنیا میں عزت دیگا اور قیامت میں اُسکے چہرہ کو منور کریگا اور اُسکو جنت میں داخل کریگا۔ اے معلی جو ہمارے دین کو نہ چھپائیگا بلکہ اُسکو مشہور کردیگا اسکو اللہ تعالیٰ دنیا میں ذلیل کریگا اور قیامت میں اُس کا چہرہ سیاہ و تاریک کریگا۔

(۴) اصول کافی ص۴۸۱ لا تخاصموا بدینکم الناس فان المخاصمۃ ممرضۃ للقلب — اپنے مذہب دین کے بارے میں لوگوں سے مت جھگڑو کیونکہ جھگڑے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

(۵) اصول کافی باب الایمان والکفر ص۴۸۶۔ ان المذیع لامرنا کالجاحد لہ — جو ہمارے دین کو شہرت دے گا گویا اُس نے ہمارے دین کا انکار کر دیا۔

سُنی اگر شیعہ ہو جائے تو وہ بھی اصلی کافر ہے

(۶) جامع عباسی باب۲ فصل ۱۳ "سُنی اگر شیعہ ہو جائے تو بھی وہ حکم کافر اصلی کا رکھتا ہے ہے، کیونکہ اُس پر قضا روزہ نہیں۔"

ائمہ اہل بیت، و دیگر بزرگوں کے ان ارشادات، سے معلوم ہُوا کہ شیعہ حضرات کو اپنے مذہب کی اشاعت و تبلیغ جس کو ائمہ اہل بیت کا مذہب ظاہر کر رہے ہیں اور اس بات پر پُھولے نہیں سماتے، کہ بعینہٖ ہمارا وہی مذہب اور دین ہے جو کہ ائمہ اہل بیت کا تھا ہر طرح سے ناجائز و حرام ہے، اور یہ کہ اس کو لوگوں تک پہنچانے والا اور دنیا کو اس پر مطلع کرنے والا دنیا و آخرت میں ذلیل ہوگا، اپنی عاقبت کو سیاہ کریگا اور جو اسکو چھپائیگا اور لوگوں کے رُوبرُو اس کا نام تک نہ لیگا، وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوگا۔ اس کی تبلیغ و اشاعت ہرگز کسی کو مفید نہ ہوگی، گو ظاہری طور پر وہ شیعہ ہو جائے، کیونکہ درحقیقت وہ غیر شیعہ اور بے دین ہی رہے گا۔

پس صاف ثابت ہُوا کہ تعزیہ وغیرہ سب ناجائز و حرام ہے، کیونکہ جب دنیا و آخرت میں خوار و ذلیل ہونے کے خطرہ سے شیعہ مذہب کی تبلیغ ہی بند و حرام ہوئی، تو تعزیہ جو اس تبلیغ کا طریقہ اور ترقی کا ذریعہ تصور کیا گیا ہے، بطریقِ اولیٰ ناجائز و حرام ہے، لہذا شیعہ دوستوں کا یہ اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں اس مروجہ تعزیہ وغیرہ کو ترک کر دیں اور شیعہ مذہب کی تبلیغ کا ہر شعبہ بند کر کے دادِ انصاف دیں اور اپنے اماماِن اہل سنت و جماعت کی ارواحِ طیبہ کو خوش کریں۔

شیعی روایات کی بنا پر شہادت سے اسلام زندہ نہیں ہُوا۔

اور شہادتِ امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور واقعاتِ کربلا کو اسلام کے دوبارہ زندہ

ہونے کا خیال اور اس کی یادگار کے لئے رسمِ تعزیہ وغیرہ منانا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ خیال اہل سنت وجماعت کو تو مبارک ہے اور وہ بفضلہٖ تعالےٰ اسی خیال اور اعتقاد پر ہیں کہ واقعۂ کربلا نے واقعی دنیائے اسلام میں ایک نئی رُوح پھونک دی کہ حق وباطل کا فیصلہ ہوا حق کا پائیدار اور غالب ہونا باطل کے رُوبرو سینہ سپر ہونا آشکارا ہو کر مسلمانوں کا بھولا ہوا سبق پھر تازہ ہوا، کہ عزم واستقلال، ایثار واختیار، صداقت وشجاعت کی لہر دوڑ گئی، مگر شیعہ حضرات اور ماتمی دوستوں کو یہ بات کہنی سزاوار نہیں۔

اوّل اسلئے کہ شیعہ حضرات کا خیال ہے کہ واقعۂ کربلا سے پہلے قرآن بدل چکا تھا سنتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ترمیم وتنسیخ، کمی وبیشی کی گئی تھی، خلافت ووراثت غصب کر لی گئی تھی، وغیرہ وغیرہ، کیا ماتمی حضرات بتا سکتے ہیں کہ واقعۂ کربلا کے بعد ان چیزوں کی درستی ہوگئی؟ اور اگر نہیں اور یقیناً ان کے نزدیک نہیں ہوئی تو پھر شیعہ مذہب کی رُو سے اسلام کیا زندہ ہوا؟ کیونکہ اسلامی زندگی تو یہی تھی کہ اسلام میں جو کمی بیشی ہو چکی تھی اس کو دُور کر دیا جائے، لہٰذا یہ تعزیہ وغیرہ جو واقعاتِ کربلا کی یاد میں منایا جاتا ہے کسی طرح جائز نہیں۔

دوّم اسلئے کہ واقعہ شہادت سے اسلام زندہ ہونے کی بجائے دوبارہ تباہ دفنا ہوا اور بروبنائے روایاتِ شیعہ ایمان وایقان کا نشان نہ رہا، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شیعہ اور ماتمی دوستوں کے نزدیک پہلی مرتبہ حضور علیہ السلام کے وصالِ پُرملال کے بعد بجز بعض ایک کے سب لوگ مُرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے اور اسلامی دُنیا سے اُن کا نام ونشان مٹ گیا۔

(۱) کتابِ اختصاص جو شیعوں کی نہایت ہی معتبر کتاب ہے، اُس میں درج ہے۔

قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السلام یقول ان النبی علیہ السلام لما قبض ارتد الناس علیٰ اعقابہم کفارا الا ثلثہ سلمان وابوذر الغفاری وعمار بن یاسر	عمر بن ثابت راوی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات واقع ہوئی تو تمام لوگ کافر ومرتد ہو گئے مگر تین آدمی کہ وہ سلمان اور ابوذر غفاری اور عمار بن یاسر ہیں، مسلمان رہے۔

(۲) حیات القلوب میں ملا باقر مجلسی بحوالہ رجال کشی لکھتے ہیں۔

"بسند حسن از امام باقر روایت کردہ است کہ صحابہ بعد از حضرت رسول علیہ السلام مرتد شدند مگر سہ نفر، سلمان، ابوذر، مقداد" اول روایت میں مقداد اور اس روایت میں عمار بن یاسر کا نام نہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد دو آدمی پکے ایمان دار سلمان و ابوذر، اور دو مقداد و عمار بن یاسر شکی طور پر ایمان دار رہ گئے، باقی سب صحابہ مرد و عورت یقینی طور پر مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے، حتیٰ کہ حضرات اہل بیت بھی حضرت علی و فاطمہ و حسنین کریمین رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اسلام بھی .... استغفر اللہ

(۳) احتجاج علامہ طبرسی صفحہ ۴۸ پر ہے۔

ما من الامة احد بایع مکرھًا غیر علی و اربعتنا	امت میں سے کسی نے علی اور ہمارے چار آدمیوں کے سوا (جنکا ذکر اُوپر آچکا ہے) ابوبکر کے ہاتھ پر بکراہت بیعت نہ کی۔

حضرت علیؓ وغیرہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کی

بقولِ شیعہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد صرف دو آدمی پکے مسلمان باقی رہے

یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت صدیقِ اکبر خلیفہ ہو گئے تو اُن کے ہاتھ پر سب نے برضا و رغبت بیعت کی، مگر علی اور ہمارے چار آدمیوں نے بکراہت بیعت کی اس روایت میں بھی پانچ آدمیوں کے علاوہ سب کے سب صحابہ مرتد اور اسلام سے خارج ہو گئے، نہ اہلِ بیت بچے نہ اور کوئی، بلکہ یہ پانچ آدمی علی، مقداد، سلمان، ابوذر غفاری، عمار بن یاسر بھی گو باطن میں ایمان دار تھے، لیکن ظاہری طور پر دیگر صحابۂ کرام کی طرح یہ بھی مرتد ہو گئے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج شیعہ حضرات جنہیں کو س کر اہلِ سنت و جماعت کو چڑانے اور ستانے کا ارادہ رکھتے ہیں اُنکی طرح اور اُنہیں کے ساتھ اُس وقت کے تمام شیعہ حضرات جن میں حضرتِ فاطمہ اور حسن و حسین وغیرہ اہلِ بیت بھی داخل ہیں، اہلسنت و جماعت کے خلیفۂ اوّل حضرت صدیقِ اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اسلام سے خارج ہو گئے۔ (العیاذ باللہ)

نیز یہ بھی اس روایت سے واضح ہوا کہ پہلی دو روایتوں میں جو سلمان اور ابو ذر مسلمان و مومن نظر آرہے تھے، وہ بھی اپنا ایمان نہ بچا سکے اور دوسرے شیعوں در جناب

حضرت امیر کے ساتھ مل کر وہ بھی گو ظاہر ہی سہی مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے بلکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلمان دل سے بھی مرتد ہو گئے ہیں۔

اصول کافی صت ۲۵۴ پر ہے کہ امام جعفر فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم علیہ السّلام نے فرمایا
واللہ لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہٗ۔
یعنے حضورؐ نے فرمایا کہ سلمان کے دل میں جو ہے اُس پر اگر ابوذر کو پتہ چل جائے تو وہ اس کو قتل کر دے۔

خلاصہ ان حوالجات کا یہ ہُوا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصال کے بعد سے دیگر صرف "ابوذر" مسلمان بچے جو کہ ظاہری طور پر وہ بھی دوسروں کی طرح مرتد دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے پس قصہ ختم ہُوا کہ ظاہری اور باطنی طور پر ایک بھی مسلمان نہ رہا، سب کے سب

بقولِ شیعہ حضور علیہ السّلام کے وصال کے بعد حضرت علیؓ کے سوا جملہ اہلِ بیت بھی اسلام میں نہ رہے۔

(۲) اور دوسری مرتبہ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد سب کے سب شیعہ پھر دوبارہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ چنانچہ نور اللہ شوستری ملقب بشہیدِ ثالث مجتہد شیعہ اپنی کتاب مجالس المؤمنین مجلس پنجم صت ۱۴۴ پر لکھتے ہیں۔

از حضرتِ امام زین العابدین روایت کردہ اند کہ میفرمود کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند الا پنج کس ابو خالد کابلی یحییٰ بن ام الطویل جبیر بن مطیع، جابر بن عبد انصاری، شبنہ خرم محرم امام حسین بود۔

حضرت زین العابدین روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سوا پانچ آدمیوں کے سب کے سب اسلام سے خارج اور مرتد ہو گئے تھے۔

اس روایت میں بجز ان پانچ شخصوں کے سب مرتد ہو گئے حتیٰ کہ خود امام زین العابدین، امام باقر، حسن مثنیٰ۔ حضرت زینب، ام کلثوم وغیرہ اہلِ بیت حضرات بھی کیونکہ ان پانچوں میں ان کو شمار نہیں کیا گیا خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ حضرات دو دفعہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو کر بے دین ہوئے، ایک دفعہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے بعد اور دوسری دفعہ امام حسین رضی اللہ عنہٗ کی شہادت کے بعد اور جب ائمۂ اہل بیت کے اور ارشادات کو پڑھا جائے تو اس ارتداد کی اور تائید مزید ہو جاتی ہے۔

حضرت امام باقر کو تین مومن شیعہ نہ ملے

(۱) امام باقر نے ایک دفعہ ابو بصیر سے فرمایا۔

واللہ لوانی اجد منکم ثلثۃً مومنین یکتمونی حدیثی ما استحللت ان اکتمھم حدیثاً (اصول کافی ص۴۹٦)

خدا کی قسم اگر تم سے تین ایمان دار شیعہ بھی مجھکو معلوم ہوں تو میں اپنی حدیث (دین) کو ان سے کبھی نہ چھپاتا، مطلب صاف ہے کہ آپ کی جماعتِ شیعہ سے تین مومن میسر نہ ہوتے، سب کے سب.....

(۲) امام جعفر فرماتے ہیں کہ اگر میرے شیعہ پورے سترہ ہوتے تو میں جہاد کرتا۔ (اصول کافی ص۴۹٦)

(۳) امام موسیٰ کاظم فرماتے ہیں کہ میں نے سب اپنے شیعوں سے بجز عبداللہ بن یعفور کے اور کسی کو نہیں پایا جو کہ میری وصیت کو قبول کرے۔ (مجالس المومنین بحوالہ کشی)

بوقت امتحان سب شیعہ فیل

(۴) اگر میں اپنے شیعوں کا امتحان لوں تو یہ سب کے سب مرتد اور بے ایمان ثابت ہونگے۔ (فروع کافی کتاب الروضہ ص۱۰۷)

امام مہدی آپ شیعوں کے امام منتظر ہیں، کہتے ہیں کہ موجود ہیں، لیکن آنکھوں سے غائب ہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ وہ ۲٦٦ھ سے ہی دشمنوں کے خوف سے غار سُرَّ مَنْ رَأیٰ میں چھپے بیٹھے ہیں وہ شیعوں کے حق میں فرماتے ہیں۔

منقول است کہ اگر عددِ ایشاں سی صد و سیزدہ کس با ہیئت اجتماعی رسد امام ظاہر می شود۔ ۳۱۳

امام مہدی کا ظہور۔

منقول ہے کہ اگر شیعوں کی تعداد تین سو تیرہ تک پہنچ جائے تو امام غائب (مہدی) ظاہر ہو جائیں۔ امام مہدی کا ظہور۔

آج تک تین سو تیرہ مخلص شیعہ موجود نہیں ہوئے، ورنہ امام مہدی ظاہر ہوتے، اب اگر چالیس بھی موجود ہوں تو آپ ظاہر ہو جاویں گے۔ (تاریخ الائمہ)

"تاریخ الائمہ و دیگر کتب شیعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی دنیا میں اُس وقت ظاہر ہوں گے جب چالیس شیعہ موجود ہوں گے، آپ نکل کر شیعہ مذہب کو فروغ دیں گے۔

ان ارشاداتِ عالیہ مندرجہ کتب شیعہ سے معلوم ہوا کہ شیعہ اسلام سے خارج ہو گئے تھے اور ائمہ کو ایک تک شیعہ مخلص و ایماندار نہ ملا، اور آج بھی دنیا میں شیعہ نہیں ہیں، ورنہ حضرت امام مہدی ضرور ظاہر ہو جاتے اور یہ جو لاکھوں کی تعداد میں تختہ زمین پر شیعہ حضرات موجود ہیں، یہ سب برائے نام ہیں، اسلام سے ان کو واسطہ نہیں ہے۔

نصف النہار سے زیادہ ثابت ہوا کہ شہادتِ امام حسینؓ کے واقعہ سے بموجب کتب معتبرہ شیعہ، اسلام کو کوئی زندگی نصیب نہیں ہوئی، بلکہ سب شیعوں کے اسلام سے خارج اور مرتد ہونے کا ذریعہ ہوا کہ آج تک انکو دوبارہ اسلام و ایمان میں حاضر ہونے کی توفیق عطا نہیں ہوئی۔

دلیل ۱۱ - (۱) شاہ عبدالعزیز نے تعزیہ داری قائم کی ہے، چنانچہ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۱۰۴ جلد ۱ میں فرماتے ہیں کہ "عاشورہ کے روز مجلس قائم کرنا، واقعاتِ کربلا کو ظاہر کرنا، مرثیوں کو پڑھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور گریہ بکاء ماتم کرنا سب جائز ہے۔"

(۲) اسی طرح ملا احمد رومی نے اپنی کتاب مجالس الابرار میں صحاح ستہ کی ایک حدیث سے اظہارِ غم والم کے جواز کا فتویٰ مستنبط کیا اور نکالا ہے۔

روی احمد و ابن ماجه عن فاطمه بنت حسین عن ابیه الحسین ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ما من مسلم یصاب مصیبة فیذکرها وان قدم عهدها فیحدث بها الاسترجاع الا کتب الله اجره مثلها یوم اصیب هذا الحدیث رواه الحسین وعنه بنته فاطمة التی شهدت مصرعه

امام احمد اور ابن ماجہ فاطمہ بنت حسینؓ سے راوی ہے کہ کہتی ہیں کہ ان کے والد حسینؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کسی مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو اُس کو یاد کر کے جب کبھی بھی اظہارِ غم کریگا تو اللہ تعالیٰ اس یاد کرنے پر اُتنا ہی اجر دیگا جتنا کہ مصیبت کے دن اُسکو دیا تھا اگرچہ اس مصیبت پر کتنا ہی زمانہ کیوں نہ گزرا ہو (راوی کہتے ہیں)، کہ اس حدیث کے راوی امام حسینؓ ہیں اور اُن سے اُنکی صاحبزادی حضرت فاطمہ نے نقل کیا ہے جو موقع

وقد ثبت فی علم اللہ تعالیٰ ان المصیبۃ بالحسین تذکر مع تقادم العھد فکان من محاسن الاسلام ان تجری ھٰذہ السنۃ کلما ذکرتلك المصیبۃ بان یسترجع بھا فیکون للانسان من الاجر الذی کان لمن استرجع یوم اصیب المسلمون بھا۔

شہادت پر خود حاضر نہیں اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم الٰہی میں امام کی مصیبت مقدر ہو چکی تھی اور یہ کہ اس مصیبت کو لوگ باوجود درازی مدت کے یاد کرتے رہیں گے اسلئے اب سلسلہ اسلام کی خوبیوں میں شمار کیا گیا اور اسکو سنتِ جاریہ فرمادیا گیا کہ جو شخص اس مصیبت کو یاد کر کے اظہار غم کریگا تو اُسکو اُن لوگوں کا اجر ملیگا جنہوں نے عین مصیبت کے دن اس واقعہ کو سُنکر حضرت کے ساتھ غمگساری کی تھی۔"

(۳) اسی طرح مولوی عبدالحی لکھنوی نے لکھا ہے کہ

مصائب خیال کردہ واحوالِ امام تصور کردہ اگر اشکہا از چشم جاری شوند ہیچ مضائقہ ندارد بیہقی وحاکم روایت کردہ کہ چشم مبارک آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدیں غم اشک ریختہ بود وروز واقعہ کربلا ابنِ عباس وام سلمہ رضی اللہ عنہما آں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم را بخواب دیدند کہ پریشان موئے سر غبار آلودہ چنانچہ احمد و بیہقی ایں مضمون روایت کردہ اند کہ ایں گریہ غیر اختیار است مادۂ آں ہر وقت کہ جمع مے شود بصورت اشک مے گردد۔

کربلا کی مصیبتوں کو خیال کر کے اور حضرت امام کے حالات کو سوچکر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس میں کچھ ہرج نہیں، بیہقی اور حاکم نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اس واقعہ سے (قبل از وقوع) اشکبار ہوئی ہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ واقعۂ کربلا کے دن ابنِ عباس اور اُم سلمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ پریشان ہیں اور آپ کے سر کے بال مبارک غبار آلود ہیں چنانچہ بیہقی اور امام احمد نے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے اور یہ گریہ در اصل اضطراری شئے ہے، جب کبھی اس کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں تو وہ آنسوؤں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔"

ان بڑے بڑے سُنی علماء کی عبارتوں سے ثابت ہوا کہ روز عاشورہ مجلس عزاداری قائم کرنا اور ماتم کرنا ناجائز ہے، خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبل از وقوع اس واقعہ سے روئے حتیٰ کہ آپکے موئے مبارک غبار آلودہ خواب میں دیکھے گئے اور مصیبت کا تذکرہ سنت ہے اور موجب ثواب و اجر۔

جواب - (۱) فتاویٰ عزیزیہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۱۰۴ ج۱ پر ہے۔

ترجمہ ۔ فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے عالی ہو جناب کا
لامی نامہ دوسری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔ اس بارے میں فقیر کا جو کچھ معمول ہے
اُسے لکھا جاتا ہے' اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں' پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی
ہیں' ایک ذکر وفات شریف کی مجلس' دوسری شہادتِ حسین کے ذکر کی مجلس جو عاشورہ کے دن
یا اس سے ایک دو روز پہلے' چار پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور درود
شریف پڑھتے ہیں' اور جب فقیر باہر جاتا ہے اور بیٹھتا ہے تو امام حسین کے وہ فضائل جو احادیث
میں مذکور ہیں' بیان کئے جاتے ہیں' ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق اور اُن کے قاتلوں کی بد
انجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اُن
شدائد و مصائب کا بھی تذکرہ ہو جاتا ہے' جو احادیث معتبرہ کی رُو سے آپ حضرات پر گزری
ہیں' اور وہ مرثیے بھی ذکر کئے جاتے ہیں جن کو اُم سلمٰہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں
سے سُنا ہے' اس کے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ما حضر پر فاتحہ کیا جاتا ہے'
اُس وقت اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ مشروع شروع کرتا ہے تو اُس کے سُننے کا
اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس' اور خود فقیر پر گریہ و بکاء
طاری ہو جاتا ہے' اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اس طریقے سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان
پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں' اُن کے بیان کی حاجت نہیں ہے"
امام شافعی فرماتے ہیں ۔

ترجمہ۔" اگر آلِ محمد کی دوستی کا نام رافضی ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں
میں رافضی ہوں"۔ فقط

ناظرین! اس عبارت سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ شہادت امام حسین کے ذکر
کیلئے مجلس منعقد کی جاتی ہے' فضائل امام پر احادیث اور مشروع مرثیہ پڑھا جاتا
ہے اور بسا اوقات حاضرین سے گریہ و زاری بھی جاری ہو جاتی ہے اور احادیث
و اخبار کے ذریعہ قاتلین کا انجام بھی بیان کیا جاتا ہے اور یہ سب جائز ہے اور صحیح
اور علامت ایمان' لیکن اس سے یہ موجودہ ماتم اور تعزیہ وغیرہ کہاں سے ثابت ہوا۔

اس عبارت میں گھوڑے، گہوارے، مہندی اور دیگر بدعات کا نام تک بھی کدھر ملتا ہے، کہیں روزِ عاشورہ کی اور غلط روایتوں سے مرثیے پڑھنے کا اور موضوع اور منگھڑت حدیثوں کے پڑھنے کا پتہ لگتا ہے؟ بلکہ یہ لکھا ہے کہ روزِ عاشورہ یا اس سے قبل ذکرِ شہادتِ امام کیلئے مجلس ہوتی ہے جس میں آپ کے صحیح فضائل بیان ہوتے ہیں اور شہداءِ کرام کا جاں نثاری کا ذکر ہوتا ہے، صحیح اور معتبر حدیث سے شداءند اور مصائب کربلا کا بھی ذکر آجاتا ہے جس کو سُن کر اکثر رقت طاری ہوجاتی ہے اور آنسو بہنے لگتے ہیں، اور صحیح مرثیے اور قرآن مجید، پنجسورہ، اور درود شریف کی تلاوت ہوتی ہے، بعدہٗ ما حضر پر فاتحہ ہوتی ہے اور شہداءِ کرام کی ارواحِ طیبّہ کو ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحب کی تصریح موجود ہے کہ تعزیہ وغیرہ سب ناجائز ہے۔ فتاویٰ عزیزیہ جلد اوّل صفحہ ۲۹/۲۸ پر تعزیہ داری عشرۂ محرم اور عَلَم وغیرہ کے متعلق جواب تحریر فرماتے ہیں: جواب: تعزیہ داری در عشرۂ محرم و ساختن ضرائح و صورت وغیرہ درست نیست زیراکہ تعزیہ داری عبارت از نیست کہ ترکِ لذائذ و ترکِ زینت کند و صورت محزون و غمگین نماید یعنی مانند صورتِ زنانِ سوگوار بنشیند و مَرد را ہیچ جا ایں قسم در شرع نمی شود نیز تعزیہ داری کہ ہمچوں مبتدعان می کنند بدعت است و ہمچنیں ساختن ضرائح و صورتِ قبور و عَلَم وغیرہ ایں ہم بدعت است و ظاہر است کہ بدعتِ حسنہ در آں ماخود نباشد نسبت بلکہ بدعت سیئہ است۔

عشرۂ محرم میں تعزیہ داری اور ضریح و تصویر وغیرہ بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ تعزیہ داری سے مراد یہ ہے کہ زینت اور لذّتوں کو ترک کیا جائے اور صورتِ رنجیدہ و غمگین بنائی جائے۔ یعنے سوگوار عورتوں کی طرح بیٹھا جائے اور مرد کیلئے کوئی ایسی صورت شریعت سے کہیں ثابت نہیں ہوتی اور تعزیہ داری جیسی کہ بدعت کرنے والوں نے نکال رکھی ہے، بدعت ہے، اسی طرح ضریح تصویر اور عَلَم وغیرہ سب بدعت ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اس قسم کی بدعت نہیں جس پر مواخذہ نہ ہو بلکہ بدعتِ سیئہ ہے جس پر شرعی گرفت ہوسکتی ہے۔

(۳) اگر فرض کرو کہ شاہ صاحب جائز بھی فرمادیں تو بھی اصولی طور پر ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ قول جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ادلۂ شرعیہ کے خلاف تو نہیں ہے، ورنہ وہ مرتبہ

قبولیت حاصل نہیں کرے گا۔

عبارت ۲ کا جواب، اول یہ کہ اس عبارتِ حدیث سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ خاص روزِ عاشورہ ماتم نوحہ کرنا، پیٹنا، کپڑے پھاڑنا، تعزیہ وغیرہ نکالنا اور دیگر بدعتوں کا کرنا جائز ہے، ہاں یہ ثابت ہُوا کہ مصیبت گو کیسی ہی ہو، اور کتنی ہی مدت کی کیوں نہ ہو، جب، اُس کو یاد کرکے انسان صرف زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہتا ہے تو اُس کو جتنا ثواب پہلے روز اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہنے پر ملا تھا اَب بھی اُتنا ہی ملے گا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے متعلق علمِ الٰہی میں مقدّر تھا کہ اس کا تذکرہ بعد میں بھی ہوگا، لہٰذا یہ مسئلہ اسلام کی خوبیوں میں سے شمار کیا گیا اور یہ سنّت ہُوا کہ جو اس مصیبت کو یاد کرکے اظہارِ غم کریگا یعنی اناللہ الخ کہے گا تو اُس کو اُن لوگوں کا سا اجر ملے گا جنہوں نے عین مصیبت کے دن اس واقعہ کو سُن کر حضرت کے ساتھ غمگساری کی تھی یعنی اُس دن اناللہ و انا الیہ راجعون کہا تھا اور بس!

عبارت ۳ کا جواب (۱) اس عبارت سے اس رسمی تعزیہ وغیرہ کا نام و نشان نہیں، کھوج تک نہیں ملتا، ہاں یہ موجود ہے کہ واقعاتِ کربلا سے اگر غم پیدا ہُوا اور آنسو بہہ نکلیں تو کوئی ہرج نہیں کہ یہ ایک فطری اور غیر اختیاری امر ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی باوجودیکہ نوحہ وزاری سے روکا ہے، پھر بھی بعض صدمات پر آنسوؤں کو بہنے کا شرف بخشا ہے اور روزِ کربلا آپ کو خواب میں دیکھا گیا کہ غم کی وجہ سے بہت پریشان ہیں اور موئے مبارک بھی کچھ غبار آلودہ دکھائی دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ کسی طبعی اور غیر اختیاری فعل پر شریعت کا حکم جاری نہیں ہُوا کرتا، لہٰذا رونا اور فقط آنسو بہانا جائز ہے اور سب بدعتیں ناجائز۔

(۲) مولوی عبدالحی کے فتاویٰ جلد ۲ ص ۳۱ پر اس تعزیہ وغیرہ کی ممانعت اور حرمت پر تصریح موجود ہے، چنانچہ لکھا ہے۔

ساختن ضرائح وصورتِ قبور وعَلَم تیار کردن دُلدُل وغیرہ ایں ہمہ امور بدعت است نہ قرنِ اول نہ قرنِ ثانی نہ در ثالث اصلے دریں باب کہ موجب بزہ کاری نباشد پیدا نیست	تعزیہ بنانا یا تابوت کی نقل کرنا عَلَم اور دُلدُل وغیرہ یہ سب باتیں بدعت ہیں، قرنِ اول، ثانی وثالث کسی میں ان کا پتہ نہیں چلتا اور نہ شریعت میں اسکی اصل ملتی ہے جس کے لحاظ سے

خود تراشیدہ و مصنوعہ را قابل احترام فہمیدن فہم عبدۃ الاصنام را نشان میدہد امر نو را در دین احداث کردن و موجب افتخار و باعث اجر دانستن طرفہ ماجرا است، امر ثواب و عقاب عقلی نیست بلکہ توفیقی است، آنچہ شارع حکم دہد بداں کاربند باید شد۔

یہ امور گناہ نہ ہونے سے خارج ہو جائیں، اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی چیزوں کا احترام سمجھنا بُت پرستوں کی سمجھ کی نشاندہی کرتا ہے، مذہب میں نئی بات پیدا کر کے اسکو عزت و افتخار کا سبب بنانا ایک طرفہ ماجرا ہے کسی فعل کے متعلق یہ عقیدہ قائم کرنا کہ اس اسکے کرنے یا نہ کرنے سے ثواب یا گناہ ہوتا ہے کلیتہً شریعت کی تصریحات پر موقوف ہے، یہ کوئی عقلی بات نہیں ہے، شارع جو کچھ حکم دیں اُسپر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔"

بہر صورت ان تینوں عبارتوں سے یہ ثابت ہوا کہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے مجلس وعظ مقرر کرنی جائز ہے اور صحیح واقعات و حالات پڑھنے درست ہیں اور ہر قسم سے ثواب پہنچانا جائز ہے اور ان بزرگوں کی مصیبتوں کو سُنکر غمناک ہونا آنسو بہانا جائز ہے، مگر غیر صحیح روایتوں اور غلو آمیز مرثیوں و دیگر بدعاتِ شنیعہ سے سخت پرہیز کرنا چاہیئے کہ بجائے ثواب کے اُلٹا گناہ ہوتا ہے۔

جتنی فضول باتیں ہیں ان سب کو ترک کر تذلیل اہلِ بیت سے کانپے ہے آسماں
پڑھ محفلِ عزا میں کچھ ایسی روایتیں جن سے اہلِ بیت کی شان و فا عیاں

مگر افسوس کہ آجکل اکثر مجلسیں ایسی ہوتی ہیں جن میں طرح طرح کی بدعتیں کی جاتی ہیں اور غیر معتبر حدیثوں اور بناوٹی مرثیوں سے انکی رونق کو بڑھایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علماؒ نے ایسی مجلسیں منعقد کرنے سے روکا ہے اور ان میں شرکت ناجائز قرار دی ہے، چنانچہ قہستانی نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "عون" سے یہ فتویٰ نقل کیا ہے اور اسی طرح فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد ۲ ص۳۱ پر بھی یہ فتویٰ موجود ہے۔

انعقادِ مجلس شہادت کی ممانعت کی وجہ

اراد ذکر مقتل حسین فینبغی ان یذکر اولاً مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض۔

جو امام حسین کی شہادت کے واقعات بیان کرنا چاہتا ہے اُس کو چاہیئے کہ پہلے دوسرے صحابہ کی شہادتوں کا بھی حال بیان کرے تاکہ رافضیوں کی مشابہت باقی نہ رہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب رافضی شیعوں کی مجلس کی ترتیب بدلنا ضروری ہے کہ پہلے

شہادت امام کو ذکر نہ کرنا چاہیئے جیسا کہ رافضی کرتے ہیں تو ان کی اور خلافِ شرع باتوں میں شرکت کب جائز ہے' ابنِ حَجر مکّی نے کہا ہے۔

وایاہ ثم ایاہ ان یشتغل فی یوم عاشوراء ببدع الروافضة من الندب والنیاحة والحزن۔

خبردار خبردار کہ عاشورا کے دن رافضیوں کی بدعتوں میں کوئی مبتلا نہ ہو کہ گریہ وزاری، آہ و بکاء و غم و الم، چلانا، واویلا خلاف شرع کرے۔

امام غزالی حجۃ الاسلام میں کہتے ہیں۔

یحرم علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل حسین وحکایت ماجری بین الصحابة من التشاجر والتخاصم وانہ یُهیج علی بغض الصحابة والطعن فیهم وهم علامة الدین تلقی الامة الدین عنهم وتلقینا عنهم فالطعن فیهم طاعن فی دینه

واعظ یا ذاکر کوئی بھی ہو اُس پر شہادت حسینؓ کے واقعات بیان کرنا حرام ہے اسی طرح جو صحابہ میں باہمی تنازعات ہوئے انکو بھی بیان کرنا نہ چاہیئے کیونکہ عموماً یہ باتیں صحابہ کے ساتھ کینہ پیدا کرتی ہیں اور اُن پر طعن وملامت کرنے پر آمادہ کرتے ہیں حالانکہ صحابہ دین کے عَلَم ہیں، ائمہ اسلام نے دین کو ان سے سیکھا اور ہم لوگوں نے اسکو اماموں سے حاصل کیا پس صحابہ پر طعن کرنے والا در اصل اپنے اُوپر اور اپنے مذہب پر طعن کرنے والا ہے۔

اس بیان سے ایک اشکال کا بھی جواب ہو گیا جو کہ شیعہ دوستوں سے سُنا جاتا ہے کہ سُنّی حضرات تعزیہ کیا منائیں گے، وہ تو سرے سے ایسی مجلس منعقد کرنے کے ہی خلاف جس میں امام حسینؓ و دیگر شہداءِ کرام کے حالات بیان کئے جائیں اور اُن کی جانگداز مصیبتوں کا ذکر کیا جائے وغیرہ وغیرہ' چنانچہ امام غزالی اور ابنِ حجرؒ مکی نے تصریح کی ہے۔

اور جواب یوں ہُوا کہ پہلے بیانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ شہادت کی مجلسیں منعقد کرنا جائز ہے روایاتِ معتبرہ اور جائز مرثیوں کا پڑھنا بلاشبہ صحیح ہے، غم کرنا اور آنسو بہانا جبکہ اور کوئی غیر شرعی بات ساتھ نہ ہو ایک اَمرِ مسنون ہے اور باعثِ اجر و ثواب تو پھر بھلا ممانعت کیسی! پس مطلب صاف ہے کہ منع کرنے والے حضرات نے شہادت کی ایسی ہی مجلسوں سے روکا ہے جو کہ ناجائز طور پر منعقد کی جائیں اور ان میں غلط سلط روایتیں اور

مصنوعی مرثیوں کے ذریعہ عوام کالانعام کی دولتِ ایمان کو تباہ کر دیا جائے اللّٰھم احفظنا منھا
اور حقیقت یہ ہے کہ منع کرنے والے حضرات نے جس دُور اندیشی سے اس قسم کی ماتمی و مصنوعی مجلسوں
سے روکا وہ بالکل درست اور بجا ہے، کیونکہ انہوں نے منع محض اس بناء پر کیا ہے کہ ایسی مجلسوں
میں چونکہ ضعیف اور موضوع و بناوٹی روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، مصنوعی قصے اور مرثیے پڑھے
جاتے ہیں، بغیر کسی تنقید کے واقعات کو پیش کیا جاتا ہے اور عوام صحیح اور غیر صحیح کو پرکھ نہیں
سکتے۔ لہذا ان کے ایمان و اعتقاد میں پریشانی ہوگی، بزرگوں سے نفرت ہوگی، اُن پر خواہ مخواہ
طعن کرنا پسند کریں گے، گالی دگلوچ تک نوبت پہنچ جائے گی اور ہزاروں قسم کے مناقشات پیدا
ہونگے اور بلاشک ایسا ہی ہُوا کہ آج! جن بزرگانِ دین اور مقتدایانِ صالحین نے اسلام کی
خاطر مالی قربانیاں کیں، جانیں تک لڑا دیں، اُن کی وجہ سے اسلام کو چار چاند لگے اور اُن کے
خلوص دلی اور علو ہمتی سے مخالفین دم بخود ہو کر رہ گئے، دُنیا نے ان کی صداقت و عدالت کا
اعتراف کیا، قرآن نے ان کی صفت و ثنا کی، حق پسندی اور صحیح عقیدت ان کا شیوہ قرار دیا، ان
کی ہر طرح کی جان نثاری سے اللہ رب العزت خوش ہُوا اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہُ
کہہ کر اُن کی نجاتِ کلّی کا اعلان کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اُن کو مشیر کار بنایا اور اپنی
ذرّہ نوازیوں سے مالا مال کیا، سفر و حضر میں اپنی رفاقت عطا کی، اُن کی خدمات کو شرفِ
قبولیّت بخشا اور کمال رحمت سے دنیاوی و اُخروی سُرخروئی بخشی، اور نیابت عطا کی، ائمۂ
اطہار نے ان کے گیت گائے اور ساری عمر ان سے شیر و شکر رہے، ان کی سیاست و امامت
شجاعت و فضیلت، مروّت و صداقت، عقیدت و ارادت کا اعتراف کیا، دین و اسلام کا
ان کو ستون مانا، آج ان کی صداقت کا انکار، بطالت کا اظہار کیا جاتا ہے، ان پر تبرّے بازی
کی جاتی ہے، دشمنِ اہلِ بیت خیال کیا جاتا ہے، ان کی خدمات سب لالچی اور فریبی بتائی جاتی
ہیں، وغیرہ وغیرہ (استغفر اللہ العلی العظیم) اللہ تعالےٰ ہدایت عطا کرے۔

دلیل ۱۲ - عبارت ۳ میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السّلام کے بال مبارک غبار آلودہ تھے
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روزِ عاشورہ اظہارِ غم کے لئے سر پہ خاک ڈالنا جائز ہے۔

جواب - قرآنِ مجید اور صحیح احادیث (جن کا ذکر اُوپر آچکا ہے) کے مقابلہ میں یہ روایت

قابلِ عمل نہیں ہے۔

(۲) یہ ایک خواب اور عالمِ برزخ کا واقعہ ہے نہ کہ عالمِ دُنیا کا' لہٰذا خواب پر عالمِ بیداری کو قیاس کرنا ٹھیک نہیں ہے اور نیز قرآنِ مجید اور احدیث صحیح کو قیاس کے بدلے ترک کرنا جائز نہیں۔

(۳) کسی چیز کے غبار آلودہ ہونے سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ اس پر مٹی ڈالی گئی ہوگی، مٹی ڈالنے کے بغیر غبار اُڑنے سے بھی چیز غبار آلودہ ہو جاتی ہے' دن رات کا تجربہ اس پر گواہ ہے۔

(۴) بعض دفعہ خواب کے حالات اچھی طرح محفوظ نہیں رہتے اور اچھی طرح نہ معلوم ہو سکتے ہیں تو کیسے یقین ہو گا کہ جو کچھ دیکھا اور سمجھا بالکل وہی ہے کچھ فرق نہیں۔

(۵) یہ کہ روزِ شہادت کربلا میں صفِ کارزار گرم تھی' فوجوں کی مُڈھ بھیڑ بھی حملوں کی گونج اور نعروں کا شور تھا ایسی حالت میں غبار کا اُڑنا اور زمین و آسمان میں تاریکی کا گرد سے سماں بندھ جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے' بلکہ ایک لازمی اُمر ہے اور علماءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ بروزِ شہادت میدانِ کربلا میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحضور برزخی تشریف فرما تھے' اور وہ برزخی اور رُوحانی جسمِ مبارک بچشمِ خود تمام حالاتِ کربلا کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ (تقریر الشہادتین' انتباہ الاذکیا جلال الدین سیوطی) بہر صورت موئے مبارک کے غبار آلودہ ہونے سے نہ سر پر خاک ڈالنا ثابت ہوتا ہے اور نہ یہ مصنوعی تعزیہ وغیرہ۔

دلیل ۱۳ - ائمۂ اہلِ بیت کرام نے جو کہ واجب الاطاعت ہیں اُنہوں نے امام مظلوم پر رونے کی ترغیب دلائی ہے اور رونے پر بہت سے فضائل بیان کئے ہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیثیں منقول ہیں' جن میں امام شہیدِ کربلا پر رونے کی وجہ سے ثواب کا ملنا بتلایا گیا ہے اور حضور علیہ السلام خود بھی روئے ہیں' ثابت ہوا کہ یہ تعزیہ اور ماتم وغیرہ سب جائز ہیں۔

حدیث ۱ من بکیٰ علے الحسین او تباکی وجبت لہ الجنۃ (روضۃ الشہدا) — جو امام حسینؑ کے صدمہ سے روئے یا رونے کی شکل بنائے اُس کیلئے جنت واجب ہے۔

حدیث ۲ انا قتیل العبرۃ ماذکرت عند مؤمن الا استعبر — میری شہادت محض رونا ہے جس مومن کے پاس میرا ذکر ہو گا وہ بلا اختیار روئے گا۔

حدیث ۳ من دمعت عیناہ بقتل — جس کی آنکھیں شہادتِ حسینی پر ایک آنسو

الحسین دمعۃً وفطوت قطرۃً بوّاہ (اللہ الجنۃ (مسند امام احمد۔ وسیلۃ النجات) — یا ایک قطرہ بہائیں گی اُس کیلئے جنت ہے۔

جواب ۔ یہ حدیثیں اور اس قسم کی اور حدیثیں جن میں حضرت امام حسین علیہ السّلام پر رونے کا تذکرہ موجود ہے، اگر ان میں رونے سے مراد یہی ماتمی رونا ہے تو یہ سب کی سب متروک العمل ہیں، اور ان پر عمل کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ سب قرآن مجید اور حدیث صحیح اور ارشاداتِ ائمۂ کرام اور ہدایاتِ عقولِ سلیمہ کے بالکل خلاف ہیں، جیسا کہ پہلے تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

(۲) ان حدیثوں اور ہجوں قسم اور حدیثوں میں اس تعزیہ اور ماتمی مجلس اور نوحہ گری کا کہیں نام و نشان بھی موجود نہیں، صرف رونے اور آنسو بہانے کا ذکر ہے، جو کہ جائز بلکہ مسنون ہے، کون روکتا ہے، ایک نہیں لاکھوں نہیں، کروڑوں در کروڑوں آنسو بہائیے اور اپنی ارادت کا اظہار کیجئے، ائمۂ کرام کی ارواحِ طیّبہ کو راضی کرتے ہوئے مفید دعائیں حاصل کرتے ہوئے اپنی عاقبت کو روشن کیجئے۔

(۳) یہ کہ کسی مصیبت پر رونا گو جائز اور مسنون ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس جائز اور مسنون چیز کو ہی اپنی نجات کا واحد ذریعہ خیال کیا جائے اس میں ہزاروں خرافات اور ناجائز بدعتیں داخل کرلی جائیں اور دیگر فرائض و واجبات کو بالکل نظر انداز کردیا جائے اور تعزیہ مرسومہ کی یہی حالت ہے کہ بدعاتِ قبیحہ اور حرکاتِ شنیعہ کا مجموعہ ہے شریعت کے خلاف ہے، ماتمی دوست نہ فرض خیال کرتے ہیں نہ واجب کا نہ کسی اور سنت کا، بلکہ تعزیہ کے روز بھی بس کو یہ روزِ شہادت کی نقل خیال کرتے ہیں، نماز جیسے اہم فرض کا خیال نہیں فرماتے حالانکہ حضرت شہداءِ کرام بالخصوص حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا نام لے لیکر یہ آپے سے باہر ہوجاتے ہیں، ہچکیوں سے دم بخود ہوتے نظر آتے ہیں، دنیا پہ ان کا واویلا مچاتے ہیں، اپنی بے پناہ کربلائی مصیبتوں میں بھی نماز کو خاص اہتمام سے ادا فرماکر دنیائے اسلام پر واضح کردیا کہ نماز کا وہ اسلامی فریضہ ہے جو کہ کسی نازک سے نازک وقت میں بھی چھوڑا نہیں جاسکتا، اللہ تعالےٰ سمجھ دے۔ ؎

کی بناوٹ کی بہت سی باتیں — پر کہیں چھُپتی ہے بنائی بات

دلیل ۱۴ ۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں جنت کی چوکھٹ پر اور حورِ عین کی پیشانی پر بوسہ دونگا۔ اس پر حضور علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا کہ "والدین کے قدم اور پیشانی چُوم لے" اُس نے کہا وہ فوت ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اُن کی قبر چوم لے، اُس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، آپ نے فرمایا، اُن کی صورت بنالے اور چُوم لے، اس سے تیری قسم کا کفارہ اُتر جائیگا، پس تعزیہ مروّجہ امام حسین کی نقل ہے، اور جائز ہے، اور اسی طرح جیسے قبر کی صورت بنانے سے کفارہ اُتر گیا، تعزیہ بنانے سے ثواب ملتا ہے۔

جواب (۱) یہ حدیث مَن گھڑت ہے، موضوع ہے اور سوال غلط ہے، (۲) یہ حدیث فتاویٰ عالمگیریہ میں موجود ہی نہیں اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ فقہ کی کتابوں میں حدیث اور قرآن مجید کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ صرف مسائل ہوتے ہیں۔

(۲) اس سے ایک غیر معلوم پر معلوم چیز کو خیال اور قیاس کرنا جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے والدین کی قبر معلوم نہ تھی اور روضۂ امام حسینؓ معلوم، لہذا یہ خیال و قیاس ناجائز اور شریعت میں منع ہے۔

(۳) یہ کہ اس تعزیہ کو اگر مان لیا جائے کہ روضۂ امام حسین رضی اللہ عنہ کی صحیح نقل ہے، تو بھی یہ ناجائز ہے کیونکہ نقل کے ساتھ وہ معاملے اور برتاؤ کئے جاتے ہیں جو کہ اصل کے ساتھ ہوتے ہیں جیسا کہ اصل فتوے میں درج کیا گیا ہے اور یہ شریعت میں ناجائز ہے، ورنہ لازم آئیگا کہ مصنوعی کعبہ معظمہ کا بھی طواف وغیرہ کیا جائے اور صفا و مروہ کا نقشہ بنا کر اُس میں تگ و دَو کی جائے، اور کسی میدان کو عرفات کی نقل سمجھ کر حج مکمل کیا جائے، حالانکہ یہ سب ناجائز اور باطل ہے۔

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا روضۂ مقدس زیادہ مستحق تھا کہ اسکی نقل بنائی جائے اور تعظیم کی جائے حالانکہ یہ بات شیعوں کے دل میں بھی نہیں پھٹکتی نہ انہوں نے کبھی حضورؐ کی ائمہ کرام کے برابر تعظیم کی اور نہ ارادہ کیا اور عمل اُن کا اس پر گواہِ عدل ہے۔

دلیل ۱۵ ۔ یہ تعزیہ جائز اور موجب ثواب ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا پیراہن اور حضرت نوح علیہ السّلام کا تنور اور حضرت داؤد علیہ السّلام کی زرہ، حضرت موسٰے

علیہ السّلام کا تابوت، کوہ صفا و مروہ کی سعی وغیرہ محض ان حضرات کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے واجب التعظیم ہیں، ایسے ہی قربانی کے جانور اور دُنبہ اسمٰعیل علیہ السّلام کی یادگار ہیں، انکو شعائر اللہ میں شمار کیا جاتا ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے انکی بڑی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کی تعمیل موجب ثواب و نجات خیال کی جاتی ہے، تو جگر گوشۂ رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسین کا تعزیہ جو کہ روضۂ امام کی نقل ہے اور انکی طرف منسوب ہے بطریق اولیٰ شعائر اللہ میں داخل ہے اور موجب تعظیم و ذریعۂ نجات و ثواب۔

جواب۔ (۱) تعزیہ مرسومہ شعائر اللہ میں نہ داخل ہے اور نہ موجب ثواب و نجات، کیونکہ شعائر شعیرہ کی جمع ہے اور شعیرہ شریعت میں علامتِ عبادت کو کہتے ہیں، خواہ مکانی ہو یا زمانی، جیسا کہ شاہ عبد العزیز نے تحریر فرمایا ہے، اور ان شعائر شرعیہ کا مقرر کرنا کسی شخص کا کام نہیں ہے، صرف خدا تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس کو مقرر کیا ہو وہ ہی شعائر ہیں اور وہ شریعت میں محدود و مقرر ہیں کسی اور کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں وہ یہ ہیں، کعبہ، عرفہ، مزدلفہ، جمارِ ثلثہ، صفا و مروہ، جملہ مساجد، ماہ رمضان، ماہ ہائے حرام، عیدین، ایام تشریق، قربانی کے جانور، اذان، اقامت، نمازِ جماعت، نمازِ جمعہ و عیدین وغیرہ جن میں تعزیہ ہرگز داخل نہیں ہے۔

(۲) اور پھر شعائر اللہ اور علاماتِ عبادات کی تقرری خدا تعالیٰ اور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی طرف سے اس لئے ہوتی ہے کہ ان سے طاعت و عبادت الٰہی اور رسولِ کریم کی سُنّت کی پیروی ہو، جیسے حج، صلوٰۃ، اذان وغیرہ یا ان سے دفع حاجاتِ غرباء و مساکین ہو سکے جیسے قربانی کے جانور ذبح ہو کر صدقہ کی صورت اختیار کرتے ہوئے غریبوں اور مسکینوں کی حاجت روائی کا ذریعہ ہو جاتے ہیں اور اسی اطاعتِ الٰہی و پیروی رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور مسکینوں کی حاجت روائی کی وجہ سے ان شعائر کی تعظیم و تکریم بھی کی جاتی ہے، اور تعزیہ اور گھوڑا جس کو ذوالجناح کہا جاتا ہے دیگر امور تعزیہ قطعاً عبادت الٰہی و تعمیل سنت پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ خلافِ شریعت ہیں جیسا کہ تفصیل سے گزرا اور نہ اسکے ذریعہ غریبوں کی حاجت روائی ہوتی ہے کیونکہ کبھی اور کسی جگہ یہ سننے میں نہیں آیا کہ گھوڑا ذبح ہو کر

غرباء و مساکین میں تقسیم ہوا اور اس سے ان کی غربت و مسکینیت کو دُور کیا گیا، لہٰذا یہ تعزیہ قطعاً شعائر اللہ میں داخل نہیں ہے، اور نہ اس کی تعظیم و تکریم شرعی طور پر جائز ہے اور کسی شرعی معزز اور مکرم چیز کی طرف منسوب ہو کر وہ چیز شعائر میں داخل نہیں ہو سکتی۔

اوّل اس لئے کہ پہلے مذکور ہوا کہ شعائر کی تقرری شریعت کی طرف سے ہوتی ہے، کسی اور کو اپنے خیال سے کسی چیز کو شعائر میں داخل کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔

دوم اس لئے کہ اگر یہ قیاس اور خیال مان لیا جائے کہ نسبتِ مذکورہ سے ہر شئے شعائر میں داخل ہو جاتی ہے تو لازم آئیگا کہ جہاں پر کسی پیراہن، تنور، تابوت، گدھا، اونٹنی، کتاب، روضہ وغیرہ پر نظر پڑے، وہاں پر ان چیزوں کو پیراہن یوسف، تنورِ نوح، تابوتِ موسیٰ گدھا عیسےٰ، اونٹنی صالح، روضہ امام حسین وغیرہ کی طرف نسبت سمجھ کر جھکنا شروع کر دے، جہاں پتھر پر نظر پڑے تو حجرِ اسود کی طرف منسوب کرتے ہوئے اُس کو چومنا شروع کر دے، اور ان کی ہر طرح وہی تعظیم بجالائے جو اصل چیزوں کے ساتھ شرعاً جائز ہے، جیسا کہ تعزیہ میں کیا جاتا ہے کہ اصل روضہ امام حسین کی طرح اس کی تعظیم کی جاتی ہے اور وہی آداب بجالائے جاتے ہیں جیسا کہ پہلے عمدۃ البیان تفسیر شیعی سے بھی نقل کیا گیا ہے، کیونکہ واقع میں ایسا نہیں اور ہرگز نہیں کہ یہ وہی ہے اور اس کی صحیح نقل ہے اور اُس کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی سب تعظیمیں شروع کر دی جاتی ہیں لہٰذا پیرہن وغیرہ کو نسبت دے کر تعظیم کرنی چاہیئے اور شعائر میں داخل کرنا چاہیئے، اور جب یہ چیزیں شعائر میں داخل نہیں ہیں اور ہرگز ان میں داخل نہیں تو تعزیہ مروّجہ بھی شعائر میں ہرگز داخل نہیں، نہ اس کی تعظیم جائز اور نہ اس پر کوئی ثواب ملتا ہے۔

(۳) اگر کسی بزرگ چیز کی طرف منسوب ہو کر شئے موجب تعظیم ہو جاتی ہے تو پھر ایک تعزیہ پرست کسی مُورتی اور جھوٹے دیوتا کے پجاری کو کیسے طعنہ کر سکتا ہے، کیونکہ آخر وہ کہے گا کہ میں اسکو خدا نہیں سمجھتا نہ بزرگ خیال کرتا ہوں، جیسا کہ تو تعزیہ پرستی اسی خیال سے کرتا ہے۔

اور نیز اگر یہ صحیح ہوتا تو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت شیرِ خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو کبھی بھی اُن بتوں کو جو کعبہ کے اندر موجود تھے اور اُن تصویروں کو جو کہ کعبہ میں دیواروں پہ چسپاں تھیں مٹانے کیلئے ارشاد نہ فرماتے کیونکہ وہ بھی بزرگوں کی تھیں اور بزرگوں کی طرف منسوب

تھیں اور بتوں کو بھی وہ اسی نسبت سے پوجتے تھے، نہ یہ کہ ان کو خود خدا خیال کرتے تھے۔
افسوس کہ جس کو نبی و ولی علیہما السّلام مٹائیں، بہ ہاتھی حضرات اُسے خوب بنائیں اور اُسی کو ذریعۂ ہدایت و نجات مقرر کر دیں، بہر صورت، اگر صورت پرستی وغیرہ ناجائز ہے تو تعزیہ مروجہ بھی ناجائز اور حرام ہے، مگر وہ قطعی طور پر حرام ہے، لہٰذا تعزیہ وغیرہ بھی اسی طرح ناجائز و حرام ہے۔

تعزیہ کو ذُنبۂ اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح کہنا دو وجہ سے غلط ہے

(۴) اگر تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے اور فرض کر لیا جائے کہ روضۂ امام حسین شعائر میں داخل ہے (یعنی حقیقت میں تو وہ شعائر میں داخل نہیں ہے) تو اس سے یہ کہاں ثابت ہُوا کہ اُس قبر اور روضہ کی نقل بھی شعائر میں داخل ہے اور اس کیلئے اصل روضہ کے سب احکام بھی ثابت ہیں، اصل روضہ کی طرح اس کی تعظیم وغیرہ بجالانا بھی ضروری ہے؟ ورنہ یہ ماننا پڑیگا کہ ہم ختنہ، ذبح وغیرہ شعائر کی صورت میں ایک لکڑی یا مٹی وغیرہ سے شبیہ بنا کر اُس کو ذبح کر دیں اور اس پر اصلی ختنہ اور ذبح وغیرہ کے سب حکم جاری کر دیں اور اگر یہ جائز اور تسلیم نہیں کیا جا سکتا؟ تو ماننا پڑیگا کہ تعزیہ کی جو کہ روضۂ اقدس کی نقل متصور ہے، ہرگز تعظیم جائز نہیں اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جس طرح قربانی کا دُنبہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا شبیہ اور نقل ہو کر موجب تعظیم اور ذریعۂ ثواب بنا ہے، اسی طرح یہ تعزیہ روضۂ امام حسین کی نقل ہو کر موجب تعظیم اور ثواب ہُوا ہے۔

اوّل اس لئے غلط ہے کہ اس بنا پر تعزیہ میں مٹی کا روضہ اور اُونٹ یا خچر ہونا چاہیئے کیونکہ مقام کربلا میں یہی سواری تھی، اور اس پر سوار ہو کر آپ نے جماعتِ مخالفین پر اپنی صداقت کی دلیلیں بیان فرمائیں اور حجت کو تمام کیا نہ یہ کہ کسی گھوڑے کو، جس کو تمام سال سخت بے رحمی سے استعمال کیا جاتا ہے، اُس کو مارا جاتا ہے، کوٹا جاتا ہے اور طرح طرح کے مظالم اُس پر رَوا رکھے جاتے ہیں، ایک تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی طور پر دُلدل امام حسین سمجھ سمجھا کر خلافِ شرع تعظیم و تکریم شروع کر دی جائے۔

دوم اس لئے غلط ہے کہ شعائر قیاسی اور خیالی نہیں ہیں کہ ہر شخص جس کو چاہے شعائر اسلام میں داخل کر کے اُس کی تعظیم و تکریم بجالائی موجب ثواب سمجھ لے جیسا کہ اُوپر گزر رار

دلیل ۱۲ ۔ تفسیر معالم التنزیل مطبوعہ بمبئی اور بیضاوی وغیرہ میں آیت یعملون مایشاء

من محاریب و تماثیل (سورہ سبا) کے نیچے یوں تفسیر کی گئی ہے۔

انما کانوا یعملون لہ تماثیل ای صوراً من نحاس وصفر وشبہ زجاج ورخام وقیل وکانوا یصورون السباع وقیل کانوا یتخذون صور الملٰئکۃ و الانبیاء والصالحین فی المسجد لیراہ الناس فیزدادوا عبادۃً

قوم جن حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے آپ کے عہدِ حکومت میں تانبے، پیتل، کانچ، بلور، سنگ مرمر اور بعضوں نے کہا ہے کہ درندوں وغیرہ کی اور بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام اور نیک بندوں کی صورتیں بنایا کرتے تھے۔ اور مسجدوں میں رکھا کرتے تھے، تاکہ ان کو دیکھکر عبادت الٰہی میں لوگ زیادہ سے زیادہ رغبت اور توجہ کریں۔

ثابت ہوا کہ کسی چیز کی نقل شریعت میں جائز ہے اور موجبِ ثواب، اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، لہٰذا تعزیہ جائز ہے، کیونکہ تعزیہ میں روضۂ امام حسین رضی اللہ عنہ کی نقل ہے، جس کو دیکھ کر واقعاتِ کربلا آنکھوں کے رُوبرُو آجاتے ہیں، غم کا اظہار ہمدردی کا ثبوت ملتا ہے، جو کہ شریعت میں جائز ہے اور موجبِ ثواب۔

جواب (۱) پہلی شریعتیں سب کی سب منسوخ اور متروک العمل ہیں، مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ کبھی جائز نہیں کہ قرآن مجید اور حدیثِ پاک کو چھوڑ کر محض اپنی غرض سے کسی اور چیز پر عمل کرتا پھرے، کیا انصاف یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو کلمہ پڑھے اور عمل پہلے نبیوں کی شریعت پر کرے؟

(۲) تعزیہ کو جنوں کے مختلف صورتوں کے بنانے پر قیاس و اعتبار کرتے ہوئے صحیح اور جائز خیال کرنا درست نہیں۔ اوّل اس وجہ سے کہ قوم جن کے بہت سے احکام، نوعِ انسان کے خلاف ہیں اور اُن میں انسان کو شرکت جائز نہیں، دوم اس لئے کہ شریعت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جاندار چیز انسان ہو یا کوئی اور کی تصویر بنانا انسان کیلئے ناجائز اور حرام ہے، اب اگر جنوں کے ہر عمل و فعل کو انسان کے لئے جائز قرار دیا جائے تو لازم آئیگا کہ انسان کو جانداروں کی صورتیں بنانا بھی جائز ہوں جو کہ قطعاً ناجائز ہیں۔

(۳) یہ مروجہ تعزیہ قرآن مجید اور حدیثِ پاک، اور اقوالِ ائمۂ اہل بیت وارشاداتِ علماءِ اُمت

کے سراسر مخالف ہے۔

(۴) جن جو صورتیں بنانے تھے اُن سے مطلب یہ تھا کہ لوگ اور بھی زیادہ عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوں اور اسی وجہ سے مسجدوں میں صورتوں کو رکھا جاتا نہ کہ اُن کی عبادت ہوتی اور ان پر نذر و نیاز وغیرہ بدعتوں کو اختیار کیا جاتا، بخلاف تعزیہ کے کہ اسکو دیکھنے والے حضرات نفلی عبادت کیا فرضی اور ضروری عبادت کا بھی خیال نہیں فرماتے، بلکہ اس تعزیہ کو ہی سب عبادت خیال کرتے ہیں اسی طرح اور متعدد ناجائز چیزوں کو تعزیہ کی رونق بناتے ہیں جیسا کہ لکھا گیا۔

ہر صورت تعزیہ مروجہ شریعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور اس کے کرنے سے بجائے ثواب کے اور گناہ ہوتا ہے۔

دلیل ۱۷۔ بخاری کتاب الادب میں ہے۔ عن عائشة كنت العب بالبنات على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ترجمہ) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں (بحالتِ نابالغی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی"۔ اس کی شرح میں ابن حجر تو یوں فرماتے ہیں۔

واستدل بهذا الحديث على جواز اتخاذ صور البنات واللعب من اجل لعب البنات بهن خص ذالك من عموم النهي عن اتخاذ صور وبه جزم قاضي عياض ونقله الجمهور وانهم اجاز وابيع اللعب في البنات لتدريبهن من صغرهن على امر بيوتهن واولادهن۔

اس حدیث سے اس بات پر دلیل پکڑی گئی ہے کہ لڑکیوں کے کھیلنے کی گڑیاں بنانا جائز ہے اور تصویر کشی کی ممانعت سے اسکو خاص کیا گیا ہے اور یہی عام علما کا مذہب ہے اور یہ بھی جائز رکھا گیا ہے کہ لڑکیوں کیلئے گڑیوں کا دینا لینا سب جائز ہے کہ وہ صغر سنی اور بچپن سے ہی اپنے خانگی وغیرہ معاملات میں مہارت و تجربہ پیدا کر لیں۔

فتح الباری شرح بخاری میں ہے

فكشف ناحية الستر على بنات العائشة وقال ما هذا قالت بناتي ورأى فيها فرسًا مربوطًا له جناحان فقال صلى الله

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کی گڑیوں سے پردہ کو اُٹھایا اور فرمایا کہ یہ کیا ہے حضرت عائشہ نے عرض کی کہ یہ میری گڑیاں ہیں، اور آپ نے اُن کے درمیان گھوڑا بندھا ہوا دیکھا کہ اُس کے دو پَر لگا رکھے تھے پس آپ نے فرمایا.....

علیہ وسلم ماھذا فقالت فرس ولہٗ جناحان قالت اَوَلم تسمع اِنہٗ کان لسلیمان خیلٌ لھا اجنحۃ فضحک النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ گھوڑا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ گھوڑا اور اس پہ دو پَر؟ میں نے عرض کی کہ آپ نے سُنا نہیں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے جن کے پَر لگے ہوئے تھے اس پر آپ ہنس پڑے۔"

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ" در تصویر بر رخصتی است" یعنی گڑیوں کی تصویر بنانے میں رخصت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

ان جبریل جاء بصورتھا فی خرقۃ حریر خضراء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھذہٖ زوجتک فی الدنیا والاخرۃ۔

حضرت جبریل علیہ السلام حضرتِ عائشہ کی صورت لیکر نکاح سے پہلے، حاضر دربار رسالت ہوئے۔ اور عرض کی کہ آپ کی یہ دنیا و آخرت میں بیوی ہے۔

ثابت ہوا کہ حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھیلنے کے لئے گڑیاں بلکہ گھوڑا بھی بنایا، اور اُن کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کی نقل بتایا جس کو حضور علیہ السلام نے پسند فرمایا اور منع نہیں کیا اور جمہور اہلِ سنت و جماعت نے بھی گڑیوں کا بنانا، ان کے ساتھ کھیلنا اور ان کی خرید و فروخت کرنا سب جائز رکھا ہے، اسی طرح حضرتِ عائشہ کی صورت لے کر حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے اس سے نفرت نہیں کی اور نہ منع فرمایا ہے، تو جب گڑیاں بنانا ان کا دینا لینا وغیرہ اور جانداروں کی نقل اُتارنا اور جانداروں کی تصویر بنانا حدیثوں کے ذریعہ جائز ثابت ہوا تو تعزیہ بھی جائز ہے کیونکہ تعزیہ میں بھی روضۂ امام حسین کی اور آپ کے دُلدُل کی شبیہ و نقل ہے۔

جواب۔ حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گُڑیوں اور جمہور اہلِ سنت کے گڑیوں کو بنانے کے علاوہ اور احکام خرید و فروخت وغیرہ کے جاری کرنے سے تعزیہ کا جائز ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اوّل اسلئے کہ مروجہ تعزیہ شریعت کے خلاف ہے، دوم اس لئے کہ یہ گڑیاں تصویریں لڑکیوں کی صغرسنی اور نابالغی کی ہی حالت کے ساتھ مخصوص ہیں کیونکہ عرفِ عام میں کہ بچپنے اور نابالغی کی حالت میں ہی کھیلنے کے لئے لڑکیاں ان کو بناتی ہیں، نہ کہ بالغ ہونے کے بعد بھی اسی کھیل میں وہ مشغول رہتی

ہیں دن ورات کا مشاہدہ اس پر ایک زبردست گواہ ہے، بخلاف تعزیہ کے کہ اس میں بالغ حضرات ہی ہوا کرتے ہیں، نابالغ بچے بہت کم، لہٰذا تعزیہ کو ان پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہیں کہا جاسکتا۔

سوم اس لئے کہ کہاں گڑیوں کے ساتھ کھیلنا اور کہاں تعزیہ میں نوحہ اور ماتم سازی، دونوں میں کیا مناسبت ہے کہ ایک کے جائز ہونے سے دوسری چیز کو بھی جائز قرار دیا جائے، کیا تعزیہ والے حضرات ائمۂ اہلبیت اور شہداء کرام کا نام لے کر کھیلا کرتے ہیں؟ اور اگر نہیں! تو گڑیوں کے کھیل سے تعزیہ کیسے جائز ہوگیا؟

چہارم اس لئے کہ گڑیوں کا بنانا تو صرف اس لئے جائز رکھا کہ بچپنے سے ہی لڑکیوں کو اپنے خانہ داری کاروبار میں سمجھ آجائے اور بالغ ہوتے ہی ان کو اپنے خانگی معاملات میں کسی طرح کی دقت نہ ہو، اور یہ بات تعزیہ میں ہرگز نہیں پائی جاتی، کیونکہ جب یہ خود ہی ناجائز ہوا تو کسی امر کیلئے سہولت کا باعث کیا بنے گا۔

پنجم اس لئے کہ جاندار چیز کی تصویر بنانا کسی عاقل مسلمان کو شریعتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ناجائز اور حرام ہے، ہاں غیر جاندار کی جائز ہے، لیکن اُس کے ساتھ یہ جائز نہیں ہے کہ اُس کے اُوپر اصل کے حکم جاری کردیئے جائیں اور اُس کے ساتھ ہزاروں بدعتیں اور ملا کر اپنی عاقبت کو خراب کیا جائے جیسا کہ مروجہ تعزیہ میں یہی بات ہے کہ نقل مطابق اصل نہ ہونے کے علاوہ اور متعدد ناجائز چیزیں اسکے ساتھ ملادی گئی ہیں، ششم اس لئے کہ صورت کا بنانا شریعتِ اسلام میں انسان کو منع ہے، نہ کہ دیکھنا اور حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی تصویر انسان کی بنی ہوئی نہ تھی بلکہ رب العزت کی جو کہ جائز ہے، کیا اللہ سبحانہٗ کی بنائی ہوئی صورتیں ایک نہ ختم ہونے والے سلسلہ کی صورت میں انسان مشاہدہ نہیں کرتا؟ اور جب کرتا ہے اور ضرور کرتا ہے تو پھر کیا یہ سب ناجائز ہوا؟ ہرگز نہیں، تو بات وہی نکلی کہ کسی عاقل انسان کو جاندار چیز کی تصویر بنانا ناجائز ہے، نہ کہ خدا تعالےٰ کو، اور تعزیہ جس کو محض انسان نے بنا رکھا ہوا ہے، اُس کو خدا تعالےٰ کی بنائی ہوئی تصویر پر اعتبار کرکے کیسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے، کیا یہ بھی کوئی شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو چیز خدا تعالےٰ کو کرنی جائز ہے، وہ انسان کو بھی جائز ہے؟ اور پھر لُطف یہ ہے کہ حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تصویر لانے کا قصہ ایک خواب کا واقعہ ہے نہ کہ بیداری کا، اور ہر عقلمند آدمی سمجھتا ہے کہ خواب پر بیداری کے عالم میں کسی اور چیز کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ؎

جنوں کا نام خرد رکھدیا خرد کا جنوں ——— جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

بہرصورت وجوہِ بالا مذکورہ کے لحاظ سے مرسومہ تعزیہ ناجائز و حرام ہے کسی طرح اس میں شرکت جائز نہیں۔ دلیل ۱۸۔ ہر سال مصر سے حضرت عائشہ کی محمل جنگِ جمل کی یادگار میں آتی ہے، وہ کیوں جائز ہے؟ اگر وہ نقل اور یادگار ہونے کی وجہ سے جائز ہے، تو تعزیہ بھی جائز ہونا چاہیئے کیونکہ یہ بھی روضۂ امام حسین اور آپ کے دُلدُل کی نقل و یادگار ہے۔

جواب۔ (۱) محمل مصری مکہ معظمہ میں ہر سال غلافِ کعبہ لے کر آتی ہے نہ کہ وہ کسی کی یادگار ہے، اسی طرح ماتمی حضرات بھی کعبۂ معظمہ کا غلاف لے جائیں یا کم از کم کربلائے معلّٰے کا ہی غلاف لے جائیں تو کون منع کرتا ہے۔

(۲) اگر بالفرض وہ کسی کی یادگار بھی ہو تو چونکہ اُس کے ساتھ خلافِ شرع کوئی بات نہیں ہوتی، لہٰذا اُس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ہزاروں اسلام میں یادگاریں قائم ہیں، لیکن اُن کے ساتھ کوئی خلافِ شرع کام نہیں ہوتا، بخلافِ تعزیہ مروجہ کے کہ معاذ اللہ یہ مجسمۂ بدعت ہے جیسا کہ شیعہ کتب سے بھی تصریح گزر چکی ہے لہٰذا یہ تعزیہ ناجائز اور حرام ہے

؎ تازگی فکر کی کبھی نہ گئی ۔۔۔ جب کہی خدا کی قسم سنائی نئی بات

دلیل ۱۹۔ حدیث شریف میں تعزیہ کا ثبوت موجود ہے کہ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن و حسین میرے گھر میں تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السّلام تشریف لائے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کے بعد آپ کے فرزند حسین کو آپ کی اُمت قتل کرے گی، پھر تھوڑی سی مٹی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا کر دی، جس کو سونگھ کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس سے کرب و بلا کی بُو آتی ہے، اور فرمایا کہ اے اُم سلمہ جب یہ مٹی خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا بیٹا حسین شہید ہو گیا ہے، اُم سلمہ نے وہ مٹی شیشہ میں رکھ دی، یہ مٹی کا تعزیہ ہے جو کہ خانۂ رسول علیہ السّلام میں رکھا گیا اور آپ نے اس پر آنسو بہائے، اور یہ مٹی کا تعزیہ ایک مدت تک خانۂ رسول میں رہا، اس پر کسی نے انکار نہیں کیا، اب یہ تعزیہ اُسی کی نقل اور شبیہ ہے، خواہ مٹی کی صورت میں ہو یا کسی اور صورت میں، ہاں اس میں قدرے زیادتی ہو گئی ہے، مگر کوئی ہرج نہیں کہ اسکی وجہ سے وہ تعزیہ بدل نہیں سکتا، کتنی ہی زیادتی ہو، تعزیہ ہی ہے، جیسا کہ مسجد نبوی میں

بہت سا اضافہ ہوا ، مگر وہ آج تک مسجد ہی ہے نہ کہ کچھ اور، خلاصہ یہ کہ تعزیہ مرسومہ جائز ہے اور ایک سنت کی پیروی ہے، ایمانی عبادت اور باعثِ نجات ہے لہٰذا ضرور ضرور نکالنا چاہیئے۔

جواب۔ بلاشبہ حدیث میں یہ تذکرہ موجود ہے، لیکن اس سے رسمی تعزیہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا، وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) جب قرآن مجید اور متواتر و مشہور حدیثوں اور افعال و اقوال ائمہ کرام اور مجتہدین عظام سے اس کی ممانعت ثابت ہوگئی تو اس اتفاقی اور ہنگامی تذکرے سے جس میں امت کو کوئی حکم نہیں دیا گیا، تعزیہ کا ثبوت کیسے نکل سکتا ہے۔

(۲) مٹی کا دینا لینا محض ایک تاکیدی امر تھا کہ یہ واقعہ ضرور ہو کر رہے گا، نہ یہ کہ اس کو تعزیہ کی رسم قرار دیکر فعلِ مسنون اور موجبِ ثواب اور ذریعۂ نجات بنایا جائے ورنہ یہ لازمی تھا کہ جہاں اُمتِ مرحومہ کو اور نجات کے سب طریقے واضح فرمائے ہیں اور عمل پیرا ہو کر دکھلائے ہیں، وہاں یہ رسمِ تعزیہ بھی کبھی ہوتی، بلکہ عملی طور پر کی ہوتی، حالانکہ باوجودیکہ کوئی امر مانع بھی نہ تھا، پھر نہ آپ نے اور نہ ائمہ اطہار نے یہ ضروری رسمِ تعزیہ ادا فرمائی اور نہ کرنے کا ارشاد فرمایا۔ بلکہ سخت ممانعت کی اور بجائے ثواب کے اسکو سبب ثواب وایمان ضائع ہونے کا ذریعہ بنایا۔

(۳) آپ کا آنسو بہانا ایک بے اختیاری اور فطری تقاضا ہے لیکن یہ امر جائز ہے، اور مسنون اور موجبِ ثواب، جبتک اس کے ساتھ کوئی ناجائز امر ملا ہوا نہ ہو، جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے، مگر اس سے یہ رسمی تعزیہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا جو کہ سراسر شریعتِ پاک کے خلاف ہے، اور ہزاروں بدعتوں کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

(۴) وہ مٹی جو کہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے تھے اور خانۂ اقدس میں رکھی گئی وہ وہی اور بعینہٖ کربلا کی مٹی تھی نہ یہ کہ اُسکی نقل اور شبیہ بنائی گئی تھی، بخلاف تعزیہ کے کہ اس میں سب کچھ نقل ہی نقل ہے اور وہ بھی اصل کے خلاف اور اس کے علاوہ متعدد بدعتوں کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

(۵) مسجد کے اُوپر قیاس کرنا سراسر عقل کے خلاف ہے، کیونکہ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی زیادتی میں ایک بال کے برابر شریعتِ مطہرہ کی خلاف ورزی نہیں کی گئی اور وہ قرآن و

حدیث کی رُو سے جائز اور مسنون اور موجبِ ثواب و نجات ہے۔ برخلاف تعزیہ کے کہ یہ مجسمہ بدعت اور قطعاً شرع کے خلاف ہے اور ثواب و ایمان کے ضائع ہونے کا سامان ہے، ثابت ہُوا کہ یہ رسمی اور موجودہ تعزیہ شریعت کے سخت خلاف ہے لہٰذا ناجائز اور حرام ہے۔ ؎

ہمیں گفتند حاشا ثم حاشا ۔۔۔ چنیں کردند خلقت در تماشا

دلیل نمبر ۲۰۔ شہادت کے روز ایسے آثار و کرامتوں کا ظہور ہُوا کہ دُنیا میں ہزاروں شہید گزرے ہیں اور بے تعداد جاں نثار پیدا ہوئے ہیں، مگر یہ نشانات کہ زمین و آسمان کا متغیر ہونا پتھروں کے نیچے سے لہو، خون کا ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ صرف آپ ہی کی شہادت کے ساتھ مخصوص ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ممتاز شہادت تھی، جس کو آپ نے بے پناہ مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے حاصل کیا اور فرزندانِ توحید پر واضح کر دیا کہ آخر حق کو ہی غلبہ ہوا کرتا ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ماتمی مجلسوں کو قائم کریں، اور امام حسینؓ کی یاد میں اپنی طاقتوں کو صرف کریں اور اُن کے پائے استقلال کو دُنیا کے رُوبرو پیش کریں، اور تعزیہ میں یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔

جواب۔ واقعی روزِ شہادت ایسے حیرت انگیز اور تعجب خیز آثار ظاہر ہوئے جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور ایسے شہید بہت کم ہوئے، جن کی شہادت پر قابلِ حیرت نشانات ظاہر ہوئے لیکن اِن آثار و علامات سے تو آپ کی بارگاہِ الٰہی میں برتری اور بلند پایگی ثابت ہوتی ہے اور آپ کے استقلال اور عزم و ثبات کی دلیل، مگر رسمی تعزیہ کو اس سے کیا نسبت، اس کا ثبوت قطعاً اس سے نہیں ہوتا، زمین و آسمان کا متغیر ہونا اور پتھروں کے نیچے سے خون نکلنا وغیرہ سب کچھ تسلیم لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان جمادات اور نباتات وغیرہ کو دیکھ کر ہم بھی خلافِ شرع کام شروع کر دیں، کیونکہ ہم تو خدا تعالےٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے پابند ہیں نہ کہ کسی پتھر وغیرہ کے اور تعزیہ اور ماتمی مجلسیں ان میں چونکہ شریعت کے خلاف رسمیں اختیار کی جاتی ہیں، اور لوگوں کو اُن کے کرنے پر آمادہ بلکہ مجبور کیا جاتا ہے اور نہ کرنے پر اپنے دنیاوی اثرات سے کام لے کر بیچارے سادہ لوح ایمان داروں کو تنگ اور انکی عاقبت کو تباہ کیا جاتا ہے، لہٰذا ناجائز ہیں اور ان کے دیکھنے اور بنانے پر کوئی ثواب، اور نجات ملنے کی صورت نہیں، پس مسلمانوں کو ایسی مجلسوں سے الگ رہنا چاہیئے اور غلبہ بلاشک آخر حق کو ہی ہوا

ہوا کرتا ہے، چنانچہ آپ نے بے پناہ مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے بڑے استقلال سے اسکو ثابت فرما دیا ہے، مگر ان ماتمی حضرات کو اس سے کیا تعلق یہ تو ذراسی مصیبت پر شریعت کو جواب دے بیٹھے ہیں، تعزیہ کے روز ہی دیکھئے اور تو کیا فرضی نماز کو بھی ادا کرنے سے دل چراتے ہیں، روزہ کا نام نہیں، حج کا خیال تک نہیں، بلکہ ان ماتمی حضرات میں سے ایسے بھی بہت ہیں، جو شریعت کی ڈٹ کر مخالفت پر تلے ہوئے ہیں، سُود لے رہے ہیں، رشوتیں کھا رہے ہیں، اگر روکا جائے تو فرماتے ہیں کہ یہ سُود اور بیاج نہیں، بلکہ نفع ہے، اَوڑا ہے، تعاون ہے، چوری کا وظیفہ ہے چغلی کا طریقہ ہے، وغیرہ وغیرہ، مگر محبِ اہلِ بیت جناب ایسے کہ مثالِ ندارد، اللہ تعالیٰ شریعت پر چلنے کی ہم مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔

دلیل ۲۱۔ نصاریٰ اور عیسائی قومیں جو کہ بڑی مالدار اور نہایت متمدن ہیں، وہ اپنی میزوں مکانوں، جسموں کتابوں پر رسمی صلیب اور حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کے نعل کی شبیہ بنا کر لگاتے ہوئے زینت دیتے ہیں، اور اُن کی تعظیم بجالاتے ہیں تو تعزیہ بھی جائز ہے، کیونکہ اس میں شہداءِ کربلا وغیرہ کی تعظیم مقصود ہے، اور ان کی شانِ استقلال اور پختگیٔ ایمان ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس تعزیہ میں جو خرچ ہوتا ہے وہ گو اسراف کی صورت بھی ہوجاتی ہے، لیکن اس میں کیا حرج ہے، دیکھئے ہندو قومیں اپنے تہواروں، میلوں، اشنانوں، تیرتھوں پر کس قدر اسراف سے خرچ کرتی ہیں جس سے ان کی قوم زندہ ہے، اور دُنیا پر اُن کی شان نظر آتی ہے۔

جواب۔ افسوس کہ مسلمان قرآن اور حدیث اور ائمۂ کرام کو چھوڑ کر ایک ناجائز تعزیہ کو جائز ثابت کرنے کے لئے غیر مسلموں، ہندوؤں، عیسائیوں کی آڑ لے رہا ہے، جن سے شریعت پاک کی رُو سے اجتناب واجب ہے اور الگ رہنا ایک اخلاقی فرض ہے، یاد رکھو کہ مسلمان شریعت اور صرف شریعت کا پابند ہے، نہ کہ کسی اور قوم و مذہب کا، اور یہ ایک موٹی سی بات ہے کہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے کھُلے کھُلے ارشادات میں یہ حکم موجود ہے، زیادہ کہنے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا ان کی کسی مذہبی چیز کو دیکھ کر ان کی اقتداء کرنا ناجائز اور حرام ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہنود عیسائی وغیرہ سب کچھ مناتے ہیں۔ لیکن اپنے پیشواؤں کی تکلیف کے دن کبھی نہیں مناتے اور نہ اُن کا کوئی خاص اہتمام کرتے ہیں اور وجہ غالباً یہی ہوگی کہ وہ ایسا کرنا

اپنے مذہب اور اُن کی توہین خیال کرتے ہیں مگر افسوس یہ ماتمی حضرات سب کچھ کر جاتے ہیں، نہ ان کو تعظیم کا پتہ رہتا ہے نہ توہین کا، اس سے تو یہی ہزار درجہ بہتر تھا کہ اولادِ حسنین سے کسی کا جلوس نکالا ہوتا، کیونکہ عیسےٰ السلام کی تو اب اولاد نہیں ہے، لہذا ممکن ہے کہ عیسائی لوگ نعلِ خرِ عیسےٰ کی شبیہ بنا لیتے ہوں۔ لیکن حضرتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد تو دنیا میں کافی سے زیادہ موجود ہے، مگر یہ نصیب دشمنان ماتمی حضرات کو اس سے کیا کہ وہ ایسی چیز کریں جس سے شہداءِ کرام کی ارواحِ طیّبہ شاد و خرّم ہوں ؎

بھلا ان جھوٹی باتوں سے کہو کوئی کیا کام ہوتا ہے   سوا اسکے کہ اپنا نام ہی بدنام ہوتا ہے

دلیل ۲۲۔ تعزیہ کے جائز ہونے کی یہ دلیل بھی ہوسکتی ہے کہ غیر مذہب والے جب تعزیہ کو اس شان و شوکت سے دیکھتے ہیں تو اُن کو مسلمانوں کا ملی احساس اور مذہبی تڑپ کا ایک نظارہ نظر آتا ہے اور بے ساختہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ تبلیغ کا بہترین طریقہ ہے، بس ان ہی ترقیِ اسلام کے علاوہ غیر مذاہب پر ایک رعب بھی پڑتا ہے۔ لہذا جائز ہے۔

جواب۔ کسی غیر مذہب والے کا کسی چیز کو اچھا کہنا کوئی شرعی دلیل نہیں ہے، ہزاروں ایسی چیزیں ہیں جن کو وہ پسندیدہ نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن اسلام نے اُن کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، لہذا غیر مذاہب والوں کے تعزیہ کو اچھا کہنے سے یہ ہرگز جائز نہیں ہوسکتا نیز غیر مذاہب ایسے بھی موجود ہیں جو کہ اس کو بُرا اور اسلام کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں، بلکہ بعض امریکی سیاحوں کی زبانی سننے میں یوں بھی آیا ہے کہ اسلام ایک صحیح اور فطری مذہب ہے، ایک اخلاقی دین ہے، اس کے پیروکار نہایت شفیق اور خدا ترس ہیں، لیکن ایک بات ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے بھی لوگ ہیں، جن کو رافضی کہتے ہیں کہ سال میں ایک مہینہ ان پر ایسا آتا ہے کہ یہ بیچارے روتے ہیں، اور واویلا کرتے ہیں، آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، پیٹتے پیٹتے حواس کھو بیٹھتے ہیں، مارپیٹ اور سینہ کوبی سے اپنے آپ کو زخمی کر لیتے ہیں کہ مہینوں بیہوش ہو کر پیوندِ فرش بنے رہتے ہیں، خدا جانے ان کو کیا ہوتا ہے، ایسی چیز کا حکم جس کو عقلِ سلیم درست نہ سمجھتی ہو، اسلام کبھی روا نہیں رکھ سکتا۔ باقی رہی تعزیہ کے ذریعہ سے تبلیغ، پس اس کا پہلے لکھا جا چکا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ تعزیہ مرسومہ ناجائز ہے اور بدعتِ قبیحہ۔

مزعومی فوائدِ شہادت اور اُن کے جوابات

دلیل ۲۳ ۔ شہادتِ امام مظلوم میں بہت سے فائدے ہیں، جن کی وجہ سے یہ تعزیہ بطورِ یادگار منایا جاتا ہے۔ **فائدہ ۱:** حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خواب آئی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اکلوتے اور عزیز ترین بچے اسمٰعیل علیہ السلام کو قربان کر دیں اس کی صحیح تعبیر حضرت امام حسینؓ کی شہادت ہے اور آیت فَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ میں ذِبحِ عظیم سے بھی یہی مُراد ہے۔ چنانچہ مولوی اولادِ حیدر صاحب نے اپنی کتاب "ذبحِ عظیم" میں اور دوسرے شیعہ حضرات نے اپنی تصنیفات میں اسی کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بدلے ایک موٹا تازہ دُنبہ لٹا کر ذبح کر دیا گیا تو آپ نے افسوس کیا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میرا بچہ ہی ذبح ہوتا۔ اس پر وحی آئی کہ آپ اپنی ذات کو محبوب خیال کرتے ہیں یا کہ ہمارے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو؟ آپ نے عرض کی کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، وحی ہوئی کہ آپ اپنی اولاد کو اچھا سمجھتے ہیں، یا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو؟ عرض کی کہ جناب محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو، وحی ہوئی کہ ہمارے محبوب جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے امام حسینؓ کو اُن کی اُمت نہایت بے رحمی سے شہید کرے گی۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام خوب روئے وحی ہوئی کہ جتنا صدمہ تم کو جناب امام حسینؓ کی شہادت سُن کر ہوا ہے اتنا اپنے بچے کو ذبح کرنے میں نہیں ہوا تھا، لہٰذا ہم نے تم کو امام حسین کی شہادت کے غم کا بدلہ اور فدیہ دیا جو کہ ایک ذبحِ عظیم ہے، لہٰذا ارشاد فرمایا۔ وفدیناہ بذبح عظیم۔

فائدہ ۲ ذبحِ عظیم سے مراد آپ کی شہادت ہے نہ کہ اسمٰعیل کی

جواب (۱) کسی کام کے جائز اور ناجائز ہونے کا معیار اور اُس کے صحیح ہونے کی دلیل کسی فائدہ کا حاصل ہونا نہیں ہے، ورنہ شراب، جوا، چوری وغیرہ افعال سب جائز ہو جائیں گے، کیونکہ ان میں آخر فائدے بھی بہت ہیں۔

(۲) آیت کریمہ وَ فَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ سے مُراد شہادتِ امام حسینؓ رکھنا اسلوبِ قرآنِ مجید اور تصریحاتِ مفسرینِ کرام کے برخلاف ہے، عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی کہ صدہا

کے بعد جو چیز ظہور میں آنے والی ہو، اُس کو کسی چیز کا فدیہ کہا جا سکے، مثلاً عذر شرعی کی بناء پر جو روزہ نہ رکھ سکے اُس کو حکم ہے کہ روزہ کا فدیہ دے، مگر اُسی روز نہ کہ ایک مدت کے بعد، اسی طرح ہم جب کسی سے کوئی چیز لے کر یہ کہیں کہ اس کے بدلے یہ لو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ایک مدتِ مدید کے بعد لے، بلکہ اُسی وقت نقد بنقد۔

(۳) اس سے مراد اگر شہادتِ امام حسینؓ ہو بھی تو بھی رافضی حضرات کو کوئی خوشی نہیں اور نہ وہ یادگار منانے کے مستحق ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبحِ عظیم سے یہ سمجھ کر کہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے بیٹے امام حسین رضی اللہ عنہ کو امت کے بدترین ظالم اور سخت ناعاقبت اندیش بڑی بیرحمی سے شہید کر ڈالیں گے، سخت روئے اور افسوس کیا کیونکہ وہ سب کے سب شیعہ ہی تھے، جیسا کہ پہلے لکھا گیا، لہٰذا ماتمی حضرات کو بطریق تعزیہ ذبحِ عظیم کی یادگار منانا ایک غیر معقول چیز ہے

فائدہ ۲ شہادت امام سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی تکمیل ہوئی

فائدہ ۲ - شہادتِ امام سے جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فائدہ پہنچا کیونکہ آپ کے کمالات میں کمی تھی، جو کہ شہادتِ امام کی وجہ سے پوری ہوتی، چنانچہ سر الشہادتین وغیرہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔

جواب۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات میں کمی اور نقصان بنانا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے، قرآنِ مجید اور حدیث اور عقل و نقل کے خلاف ہے اور سر الشہادتین کا حوالہ صحیح نہیں، کیونکہ اول تو یہ کتاب کسی رافضی کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے، دوم اس کے دیباچہ اور ابتدا سے الحاق اور ملائی ہوئی عبارت معلوم ہوتی ہے، سوم اگر وہ حوالہ درست بھی ہوتا تو بھی، قرآن مجید و حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور ناقابلِ عمل ہے

آنکھیں اگر بند ہوں تو پھر دن بھی رات ہے — اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

فائدہ ۳۔ شہادت امام سے اسلام کو فائدہ ہوا۔؟

فائدہ ۳ - شہادتِ امام سے اسلام کو فائدہ ہوا کہ اسکی وجہ سے اُسکی پوری حفاظت ہو گئی، ورنہ اسکی عمارت کو سخت خطرہ تھا کہ حوادثات سے اسکی بنیادیں متزلزل ہو جائیں۔

جواب ۔ (۱) اسلام کا وجود اور بقاء کسی شہادت وغیرہ پر موقوف نہیں ہے، بلکہ محض مشیّتِ ایزدی پر، وہ خود اپنے اسلام کا محافظ ہے۔

(۲) رافضی حضرات کو یہ کہنا درست نہیں، کیونکہ اُن کے ہاں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وقت سے ہی اسلام کی بنیادیں ہل چکی تھیں، اور قرآن بدلا گیا، سنت مٹادی گئی، صحابہ رضی اللہ عنہم بجز چند کے (معاذ اللہ) سب اسلام سے پھر گئے وغیرہ وغیرہ تو شہادتِ امام کے وقت باقی ہی کیا رہا تھا جو وہ محفوظ رہتا اور بالفرض اگر وہ محفوظ بھی ہوا تو کتنا؟ بتایا جا سکتا ہے کہ اصلی قرآن ظاہر کیا گیا؟ اصلی خلافت اور حقیقی وراثت جاری ہوئی؟ مٹی ہوئی سنّتوں کا پھر اجراء ہوا؟ اگر نہیں اور بالکل نہیں تو پھر شہادتِ امام سے کیا محفوظ ہوا؟ ہاں سُنی حضرات یہ کہہ سکتے ہیں کہ شہادتِ امام سے حق و باطل کا امتیاز ہوا۔ اسلام کی بنیادیں اور مضبوط ہوئیں اور بھولے ہوئے سبق کو پھر دُہرانے کا وقت آگیا جیسا کہ مذکور ہوا۔ **فائدہ ۴۔ شہادتِ امام سے شیعوں کو فائدہ پہنچا**

فائدہ ۴ ۔ شہادتِ امام سے شیعوں، رافضیوں کو فائدہ ہوا ہے، کیونکہ اُن کے اعتقاد میں نجات اور شفاعت ہر دو شہادتِ امام پر موقوف ہیں اور نہ ان کے سوا کسی کو نجات ہو گی، لہٰذا شہادتِ امام سے شیعہ رافضی کی شفاعت اور نجات ثابت ہو گئی اور ہمیشہ کے لئے چین کی زندگی نصیب ہو گی۔ ناسخ التواریخ ص۴۸ پر ہے۔

در ہمہ آفرینش شائستہ ایں شہادت	جمیع مخلوق میں ایسی شہادت کے لائق جو
کہ مفتاحِ شفاعتِ عامہ است جز حسین	عام شفاعت کی کنجی ہو۔ امام حسین کے سوا
علیہ السّلام کسے نبود۔	اور کسی کی ذات نہ تھی۔

خلاصۃ المصائب ص۱۱ پر ہے۔ یا بنی انت معصوم عن الخطا لکن لوفاہ اُمتی۔ یعنی ایک دفعہ حضور علیہ السّلام نے امام حسین علیہ السّلام کے گلے پر بوسہ دیا حضرت امام حسین نے عرض کی کہ چومنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے رو کر ارشاد فرمایا کہ یہ گلا ایک دن تلوار سے کاٹ دیا جائیگا، آپ نے عرض کی کہ کس جرم میں؟ فرمایا کہ تم گناہوں سے پاک ہو، لیکن میری اُمت کے فائدہ کے لئے شہید کر دیئے جاؤ گے۔

جواب ۔(۱) شہادت پر نجات کا موقوف ہونا عقل اور نقل سے باطل ہے، ورنہ شہادت سے پیشتر جملہ اہلِ اسلام بلکہ تمام فرزندانِ توحید کا دوزخی اور جہنمی ہونا لازم آئیگا جو کہ صریح باطل ہے، اسی طرح رافضیوں کا ہی ناجی ہونا بلا دلیل ہے۔

(۲) شہادتِ امام کو شفاعتِ عامہ کی کُنجی اعتقاد کرنا شریعت کے خلاف ہے اور شانِ رسالت میں گستاخی ہے، کیونکہ شفاعتِ کُبریٰ اور عامہ کا سب استحقاق صرف جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہے نہ کہ اور کسی کو۔

(۳) عصمتِ کلّی صرف نبیوں کا خاصہ ہے۔

(۴) شہادت کی وجہ سے اُمت کا فائدہ بتانا شیعہ مجتہدین کی تصریحات کے خلاف ہے، کیونکہ وہ شہادت کی وجہ ترکِ تقیہ وغیرہ کو قرار دیتے ہیں۔

(۵) امت کے لئے شہادتِ امام کا وقوع وظہور ماننا فسق وفجور کا دروازہ کھولنا ہے کیونکہ جب یہ پتہ چلے گا کہ شہادتِ امام ہمارے لئے واقع ہوئی ہے اور ہمارے گناہوں کو مٹانے اور معاف کرنے کے لئے ہے تو گناہوں اور خلافِ شریعت پر کیوں دلیری نہ ہوگی؟

بعینہٖ یہ عیسائیوں کے کفارۂ مسیح کا مسئلہ ہے، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے چونکہ ہمارے فائدے کے لئے سُولی چڑھنا اختیار فرمایا تھا، لہٰذا ہم جو چاہیں کریں، سب معاف ہے، اسی طرح شہادتِ امام کو گناہوں کا کفّارہ کہنے والے بھی دلیر ہو جائیں گے۔

پس ثابت ہُوا کہ ان فائدوں کی وجہ سے تعزیہ بصورتِ یادگار منانا ناجائز ہے۔

تعزیہ کی شرعی وعقلی حرمت کے بعد اس کا جواز کیا؟

سامعین کرام! اوراقِ گذشتہ سے واضح ولائح ہوگیا کہ موجودہ تعزیہ شرعی وعقلی طور پر جائز نہیں، سیاسی اور اخلاقی طور پر یہ مفید نہیں بلکہ اس میں دینی مذہبی کمزوری ہے ملکی نقصان ہے، یہ نسلی اور فطرتی ضعف کا باعث ہے، اغیار کی نظروں میں وقیع نہیں، قومی انتشار کا ذریعہ ہے، دشمنانِ اسلام کی جرأت کا پیش خیمہ ہے، مگر اس کے باوجود رافضی حضرات ایک نہیں مانتے، قرآن وحدیث کو نظر انداز کر رہے ہیں، اپنے مسلّمہ ائمہ معصومین کی مخالفت کر رہے ہیں۔ تقیہ، بزدلی، مفاد پرستی جیسی مکروہ چیزوں کو ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں جیسا کہ

آپ نے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمالیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنا یا کسی دشمنِ اسلام کا ہاتھ ہے، اپنے وقار و خواہش کی آمیزش ہے، دنیاوی سربلندی کے لئے تگ و دو ہے، ائمہ کرام اور اہل بیت عظام کی ذواتِ قدسیہ کو تعزیہ کے جواز کے لئے آڑ بنا رکھا ہے، اور تعزیہ ہی کیا ایسے متعدد مسائل ایجاد کر رکھے ہیں کہ توبہ ہی بھلی، ہم اس سلسلہ میں شیعوں کی ایک آدھ بات سامعین کے زیادہ اطمینان کے لئے اور پیش کرتے ہیں، تاکہ یہ واضح ہو جائے، کہ ایسے شیعہ حضرات کا وجود ملک وملت کے لئے کس حد مفید ہے اور ان کے ان نظریات سے مسلمان کہاں تک اپنے موجودہ انتشار کو دُور کرتے ہوئے اسلامی سربلندی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، سُنئے اور غور سے سُنئے۔

شیعہ حضرات ضروریاتِ دین کے منکر ہیں

شفا شریف میں ہے۔ مَنْ غَاظَ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ فَهُوَ كَافِرٌ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کے اصحاب کے ساتھ بغض اور عداوت رکھتے ہیں وہ کافر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، خدا نے انکو روز افزوں ترقی اسی وجہ سے دی ہے کہ ان کی ترقی کی وجہ سے کافروں کو جلائے۔

اسی طرح ابنِ کثیر نے اپنی مشہور تفسیر میں لکھا ہے۔ مولانا ابو الشکور سلمی رحمۃ اللہ تمہید شریف میں لکھتے ہیں۔ من قال للمومن یا کافر او شهد بالكفر على مومن فانهٗ يصير كافراً۔ وروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انهٗ قال من شهد على امتی بالكفر فهو اولٰى به۔ جس مومن کو کافر کہہ کر بلایا یا مومن پر کفر کی شہادت دی تو بلا شبہ وہ خود کافر ہو جاتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے میری امت پر کفر کی شہادت دی تو امت پر شہادت دینے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔

شامی میں ہے۔ (ترجمہ) اسی کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ رافضی لوگ اگر یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ) خدا ہیں، یا یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ حضرت جبریل نے وحی میں غلطی کی تھی تو کافر ہیں۔ اسی طرح اگر جناب حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ کی صحبت اد

نوٹ ؎ یعنی دین کی باتیں جن کا علم اور یقین علماء دین تک محدود نہیں بلکہ عوام بھی انکا یقین رکھتے ہیں۔ مثلاً صوم وصلوٰۃ حج زکوٰۃ وغیرہ کہ ان کی فرضیت کو عوام بھی جانتے ہیں۔

رفاقت کے منکر ہوں یا جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو قذف کرتے ہوں، تو بھی کافر ہیں (کیونکہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کا انکار ضروریاتِ دین وقطعیات اسلام کا انکار ہے' اور اسی طرح فتاوٰی عبدالحی میں بھی ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب فتاوٰی امدادیہ میں لکھتے ہیں۔

" رافضی دو قسم کے ہیں' ایک وہ جس کے عقائد حد کفر تک پہنچ گئے' ایسے شخص کے جنازہ کی نماز اصلا درست نہیں کیونکہ شرائط صلواۃ جنازہ سے اسلام میت کا شرط ہے صاف ثابت کہ بعضے رافضی بوجہ انکار ضروریاتِ اسلام سے خالی ہیں کیونکہ جنازہ مسلمان کا ہوتا ہے۔

شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔ (ترجمہ) صحابہ کرام کے تمام اختلافات تاویلی و اجتہادی ہیں' پس ان پر طعن اگر دلائل قطعیہ کے خلاف ہو تو اس طعن کو کفر اور ایسے رافضیوں کو کافر کہا جائیگا' جیسا کہ حضرت صدیقہ کا قذف اور اُن پر تہمت وغیرہ۔

شرح فقہ اکبر۔ (ترجمہ) "جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اصحابِ رسول ہونے کا انکار کر دیا تو اس کو کافر سمجھا جائیگا۔ کیونکہ یہ درحقیقت قرآن کا انکار ہے۔"

اسی طرح تفسیر کبیر جلد چہارم میں ہے "ان عبارات سے ثابت ہوا کہ شیعہ ضروریاتِ دین مثلاً اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیت اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاک دامنی خدا تعالیٰ کا وجود' وحدانیت اور صفاتِ نقص سے پاک ہونا اور مسلمان کو مسلمان خیال کرنا وغیرہ کے منکر ہیں۔"

—— شیعہ کتب سے شیعہ حضرات کا ضروریاتِ دین سے منکر ہونے کا ثبوت ——

ملاں محمد یعقوب کلینی اپنی کتاب "روضہ کلینی" صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں۔ (ترجمہ) صحابہ رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھتے ہیں" یہ لوگ خدا کی کتاب قرآن پاک پر اعتباری اور امین سمجھے گئے تھے' پھر پھیر دیا ان لوگوں نے خدا کی کتاب کو اپنی اصل حالت سے اور بدل ڈالا" (العیاذ باللہ) —— حیوٰۃ القلوب صفحہ ۶۷، جلد ۲ پر ملا مجلسی لکھتا ہے کہ۔

" حضور علیہ السّلام کے وصال کے بعد چند صحابہ مثلاً علی بن ابی طالب' مقداد' سلمان' ابوذر سب کے سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔" (العیاذ باللہ)۔

ڈاکٹر نور حسین جھنگوی کی کتاب "اسیاف الامۃ" ص ۳۵-۳۶ میں ہے۔

"چونکہ حضرات ادھیڑ عمر تک بُت پرست اور مشرک تھے، اس لئے اللہ اور اس کا رسول ان سے بیزار تھے"

"ص ۱۰۷ پر لکھتا ہے، جس طرح جالوت بادشاہ تھا ہم بھی حضرات ثلثہ کو دنیا دی بادشاہ جانتے ہیں" ـــــــ "مجالس المومنین" میں ملاں نور اللہ شوستری لکھتا ہے کہ۔

ابو بکر از منافقین بود۔ ابو بکر منافقین سے تھا۔

ان عبارات سے اصحابِ ثلثہ کو منافق محرف مبدل قرآن، مرتد اور اس کے رسول کے دشمن وغیرہ کہا گیا ہے، حالانکہ امانت، صداقت اُن کا مومن ہونا ضروریاتِ دین اور قطعی ادلہ سے ثابت ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل حوالجات سے اس کی صداقت معلوم ہو سکتی ہے۔

شرح فقہ اکبر، (ترجمہ) "اور اگر کسی نے جناب ابو بکر صدیق اور جناب عمر فاروق (رضی اللہ عنہم) کی خلافت کا انکار کیا تو اس کو کافر کہا جائے گا"

شامی میں ہے (ترجمہ) سیدہ عائشہ صدیقہ رض زوجہ مکرمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگانے والا اور آپ کے والد ماجد کی صحبت کا منکر دونوں کو کافر کہا جائیگا، اسی وجہ سے کہ عصمت عائشہ رض اور صحبت صدیق کا انکار حقیقت میں قرآن کا انکار ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے، (ترجمہ) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ تمام کے تمام علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو لوگ سیدہ عائشہ صدیقہ رض کو آیت مذکورہ کے نزول کے بعد بھی مطعون کرتے ہیں تو وہ کافر ہیں اور قرآن مجید کے مخالف ہیں۔

نور الانوار ص ۲۲۲ پر ہے (ترجمہ) پھر اس اجماع کے چند مرتبے ہیں اجماع کی تمام قسموں میں سے خاص صحابہ رض کا اجماع نص کے لحاظ سے قوی تر اور مضبوط تر اجماع ہے جب اصحابِ رسول سب متفق ہو کر کہہ دیں کہ ہم سب نے فلاں امر پر اتفاق کیا ہے تو یہ ان کا اتفاق کتاب اللہ اور حدیث متواترہ کی طرح ہے، یہاں تک کہ صحابہ کرام کے اجماع کے منکر کو کافر کہا جائیگا، اور جناب ابو بکر صدیق رض کی خلافت پر جو اجماع منعقد ہوا ہے وہ بھی اجماع صحابہ کی ایک قسم ہے، یعنی اس خلافت کے منکر کو بھی کافر کہا جائے گا۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے (ترجمہ) جو رافضی جناب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم رض کو گالیاں دیتا ہے اور العیاذ باللہ انکو لعن طعن کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اگر کسی شیعہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مبارکہ مطہرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو قذف بالزنا کیا تو وہ یقیناً کافر ہوگیا، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہوگیا۔

الاشباہ والنظائر ص۲۶۳ پر ہے۔ شیخین کو گالی دینا اور لعن کرنا دونوں کفر ہیں۔

مناقب کردری میں ہے، جو شخص شیخین کی خلافت کا انکار کرے یا ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھے وہ کافر ہے۔

ان عبارات سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام پر لعن اور صحابیت اور خلافت کا انکار کرنا حضرت عائشہ پر تہمت لگانا ان پر سب وشتم کرنا صریح کفر ہے اور کفر ضروریات دین کے انکار سے لازم آتا ہے، تو ثابت ہوا شیعہ ضروریات دین اور قطعیات کے منکر ہیں۔

مولوی عبدالحی مجموعہ الفتاوی میں لکھتے ہیں۔

حق این است کہ من انکر ضروریات الدین کفر ومن لم ینکرلا۔ سچ تو یہ ہے کہ جو مسلمان ضروریات دین کا انکار کریگا وہ کافر ہو جائیگا۔ ورنہ نہیں۔

اہلِ اسلام اہلسنت کو شیعہ حضرات اپنی زبان سے کافر کہہ کر خود اسلام سے خارج ہو گئے۔

سامعین کرام! ضروریاتِ دین اور قطعیات اسلام کے انکار اور اہلِ اسلام کو کافر و مرتد وغیرہ کہنے سے شیعہ کافر ہوئے، کسی نے ان کو پہلے کافر نہیں کہا، بلکہ انہوں نے پہلے اہلِ اسلام کو، بجز چند نفوس کے کافر مرتد وغیرہ کہا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جو کوئی مسلمان اور ایماندار کو کافر کہے گا وہ خود کافر ہو جائے گا"۔ لہٰذا بموجب اس حدیث کے شیعہ دوسروں کو کافر کہنے کی بجائے از خود کافر ہو گئے۔ جس کی وجہ سے اوروں کو ان کو یوں کہنے کی جرأت وجسارت ہوگئی، بہرصورت اہلِ سنت اور جمہورِ اسلام نے ان کو ابتداء اسلام سے خارج نہیں سمجھا، بلکہ وہ جب صحابہ کرام بلکہ بجز چند اشخاص کے جملہ اہلِ سنت اور ائمہ کرام اور تابعین و اولیاء کرام و علماءِ ربانی رح اہلِ اسلام اہلِ سنت کو کافر مرتد کہہ کر خود کافر ہوئے تو پھر اوروں کو بھی یہ کہنے کا موقعہ مل گیا۔ اللہ تعالیٰ ادب واحترام کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلاح الرسوم بکلام المعصوم ص۸۶ پر ہے، ناصبی وہ ہے جو غیرامیرالمومنین کو اس جناب پر فضیلت دے اور وہ ہے جو جبت و طاغوت اور صنمی قریش کو اپنا امام و پیشوا جانے اور وہ ہے جو شیعہ اہل بیت سے نصب، عداوت کرے بوجہ اس کے کہ وہ اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، اور اسی وجہ سے بعض علماءِ کل مخالفین کی نجاست کے قائل ہوئے ہیں۔

مصباح الہدایت کے ص۳۹ پر ہے۔ دنیا میں کوئی سُنی نہیں ہے بلکہ سُنّی ہونا ممکنات سے خارج ہے، جو فرقہ کہ عرفاً سُنّی کہاجاتا ہے، وہ حقیقتہً خارجی ہی ہے، حالانکہ اصحاب ثلٰثہ کی فضیلت اجماع سے ثابت ہے اور شیعہ حضرات کے مخالفین اہلِ اسلام و ایمان ہیں۔ شریعت کے قائل بلکہ اس پر صحیح معنوں میں عامل ہیں اور مسلمان کو مسلمان سمجھنا ضروریات دین سے ہے جس کا شیعہ انکار کر رہے ہیں

کیا ایسے غالی شیعہ حضرات کی توبہ قبول ہو سکتی ہے

الاشباہ والنظائر وغیرہ کتابوں میں ہے

کل کافر تاب فتوبتہٗ مقبولۃ فی الدنیا والاٰخرۃ الاجماعۃ نسب النبی علیہ السلام ونسب الشیخین اواحدھما۔

دُنیا و آخرت میں ہر کافر کی توبہ قبول ہوتی ہے مگر جو کافر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں، یا رسولِ خدا کے دیگر جلیل القدر یاروں کو گالیاں دیتے ہیں یا ان دو میں سے کسی ایک صحابی کو گالی بکتے ہیں تو انکی توبہ دربارِ الٰہی میں ہرگز منظور و مقبول نہیں۔

کتاب السیر باب الردۃ صفحہ ۲۶۱، ۲۶۴ پر ہے۔ (ترجمہ) لیکن جن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوئی اُن کو قتل کر دیا جائے، جیسے وہ لوگ جو سب (گالی) نبی کے باعث یا سب شیخین کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہوں، جیسا کہ بیان ہوا۔

کتاب السیر باب الردۃ ص۲۶ اور شامی میں ہے (ترجمہ) اہلِ اہواء کی بدعت جب حد کفر تک پہنچ جائے تو اگر باز آکر توبہ نہ کریں تو ان سب کو قتل کر دیا جائے اور اگر توبہ کر کے پھر مسلمان ہو جائیں تو ان سب کی توبہ قبول کر لی جائے گی، مگر ذیل کے پانچ فرقوں کی توبہ پھر بھی مقبول نہیں؛ ۔ اباحیہ۔ غالیہ۔ رافضیوں سے فرقہ شیعہ۔ فلاسفہ سے فرقہ قرامطہ اور فرقہ زنادقہ ۔ ان لوگوں کی توبہ کسی صورت میں قبول نہیں، توبہ سے پہلے بھی قتل کے سزاوار ہیں۔

اور توبہ کے بعد بھی کیونکہ یہ فرقے خدا ہی کے منکر ہیں، تو پھر توبہ کریں تو کیسے کریں، اور رجوع کریں تو کس کی طرف کریں ——— ردالمختار صفحہ ۲۹۷ ج ۳۔ خلاصہ یہ کہ تقیہ کی وجہ سے شیعوں کی بات پر اعتماد ناممکن ہے اور توبہ میں خلوص و دوام کی شرط ہے، ارشادِ خداوندی ہے

اِنَّ الذین کفروا بعد ایمانہم ثُمَّ ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولٰئک ھُمُ الضالون (پ ۳۔ آلِ عمران)

جو لوگ ایمان لائے پیچھے پھر کفر کے اور پھر ان کا کفر بڑھتا چلا گیا تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ ہیں جو پرلے درجہ کے گمراہ ہیں

اور اللہ ارشاد فرماتا ہے، اِنَّ الذین اٰمنوا ثم کفروا ثم اٰمنوا ثم کفروا ثُمَّ ازدادوا کفرا لَمْ یَکُنِ اللہ لیغفر لھم ولا یھدیھم سبیلا۔

جو لوگ اسلام لائے اور پھر اسلام سے پھر گئے پھر اسلام لائے اور پھر پھر گئے اور پھر بیچھے پیچھے کفر میں بڑھتے چلے گئے تو خدا نہ تو انکی مغفرت کریگا اور نہ ہی سیدھی راہ دکھائے گا۔

یہ آیات ایسے انتہائی گستاخوں کی حالت بیان کرتی ہیں جو غالباً پہلے حنفی سُنی مسلمان تھے پھر کہیں جاکر عیسائی ہوگئے اور کچھ دیر بعد لا مذہب رہ کر پھر شیعہ ہوگئے یا پہلے سُنی حنفی مسلمان پھر کسی ملازم برطانیہ کی صحبت میں رہ کر مرزائی بن گئے اور پھر چکڑالوی اور پھر قدرے مدت کے بعد رافضی بن گئے یا پہلے سُنی حنفی مسلمان تھے پھر مفتیانِ احناف کے فتوٰی اور اپنی افراط تفریط کی وجہ سے مسجدوں بلکہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے اور پھر چند روز لا مذہب رہ کر شیعہ اور رافضی ہوگئے، اور محبانِ اہلِ بیت اور عشاق ائمہ بن بیٹھے اور اب انتہائی دریدہ ذہنی سے سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین اور محدثین اور مفسرین کرام کی ذواتِ عالیہ پر نازیبا حملے کرتے رہتے ہیں، اللہ تبارک و تعالےٰ نیکی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیعہ عورت کا نکاح غیر شیعہ اور سنی سے حرام ہے

ناظرینِ کرام! شیعہ حضرات کی اپنی اختراعی برتری اور مزعومی بہتری کے پیش نظر ملاحظہ فرمالیا کہ وہ دوسرے مذاہب کو کس قدر حقیر و نجس ناقابلِ التفات خصوصاً فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کو تو سب سے ہی زیادہ گھنونا مجسمہ رذالت تصور کرتے ہیں، حتیٰ کہ انہوں نے اہل سنت کے ساتھ اپنے تعلقات قطع کر دیتے ہیں، رشتے ناطے ختم کر ڈالے ہیں، چنانچہ مجتہد الاسلامی مولوی

علی الحائری شیعی کا فیصلہ سُنئے، آپ فرماتے ہیں ،
سوال ۔ شیعہ عورتوں کا نکاح غیر شیعہ مرد سے جائز ہے یا نہیں ۔
جواب ۔ شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ سے جائز نہیں ہے، پس اگر عالم بمسئلہ ہو کر ایسا نکاح واقع ہوا ہو تو اولاد ولدالزنا ہوگی اور اگر جاہل بمسئلہ ہونے کی وجہ سے ایسا نکاح واقع ہوا تو اولاد حلال زادی ہوگی ۔ تحفہ خادم الشریعۃ المطہر (علی الحائری)
اور سنئے، حلیۃ العرائس صـ۲۵ پر ہے، " سُنی سے زن شیعہ عقد نہ کرے" ناصبی، خارجی، غالی کافر ہیں، نکاح ان سے جائز نہیں۔
اصلاح الرسوم بکلام المعصوم صـ۸۶ پر ہے، اور میں نے امام محمد باقر علیہ السّلام سے پوچھا کہ زن مومنہ کا نکاح ناصبی سے کروں، فرمایا نہیں، اسلئے کہ ناصب کافر ہے۔
جامع عباسی پانزدہ بابی صـ۱۳۲ (ترجمہ) بارہواں امر یہ ہے کہ عورت کسی فاسق شخص کو اپنا خاوند تجویز نہ کرے، خصوصًا شرابی اور سُنی اور ابلہ کو ،
حلیۃ العرائس صـ۱۰ پر ہے ۔ مخالف مذہب سے شادی کرنا مکروہ ہے اور صـ۱۶ پر ہے ۔
زن ناصبیہ اور خارجیہ بھی حکم زن کافرہ رکھتی ہے، ان سے بھی نکاح حرام ہے۔
مجتہد لاہوری کے صاحبزادے میاں محمد رضوی قمی کا ارشاد سماع فرمایئے۔ آپ اپنے رسالہ النظر میں فرماتے ہیں ۔ استفتاء اہلِ شیعہ ۔
" شیعہ عورتوں کا نکاح غیر شیعہ مرد کے ہمراہ جائز ہے یا نہیں، اگر ایسا واقع ہوا ہو تو اس میں طلاق اور عدت کی ضرورت ہے یا نہیں، ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ مذہب حق میں حلال زادی یا حرامزادی قرار دی جائے گی۔"
الجواب ۔ اکثر فقہاء کے نزدیک اسلام کے علاوہ بمفاد المومنین بعضهم اکفاء بعض زوجین کا مومن ہونا بھی شرائط ضروریہ سے ہے، پس فرقہ حقہ شیعہ کے نزدیک شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ اثنا عشری کے ہمراہ اسلئے ناجائز ہے کہ غیر اثنا عشری کو وہ مومن نہیں سمجھتے جو مسلمان کہ غیر اثنا عشری عقیدہ رکھتا جو شیعوں کے نزدیک وہ مومن نہیں مسلمان ہے، ایسی صورت میں باوجود عالم بمسئلہ ہونے کے اگر ایسا نکاح واقع ہوا ہو تو نکاح باطل ہے انکی اولاد بھی شرعًا ولدالزنا ہوگی اگر جاہل بمسئلہ ہونے کی وجہ سے نکاح ہوا تو اولاد ولد الشبہ ہوگی

ہو گی اور حلال زادی ہو گی لیکن نکاح دونوں صورتوں میں ناجائز ہے، بعض فقہاء، تو اس نکاح کو ناجائز کہتے ہیں، طلاق کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے لیکن اگر دخول واقع ہو چکا تو عدت کو رکھنا ضروری ہے۔

حضرات ناظرین! آپ نے مذکورہ بالا حوالجات اور شیعی مفتیان کرام اور مجتہدان عظام کے ارشادات کی روشنی میں یہ باور کر لیا ہو گا کہ شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ اثنا عشری سے ہرگز نہیں ہو سکتا، اور اگر ہو گیا تو اولاد۔۔۔۔۔ اب آپ خیال فرمائیں کہ شیعہ حضرات نے اپنی کتنی بیٹیوں کا نکاح غیر شیعہ اہلِ سنت سے کر کے اپنے عقیدہ اور مذہب کے خلاف کیا ہے اور ایسی اولاد یہ سُنن کن الفاظ سے یاد کرے گی اور ایسے نکاح پر شیعہ حضرات کی جرأت و بے باکی پر دنیا کیا خیال کرے گی اور کیا یہ سچائی ہے، صداقت و دیانت ہے، ہرگز نہیں بلکہ یہ سب تقیہ کی برکات ہیں۔

کیا سُنّی عورت کا نکاح رافضی شیعہ سے ہو سکتا ہے؟

میرے بزرگو اور دوستو! ظاہر ہے کہ جب شیعہ حضرات نے اپنی اولاد کے معاملات نکاح طلاق وغیرہ میں اپنی برتری کا اظہار کرنے سے دریغ نہیں کیا تو ضروری ہوا کہ اہلِ سنّت بھی اپنی اولاد کے متعلق معاملات کو زیر بحث لائیں اور نتائج کے پیشِ نظر شرعی دلائل کی روشنی میں اپنی صوابدید کا مظاہرہ کریں، لہٰذا چند اقتباسات حسب ذیل درج کئے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیعہ حضرات اپنے علاوہ سب کو خصوصاً اہل سنت والجماعت کو کافر مرتد تصور کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ خود کافر ہو گئے اور ظاہر ہے کہ کافر اور مسلمان کا نکاح قرآن و حدیث کی رُو سے ناجائز و حرام ہے۔

(۲) اسی وجہ سے سُنّی عورت کا نکاح شیعہ سے نہیں ہو سکتا، کہ جس طرح اتفاقی طور پر یہ اسلام سے خارج ہیں، اسی طرح بالاتفاق شیعہ اپنے کردار کی وجہ سے بدعتی و فاسق ہیں کہ جمہور اسلام کے خلاف کرنا ہر امر میں ان کے ہاں ثواب کا کام ہے اور حدود شرعیہ کی نگرانی بھی کم کرتے ہیں اور سُنّی صالح کا بدعتی اور فاسق کا کفو نہیں ہو سکتا۔

وقایہ میں ہے۔ (ترجمہ) نکاح بے کفو باطل ہے، شرح الیاس میں ہے، (ترجمہ) حضرت حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے، نکاح غیر کفو میں باطل نقل کیا ہے۔

اسی طرح شرح وقایہ اور فتاوٰی قاضی خان، شرح مختصر الوقایہ، ہدایہ، فتاوٰی عالمگیری فتاوٰی شامیہ وغیرہ میں ہے۔

عمدۃ الرعایۃ میں ہے، وجہ ھٰذہ الروایۃ دفع الضرر من الاولیاء وفساد الزمان (ترجمہ) حسن بن زیاد کی روایت زمانہ کے دگرگوں ہونے کے باعث مقبول ہوتی ہے اور دوسری وجہ اس کے مفتی بہ ہونے کی یہ ہے کہ عورت کے قریبی رشتے دار و ولی ضرر اور نقصان سے محفوظ رہیں — فتاوٰی عبد الحی میں ہے۔

آرے وجہ دوم صحیح است و رافضی مبتدع و فاسق است و فاسق کفو صالح نیست و نکاح با غیر کفو نافذ نیست، اما فسق رافضی پس در شرح فقہ اکبر لعلی القاری و فتح القدیر وغیرہ مصرح است ..... اما عدم نفوذ نکاح از غیر کفو پس در بحر الرائق و مجمع الانہر وغیرہ مرقوم است۔

خلاصہ ان عبارات کا یہ ہوا کہ جیسے شیعہ عورت کا سُنی سے نکاح نہیں ہو سکتا، ایسے ہی بنا بر روایت صحیح اور قول مفتی بہ سُنی عورت کا نکاح شیعہ مرد سے نہیں ہو سکتا، مگر سنی عورت کا شیعہ مرد سے نکاح نہ ہونے کی وجہ شیعہ مرد کی تحقیر و تذلیل نہیں بلکہ اسی وجہ سے کہ شیعہ مرد نے بلا وجہ یہ بدعقیدگی کہ وہ اپنے سوا سب کو کافر مشرک، ناپاک نجس وغیرہ ہیں، اپنے اندر پیدا کر لی ہے، اور خود اپنے کو دائرہ کفر و فسق میں پہنچا دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب کو افراط و تفریط سے بچائے اور کتاب و سنّت صحیحہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(ماخوذ از فیصلہ شرعیہ مؤلفہ علامہ حکیم محمد قطب الدین صاحب جھنگوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضراتِ اہلِ بیت اور ساداتِ کرام اہلِ سُنّت و جماعت کی نظر میں

بعض وقت یہ مُحرّمی اور تعزیہ باز حضرات جبکہ ان کو تعزیہ مرسومہ سے منع کیا جائے تو جھٹ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جناب یہ سُنی سب کے سب اہل بیت کے دشمن ہیں، یہ کب گوارا کریں گے کہ اہل بیت

کا تذکرہ ہو، لہذا ان منع کرنے والوں کا کچھ اعتبار نہیں، تعزیہ ضرور نکالنا چاہیئے۔

بنائے علیہ ضروری ہے کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ اہلِ سنّت و جماعت بفضلہ تعالےٰ اہلبیت کرام کے دنیا و آخرت میں غلام ہیں، اور ہر طرح انہیں کے پیرو کار ہیں، انہیں اپنے اور ایمان کا اصلِ اصول خیال کرتے ہیں، ہاں شیعہ ضرور دشمنِ اہلِ بیت ہیں اور مخالفِ شریعت، جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، مختصر سنیئے۔ حدیث شریف میں ہے۔

والذی نفسی بیدہٖ لا یؤمن عبدٌ حتّٰی یحبنی ولا یحبنی حتّٰی یحب ذوی قرابتی

فرماتے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میری محبت کے بغیر کوئی شخص ایمان دار نہیں بن سکتا اور میرے ساتھ محبت یہی ہے کہ میرے رشتہ داروں کے ساتھ محبت کرے۔

الا مثل اھل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوحٍ فمن رکبھا نجا و من تخلف عنھا ھلک۔

فرماتے ہیں رسول کریم علیہ السلام کہ میرے اہلِ بیت نوح علیہ السّلام کی کشتی کی طرح ہیں، جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو سوار نہ ہوا وہ ہلاک ہو گیا۔

اربعۃٌ انا لھم شفیع یوم القیٰمۃ ولو اتوا بذنوب اھل الارض المکرم لذریتی والقاضی لھم حوائجھم والساعی لھم فی امورھم والمحب لھم بقلبہٖ ولسانہٖ

حضور علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن چار شخصوں کی سفارش کرونگا اُن پر دُنیا بھر کے گناہ کیوں نہ ہوں ایک جو میری اولاد کی تعظیم کرتا ہے، دوسرا وہ جو اُنکی حاجت روائی کرتا ہے اور تیسرا وہ جو اُن کے کاروبار کی تکمیل میں کوشش کرتا ہے چوتھا وہ کہ جو ظاہر و باطن ان کو دوست رکھتا ہے۔

یہ وہ حدیثیں ہیں جو کہ کتب اہلِ سُنت و جماعت میں مرقوم ہیں اور وہ ان پر ہر طرح سے عمل کرتے ہیں، تسلّی کے لئے ذرا تفصیل سنئے۔

صدیق اکبر۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا "البتہ مجھے قرابت اور رشتہ داری رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قرابت سے بہت زیادہ محبوب ہے۔"

شفاء قاضی عیاض میں ہے کہ حضرت صدیق، حضرات حسنین کو اپنے کندھوں پر اُٹھا

لیا کرتے تھے۔

عمر فاروق۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ آپ نے امام حسین علیہ السّلام کو اپنے پاس تعظیم سے بٹھا کر فرمایا کہ مجھ کو جو مرتبہ ملا ہے، آپ کے باپ یعنی رسولِ کریمؐ کی برکت سے ملا ہے۔

حضرت عثمانؓ۔ آپ کی تو بات ہی کیا ہے، دنیا جانتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اہلِ بیت ہی کیا بلکہ عام مسلمانوں کے لئے کیا کیا ایثار کیا۔

ابو حنیفہ۔ علّامہ زمخشری کشاف میں آیۃ کریمہ ولاینال عھدی الظالمین کے نیچے لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اہلِ بیت کی بہت تعظیم کرتے اور بہت سامال ان پر صرف فرماتے۔ مواہب السعادت میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ بارہ ہزار درہم ایک صاحب اہلِ بیت کے لئے ارسال فرمائے تھے۔

تحفۃ الاحباب ص۲۳ پر ہے کہ امام اعظم اُن سادات سے جو ظالموں کے پنجہ میں گرفتار تھے مخفی طور پر ان کی بہت مدد فرمایا کرتے، لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سیّد صاحب کو آپ نے دو لاکھ درہم دیئے، اور آپ کی شہادت بھی اُنہی کی محبت میں ہوئی اور اُن کی تعظیم میں بہت مبالغہ کرتے کہ ایک دن میں کئی کئی بار اُٹھتے اور بیٹھتے تھے، چونکہ ظاہر حال معلوم نہ تھا سبب دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ان بچوں میں ایک بچہ ساداتِ کرام کا ہے، میری نظر جب اس پر پڑتی ہے تو تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں، سچ ہے ؎

بے حُبِ اہلبیت عبادت حرام ہے غافل تری نماز کو میرا اسلام ہے

امام احمد بن حنبل۔ صواعق محرقہ میں ہے کہ سادات کا کوئی آدمی بچہ یا بوڑھا آپ کے پاس آتا تو آپ تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

امام شافعی۔ آپ اس قدر ساداتِ کرام کی تعظیم کرتے کہ لوگوں نے آپ کو رافضی ہونے کی تہمت لگا دی۔ جس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں۔ ؎

لوکان الرفض حُبَّ آلِ محمد فلیشھد الثقلان انی رافض

یا اھل بیت رسول اللّٰہ حبکم فرض من اللّٰہ فی القرآن انزلہٗ

کفاکم من عظیم القدر انکم من لم یصلّ علیکم لاصلوٰۃ لہٗ

یعنی اگر رافضی ہونا یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت کی جائے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ میں پکا رافضی ہوں، (مطلب یہ ہے کہ صرف محبتِ اہلِ بیت سے رافضی نہیں ہوتا، بلکہ اُن عقائد واعمال کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ فرقۂ رافضیہ کے ہیں)۔

اے اہلِ بیتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری محبت کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں صریح ارشاد فرمایا ہے، اور (اے اہلِ بیت) تمہاری یہ تعظیم کیا کم ہے کہ خاص نماز میں جو تم پر درود نہ پڑھے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

امام مالک۔ آپ کی محبت کے واقعات بے شمار ہیں اور دنیا جانتی ہے۔

سامعین وقارئینِ کرام! یہ اہلِ سُنّت دجماعت کے چار بڑے بڑے امام ہیں جن کی محبت اہلِ بیت کا اندازہ آپ نے لگایا، اب ان کے متقلدین کی محبت کا اندازہ بھی آپ لگائیں کیونکہ مقلد اپنے امام کے خلاف کرنے کا ہرگز مجاز نہیں ہے، تفصیل تو پھر کسی اور وقت عرض کی جائے گی، صرف مختصر معروض ہے۔

طحطاوی شریف میں ہے کہ جو شخص قاضی یا عالم یا فقیہ یا سید کی توہین کرے، وہ کافر ہے، امام رازی تشریح میں لکھتے ہیں۔

لا یجوز للعالم والمتقی ان یصد رای مجلس مقدمًا علی السید الاعی و الاب الامی لانہٗ اساءۃ فی الدین۔ عالم اور متقی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ سید امی اور باپ امی کے آگے بیٹھے کیونکہ یہ مذہب ددین میں بے ادبی وگستاخی ہے۔

"القول المقبول فی حُبِّ آلِ رسول" میں ہے کہ اگر سید مرتکب کبائر کا ہو تو بھی اُس کی تعظیم من حیث السیادت واجب ہے، کیونکہ اہلِ سُنّت وجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ مومن گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا۔ اسی طرح سید بھی فسق وفجور کے سبب سے سیادت سے خارج نہیں ہوتا۔ ؎

گوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است غبار اگر بر آسمان رود ہماں خبیث است

مگر یاد رہے کہ یہ فسق وفجور حدِ کفر تک نہ پہنچا ہو ورنہ وہ سید سیادت سے خارج ہو جائیگا۔ کیونکہ کوئی سید صحیح النسب بلحاظ آیتِ تطہیر کے مشرک وکافر نہیں ہو سکتا اور یہی وجہ ہے کہ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں سیّد ہوں تو اُس کی تعظیم کرے اور اُس کی تفتیش نہ کرے ؎

سادات نورِ دیدۂ اعیانِ عالم اند — از حرمتِ محمدؐ و از حرمتِ علیؓ

ترجمہ۔ سادات جہان کی آنکھوں کا نور ہیں — بوجہ عزتِ حضور علیہ السّلام اور حضرت علی کے۔

گر خوردہ از ایشان صادر شود مرنج — نتواں شکستِ عزتِ ایشاں بجا هلی

" اگر ان سے کوئی بُری بات ہو جائے تو رنج مت کر، کیونکہ کسی غلطی کی وجہ سے انکی عزت برباد نہیں ہوتی

فردا طعام معدۂ دوزخ بود کسے — کامروز از محبتِ ایشاں نیست ممتلی

" کل قیامت میں وہ دوزخ میں جائیگا — جو آج ان کی محبت سے بھرپور نہیں ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی دنیاوی شان و شوکت، حرص و طمع کی وجہ سے کسی غیر سیّد کا اپنے کو سیّد ظاہر کرنا ناجائز اور حرام ہے، جیساکہ آج تجربہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ بعض ایسے حضرات موجود ہیں، جوکہ درحقیقت سیّد نہیں ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو بڑے دعوے کے ساتھ سیّد کہلوا رہے ہیں، صحیح بخاری میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا نسب غیر شخص کی طرف منسوب کرے اُس پر خدا اور فرشتوں، جنوں، انسانوں کی لعنت اور وہ میری شفاعت سے بھی محروم ہے، اور جو شخص غیر سیّد ہو کر سیّد کہلوا رہا ہے تو وُہ اپنے غیر سیّد باپ کو چھوڑ کر کسی سیّد کو اپنا باپ مقرر کر رہا ہے اور نیا نسب پیدا کر رہا ہے، لہٰذا ایسے حضرات کو چاہیئے کہ وہ کسی دنیاوی طمع و لالچ سے اپنے حقیقی باپ کے بدلے کسی نئے باپ سیّد یا غیر سیّد کو اختیار کرتے ہوئے لعنت کے حقدار نہ بنیں اور نہ حضور علیہ السلام کی شفاعت سے محروم رہنے کی کوشش فرمائیں، دُنیا محض ہیچ اور ناپائیدار ہے، آخر مرنا ہے، صرف ایمان و اخلاص کام آئیگا، دنیاوی و اُخروی عزت و وقار رب اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جب چاہے دیتا ہے، کسی اور تصنع بناوٹ کو اس میں دخل نہیں ہے، محض اُس کا فضل و کرم ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شرعی طور پر کون سے سیّد مستحق عزت ہیں۔

بہر صورت ساداتِ کرام کی تعظیم و تکریم شرعی طور پر نہایت ضروری اور لازمی امر

ہے، ان کی بیحرمتی اور بے عزتی زوالِ ایمان کا ذریعہ ہے، اُن کی اقتدا اور پیروی موجب فلاح و نجات ہے، ان کی رضا ربِ کریم اور اُس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ ساداتِ کرام کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے آپ اصلاح وتقوای سے آراستہ کریں، شریعت پر مضبوطی سے چلیں، سُنّتِ نبوی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں، اپنے آباؤ اجداد رضوان اللہ علیہم اجمعین کا صحیح طریقہ اختیار فرمائیں، اخلاقِ حمیدہ اوصافِ سعیدہ تواضع تخاشع سے مزیّن ہوں، جود و سخاوت، شجاعت و مروّت میں ممتاز ہوں، دینی علوم سے سرشار ہوں، افعالِ قبیحہ اور اعمالِ شنیعہ سے مجتنب ہوں، یہی وجہ ہے کہ علماءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ شرعی طور پر اس عزّت اور احترام کے وہی ساداتِ کرام مستحق ہیں، جن میں اس قسم کی عزت حاصل کرنے کی قابلیت ہو۔ (صواعقِ محرقہ) ؎

قسمت کیا ہر اک کو قسّامِ ازل نے ۔۔۔ جو شخص جس چیز کے قابل نظر آیا
دشمن کو دیا بغض وحسد ذلّت وخواری ۔۔۔ اور دے کے ہمیں نیک گماں رتبہ بڑھایا

بجائے تعزیہ اور کیا کرنا چاہیئے؟

جب ان روشن بیانوں اور واضح دلیلوں سے صاف صاف ثابت ہوگیا کہ یہ رسمی تعزیہ وغیرہ شریعت کے خلاف اور سخت ناجائز وحرام ہے اور اس کے کرنے پر نہ نجات ملتی ہے نہ ثواب تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سچی محبت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اُن کی طرح شریعتِ پاک کے خلاف حرکت تک نہ کریں، بلکہ ہمارا مذہبی اور اخلاقی فرض ہے کہ انکے نقشِ قدم پر چلیں، ان کی زندگی بطور نمونہ اپنے سامنے رکھیں اور ظالم حکومتوں کے مقابلہ میں اُن کی جراٗت اور حق پرستی سے سبق حاصل کریں، ان کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کیلئے روشنی، حلوے، شربت، ملیدہ، کاغذ اور بانس کی تیلیوں پر لاکھوں روپیہ صرف کر دینے کے مقابلہ میں جابجا دینی مدرسے قائم کئے جائیں، ان کے اُسوۂ حسنہ کا پرچار کیا جائے؛ ان کے استقلال واخلاص کا نقشہ پیش کیا جائے، نہ یہ کہ ان کا خاکہ اُڑایا جائے، کہ مارے شرم کے اموں کی گردنیں جھک جائیں، اور غیروں کو ہنسنے کا موقع نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں ہم کو شریعت کی پیروی اور ائمۂ اطہار کی پوری پوری اقتدا نصیب فرمائے۔ آمین۔

روزِ عاشورہ کے فضائل و احکام

(۱) یوم عاشورہ روزہ رکھنا مستحب ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ عاشورہ کا روزہ کفارہ ہو جاتا ہے، اسی سال کا (یعنی اس کے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں) (مسلم شریف)

(۲) اس روز اپنے اہل وعیال کو خوب اچھی طرح کھلانا پلانا چاہیئے، حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس شخص نے روزہ عاشورہ اپنے اہل وعیال پر خرچ میں فراخی کی اللہ تعالیٰ اس پر تمام سال فراخی فرمائیگا۔

(۳) اس روز غریبوں اور مسکینوں پر صدقہ وخیرات کرنا چاہیئے، اور اُن کو حسب توفیق کھلانا پلانا چاہیئے، اور اس کا ثواب حضراتِ شہداءِ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ کی ارواح پاک کو تحفہ اور ہدیہ بھیجنا چاہیئے۔

قرآن پڑھ کے روز تو پہنچا اُنہیں ثواب ۔ خوش ہوگی اس سے رُوحِ شہنشاہِ اِنس وجاں

(۴) اس روز یا محرم کا سارا مہینہ اور اسی طرح ربیع الاول شریف، کے بالخصوص بارہ روز پہلے، اور صفر کے تیرہ روزوں میں کسی خوشی کے کام کو کرنا مثلاً ختنہ، بیاہ، منگنی وغیرہ سب جائز ہے اور دین وشریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ اگر حوادثِ سابقہ کے دنوں کو کام کرنے کے لئے مانع قرار دیں، تو ہم کوئی کام دینی ہو یا دُنیوی کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ لاکھوں پیغمبر علیہم السلام، اور ولی، شہید، صالح اور بزرگ گزرے ہیں کہ ان کی وفات کے دن مختلف ہیں، پس ان کے دنوں کو ہم اگر ماتم اور سوگ کا دن مقرر کریں تو تمام عمر سوگوار بنے بیٹھے رہیں گے، اور کوئی خوشی کا کام نہ کر سکیں گے۔ پس ان دنوں یا مہینوں میں کسی کارِ خیر کو سرانجام دینے کو مکروہ یا حرام خیال کرنا شریعت پر بہتان اور افترا اور ناجائز ہے۔

(۵) اس روز کسی بچہ کے پیدا ہونے کو منحوس خیال کرنا اور بے برکت شمار کرنا سخت ناجائز

ہے اور حرام فقط۔

مرادِ ما نصیحت بود گفتیم حوالت با خدا کردیم و رفتیم

فرقہ شیعہ رافضیہ کے بعض عقائد مذہب

ناظرین با تمکین! اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو فرقہ رافضیہ کے عقائد پر تفصیلی تذکرہ اس کتابچہ میں ناممکن ہے۔ لیکن بعض عقائد تحریر کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے مذہب کا کچھ نقشہ سامنے آ جائے اور بعدہٗ اکابرینِ دین کی رائیں ان کے متعلق ذکر کی جائیں گی، تاکہ ان سے کسی قسم کے تعلق رکھنے کی نوعیت معلوم ہو سکے۔

دنیائے اسلام کو معلوم ہے کہ بعض ایسی باتیں ہیں جو عقیدۃً ضروریاتِ دین سے ہیں، مثلاً کمالِ الوہیت، عصمت خاصۂ انبیاء علیہم السّلام ختم نبوّت، قرآن کی حفاظت وغیرہ کہ ان کا انکار کفر ہے اور منکر کافر ہے، اگر مسلمان منکر ہو تو کافر و مرتد ہے، مگر شیعہ اور رافضی حضرات بہت سی ایسی چیزوں کا انکار کرتے ہیں۔

کمال الوہیت کا انکار (۱) خداوند کریم کی وحدانیت، الوہیت کا کمال ہے، مگر شیعہ اسکے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ ضلالت کا خالق شیطان ہے نہ کہ خدا، دیکھو شیعی تفسیر منہج البیان زیرِ تفسیر انما یریدالشیطان الآیہ گویا مجوسیوں کی طرح خالق دو ہیں، ایک خالق ہدایت دوسرا خالق ضلالت۔

(۲) علم غیب، الوہیتِ خداوندی کا کمال ہے، جس میں دوسرا شریک نہیں ہے، مگر رافضی حضرات فرماتے ہیں کہ پہلے جو کچھ ہو چکا اور آئندہ جو کچھ ہوگا وہ سب خدا کے علاوہ ائمہ کرام کو بھی معلوم ہے اُن سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہم کب مرینگے۔ (اصولِ کافی)

(۳) خدائی الوہیت کا کمال یہ ہے کہ وہ عالم میں متصرف ہے اور خود مختار ہے، مجبور نہیں، اور کوئی چیز اُس پر شرعاً واجب نہیں ہے، مگر رافضی حضرات فرماتے ہیں کہ خدا ایسی چیز کے کرنے پر مجبور ہے جو کہ بندوں کے حق میں مفید ہو اور یہ کہ خدا نے محمدؐ علیؓ، فاطمہؓ کو تمام مخلوق پر تصرف دیا ہے۔ (اصولِ کافی کتاب الحجہ وغیرہ)۔

انبیاء علیہم السّلام سے عصمت کی خصوصیت کا انکار (۱) فسق و فجور کے ارتکاب سے عصمت انبیاء علیہم السلام کا خاتمہ ہے، وجہ یہ ہے کہ نبی کو خدا سے احکام حاصل کرنے اُس کے بندوں کو پہنچانا ہوتا ہے، لہذا نبوت کے لئے عصمت کی ازبس ضرورت ہے اور اسی لئے حضرت آدم علیہ السّلام سے لے کر جناب خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک جتنے نبی گزرے وہ سب کے سب معصوم تھے، پس غیر نبی کو معصوم کہنا خاصۂ نبوت کا انکار کرنا ہے اور شیعہ رافضی حضرات چونکہ اپنے بارہ ائمہ کرام کو معصوم مانتے ہیں بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی، جو کہ نبی نہ تھے، لہذا وہ خاصۂ نبوت کے منکر ہیں۔

(۲) اسی طرح شیعہ اور رافضی حضرات ائمہ کرام کو نبی کی طرح مفترض الطاعۃ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نبی کے علاوہ اور کسی شخص کی اطاعت فرض نہیں ہے۔

ختم نبوت کا انکار۔ (۱) شیعہ اور رافضی گو ختم نبوت کا صاف انکار نہیں کرتے ہیں، مگر وہ چند باتیں ایسی مانتے ہیں، جن سے بلا تکلف خواہ مخواہ ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں (۱) ائمہ کا معصوم ہونا (۲) ان کا مفترض الطاعۃ ہونا (۳) ان پر ملائکہ اور کتاب کا نازل ہونا۔ چنانچہ رافضی مانتے ہیں کہ مصحف فاطمہ پر حضرت جبریل لے کر نازل ہوئے، (اصول کافی) ہر سال شب قدر میں امام پر ایک کتاب نازل ہوتی ہے جس میں سال بھر کے احکام ہوتے ہیں، اس کتاب میں خدا جن عقائد کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور جن کو چاہتا ہے بدل دیتا ہے (صافی شرح کافی ص۳۲۷) (۴) امام کا گزشتہ انبیاء علیہم السّلام سے افضل ہونا۔ (کتاب خلاصۃ المنہج) (۵) ائمہ کا خاتم الانبیاء علیہم السّلام کے ساتھ برابر ہونا چنانچہ شیعہ امام جعفر کی زبانی کہتے ہیں کہ ائمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہر بات میں برابر ہیں، خدا نے اول محمد و علی و فاطمہ کو پیدا کیا، دو ہزار زمانہ تک رہے، پھر تمام مخلوق پیدا کی جس کو اُن کی پیدائش کا گواہ بنایا اور تمام مخلوق پر ان کی اطاعت فرض کی (اصول کافی کتاب الحجہ) صاحب حملہ حیدری فرماتے ہیں :-

ہمہ صاحب حکم ہر کائنات ہمہ چوں محمد منزہ صفات

(۶) نبی کے منکر کی طرح ائمہ کا منکر بھی کافر ہے (فروع کافی کتاب الروضہ ص۹)

ان حوالجات کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا بالکل ہی سہل ہے کہ جب ائمۂ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ فضائل وکمالات میں شریک ہوئے تو حضورِ اکرم کی ختم نبوت اور جملہ کمالاتِ نبوت کی خصوصیت محض برائے نام رہ گئی اور بس (منقول از فتاوٰی الحنفیہ عن اختلاط الرفضۃ والمرزائیہ)
شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ سے جائز نہیں ہے، پس اگر عالم مسئلہ ہو کر ایسا نکاح واقعہ ہوا ہو تو اولاد ولد الزنا ہوگی (فتوٰی مجتہد شیعہ علامہ علی الحائری از رسالہ الحافظ۔ اپریل ۱۹۲۵ء ج ۱ ص۲) شیعہ عورت سے سُنّی مرد کا نکاح حرام ہے (تحفتہ العوام ص۲۷۳ جامع عباسی ص۱۴۳ جلد ۲ مفاتیح الجنان ص۱۱۳ حلیۃ العرائس ص۲۵)
نمازِ جنازہ کے متعلق شیعوں کا طرزِ عمل یہ ہے جو ان کی کتاب "تحفۃ العوام" ص۱۳۸ میں ہے۔
" اور اگر میت سُنی اور خلافِ مذہب ہو اور نماز بضرورت ادا کرنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے یہ
اَللّٰھم اخذ عبدك فی عبادك وبلادك اللّٰھم اصلہ حر نارك اللھم اذقہ اشد عذابك۔ (ترجمہ) اے خدا اس میت کو اپنے بندوں اور شہروں میں ذلیل و رسوا کر اور اسکو نارِ جہنم میں جلا اور اس کو سخت ترین عذاب دے۔"

شیعہ اور رافضیوں کے متعلق سلف صالحین کے ارشادات

(۱) حضرت غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "غُنیۃ الطالبین" ص۱۷۹ پر بروایت معاذ بن جبل وحضرت انس رضی اللہ عنہما بایں طور حدیث نقل فرمائی ہے (ترجمہ) آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیص شان کریں گے، پس تم اُن کی مجلس میں نہ بیٹھو، نہ اُنکے ساتھ مل کر کھاؤ پیو، نہ اُن سے رشتہ بندی کرو، نہ اُنکے جنازہ کی نماز پڑھو، نہ اُن سے ملکر نماز پڑھو۔"
(۲) حضرت مجدد الفِ ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب ۵۴ جلد اول حصہ دوم میں فرماتے ہیں کہ " بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور بدترین گمراہ فرقہ شیعہ ہے۔"
(۳) ائمۂ کرام کے ارشادات رافضیوں کے متعلق اسی کتاب میں گذر چکے ہیں ملاحظہ فرمایا جائے۔
(۴) حضرت خواجہ تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ فرقہ روافض اپنے افعال واقوال کو

مطابق نصِ قطعی وحدیثِ نبوی علیہ التحیۃ والثناء کے شمار کرتے ہیں، مگر اُن کا یہ زعم باطل ہے۔

(۵) رافضی تبرائی جو حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو معاذ اللہ بُرا کہے، کافر ہے اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔ (فتاوٰی عالمگیریہ مصری ص۲۶۴ ج۲)

اور یہی مضمون قریباً فقہ کی ہر کتاب میں موجود ہے، مثلاً فتاوٰی ظہیریہ، مستخلص الحقائق، طحطاوی علی مراقی الفلاح، فتاوٰی خیریہ، جوہرہ نیرہ، غنیہ شرح منیہ، کفایہ شرح ہدایہ، مجمع الانہر وغیرہ (منقول از فتاوٰی مذکورہ)۔

فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم

برادرانِ اسلام! اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمایا ہے، ہمارا فرض ہے کہ اس کی عبادت کریں اس کی خوشنودی کے لئے جانی ومالی ایثار کریں اور اس سلسلہ میں اپنے اسلاف کی اتباع کریں، جو کہ انتہائی طور پر صداقت و امانت وغیرہ اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے، جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں وارد ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ط

"اللہ تعالیٰ سابقین اولین مہاجرین اور انصار سے اور جن لوگوں نے بہتر طور پر یعنی ایمان کے ساتھ سابقین کی پیروی کی اُن سے راضی ہوا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے واسطے جنت میں ایسی نہریں مہیا کی ہیں جو جنت کے محلوں اور درختوں کے نیچے سے جاری رہتی ہیں اور سب مہاجرین و انصار اور ان کے تابعدار ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔"

اس آیت سے کیا ثابت ہوا۔ (۱) پہلے تمام مہاجرین جن میں خلفاء اربعہ داخل ہیں، اور انصار اور تا قیامت ان کے شرعی تابعدار اور ان کی لائن پر چلنے والے سب کے سب ابدی اور دائمی طور پر بہشتی ہیں (۲) یہ کہ اللہ ان سے راضی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی (۳) تا قیامت ان کی تقلید اور تابعداری درست وصحیح ہے (۴) ان سے ناراض رہنا شرعاً حرام ہے (۵) ان کی زندگی پاکیزہ کسی وجہ سے قابلِ اعتراض نہیں (۶) ان کے طریقے کی مخالفت جنت سے محروم رہنے کی دلیل ہے (۷) ان کی پیروی واتباع کی ترغیب ہے۔

(۲) لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصَّادِقُوْنَ۔

"غنیمت کا مال ایسے فقراء کے لئے ہے جنہوں نے اسلام کی خاطر ہجرت کی اور اپنے گھروں اور مالوں سے اُن کو نکال دیا گیا اور حالت اُن کی یہ ہے کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے تھے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے تھے اور انکی یہ طرزِ زندگی محض خلوص سچائی پر مبنی تھی۔"

(۳) وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا ...دُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

"اور مالِ غنیمت ان لوگوں کے واسطے ہے کہ مہاجرین سے پہلے انہوں نے ہجرت اور ایمان کی جگہ میں اپنی سکونت اختیار کی اور وہ ہر ایسے شخص سے جو دین کی خاطر ان کی طرف ہجرت کرتے ہوئے جاتے انتہائی محبت کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کو عطا ہوتا ہے اس میں حسد نہیں کرتے بلکہ اس پر راضی ہو جاتے ہیں بلکہ اپنی حاجت پر مہاجرین کی حاجت کو مقدم سمجھتے ہیں اور اپنے حصہ

کا ایثار کر دیتے ہیں اور ہر وہ شخص جو طبعی بخل سے محفوظ ہوا وہ قطعی طور پر فلاح یافتہ ہے "

(۴) وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

" اور مالِ غنیمت ان لوگوں کے لئے ہے کہ مہاجرین اور انصار کے بعد آئے کہ کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے تو بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو کہ ہمارے پہلے ایمان سے مشرف ہوئے اور ہمارے دل میں ان کی طرف سے کینہ اور عداوت نہ ڈالنا کہ وہ لوگ ایمان لائے ہیں، یعنی یہ پیچھے آنے والے انصار و مہاجرین اور دیگر صحابہؓ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہمارا دل ان حضرات کے حسد و کینہ سے پاک صاف رکھے، اے ہمارے پروردگار تحقیق کہ تو بڑا مہربان اور رحمت کرنے والا ہے یعنی ہماری یہ دعا قبول فرما "

ان آیات سے کیا ثابت ہوا۔ (۱) ان آیات میں مسلمان کی تین قسم بیان کی گئی ہیں۔

(۲) قسم اول میں بیان ہوا کہ مالِ غنیمت ایسے مسلمان فقرا، مہاجرین کو دیا جائے جن کو بلاوجہ اپنے گھروں اور مالوں سے نکال دیا گیا، جیسے مکہ معظمہ سے مہاجرین کو نکال دیا گیا۔

(۲) یہ جلاوطنی محض دین کی خاطر ہوئی (۳) یہ مہاجرین اللہ کے فضل اور اسکی رضا کے متلاشی تھے اور اللہ اور اس کے رسول کے دین کی مدد کرتے تھے اور یہ مہاجرین حتمی اور قطعی طور پر سچے ہیں (۴) اس میں ترغیب ہے کہ ہجرت اسی طور پر مفید ہے اور اس قسم کے سچے لوگوں کی پیروی موجب نجات ہے (۵) ان کی مخالفت غضب الٰہی کی موجب ہے اور آخرت کی نعمتوں سے محرومی کی علامت ہے۔

(۶) خلفاء اربعہ بھی چونکہ ان مہاجرین میں داخل ہیں لہٰذا ان کی پیروی نجات کی مستحکم شکل ہے۔

(۷) قسم دوم میں بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت ان کو دینا چاہیئے جنہوں نے مہاجرین

انصار مدینہ (۸) اور سے قبل مدینہ طیبہ کو ہجرت اور ایمان کی جگہ بنا رکھا تھا یہ لوگ مہاجرین سے دلی محبت رکھتے ہیں (۹) یہ لوگ مہاجرین کی ضروریات زندگی کو ہر اعتبار سے مقدم رکھتے ہیں (۱۰) اپنے حقوق بھی بسا اوقات مہاجرین کو دے دیتے ہیں اور ہر وہ شخص جو کہ حسد اور بغض سے اپنے سینہ کو پاک رکھے دینی فلاح پائیگا (۱۱) ان کی پیروی موجب نجات اور ان کی مخالفت عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے (۱۲) اور قسم ثالث میں تشریح ہے کہ جو مہاجرین اور انصار کے بعد آئیں گے ان کی اوصافِ کریمہ یہ ہیں کہ کہیں گے' اے پروردگار ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی معاف یعنی جو ہم سے قبل تحصیل ایمان و ایقان میں ہم سے سبقت لے گئے (۱۳) اور ہمارے دلوں میں ان کی نسبت کسی قسم کا حسد و کینہ نہ ڈال بلکہ ہمارے دلوں کو انکی محبت سے لبریز کر دے (۱۴) اے ہمارے پروردگار بلا شبہ تو بڑا مہربان اور رحمت کرنے والا ہے

برادرانِ عزیز! ان آیات مندرجہ بالا کے ترجمے سے آپ نے خیال فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی کس وضاحت سے اوصافِ عالیہ ارشاد فرمائی ہیں کہ وہ صحیح معنی میں ایمان دار تھے' اللہ اور رسول کی رضا ان کا معیارِ زندگی تھا' باہمی ہر طرح کی آویزش سے ان کے سینے پاک تھے' بھائی بھائی تھے۔ وفا و ایثار کا مجسمہ تھے' عدل وانصاف کے پیکر تھے' ایک دوسرے کی فلاح وبہبود کیلئے دست بدعا رہتے تھے' ان کی راست قدمی نشانِ ہدایت تھا ان کی محبت اور اتباع دخولِ جنت اور حیاتِ ابدی کا پیش خیمہ ہے انکی مخالفت وعداوت ہر طرح کی خیر وبرکت سے صریح محرومی ہے' اللہ سبحانہٗ ہم سب کو قرآن مجید پڑھنے اور اس پر چلنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق مزید عطا فرمائے۔

فضائل خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم

ابو بکرؓ عمرؓ نبیوں اور رسولوں کے سوا اہلِ جنت کے اگلے پچھلے تمام درمیانی عمر کے لوگوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی) اور مسند امام احمد میں ہے کہ نوجوانانِ جنت کے بھی سردار ہیں۔ عثمانؓ بن عفانؓ دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں، اس کو ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ اے علیؓ تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے (ترمذی)

حضرت علیؓ سے منقول ہے جو مجھ کو ابو بکر اور عمر پر فضیلت دیگا میں اس کو مفتری کی حد لگاؤنگا۔ (رجال کشی وغیرہ) فرمایا ابو بکر مجھ سے اور میں ان سے ہوں اور ابو بکر دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں۔ (فردوس دیلمی) فرمایا عثمانؓ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں (ابو نعیم) فرمایا بیشک اللہ نے حق کو عمرؓ کی زبان اور دل پر کر دیا ہے۔ (ترمذی) اور تقریباً چھبیس احکام شرعیہ میں آپ کی رائے وحی کے مطابق ہوئی۔ فرمایا اے علی تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں (مسلم) فرمایا ابو بکر میرا یار ہے اور یہ لقب ان کو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں عنایت فرمایا ہے اور میرا مونس غار ہے، سب کھڑکیاں (جو مسجد میں ہیں) بند کر دو، مگر ابو بکر کی رہنے دو۔ (عبد اللہ بن احمد) فرمایا میں شیاطین انس و جن کو دیکھتا ہوں کہ عمر کے سامنے سے بھاگ جاتے ہیں (ترمذی) فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے (ترمذی) فرمایا حق میرے بعد عمرؓ بن الخطاب کے ساتھ ہے جہاں وہ ہو (ترمذی) فرمایا میں نے عثمانؓ کا نکاح ام کلثوم سے نہیں کیا مگر بسبب وحی آسمانی۔ فرمایا اللہ تعالےٰ بروز عرفہ عموماً اپنے ملائکہ پر فخر کرتا ہے اور عمر بن الخطاب پر خصوصاً۔ اور آسمان میں کوئی فرشتہ نہیں جو عمرؓ کی توقیر نہ کرتا ہو اور زمین پر ایسا کوئی شیطان نہیں جو عمر سے نہ بھاگتا ہو۔ (ابنِ عساکر) فرمایا جنت میں ہر نبی کا رفیق ہے اور میرا رفیق جنت میں عثمانؓ ہے (ترمذی) فرمایا جس کا ولی و مددگار میں ہوں اس کا ولی و مددگار علیؓ ہے۔ (احمد و ترمذی) فرمایا کہ جب عمرؓ اسلام

لائے تو میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا کہ عمرؓ کے اسلام سے فرشتے خوش ہوئے (حاکم)۔
فرمایا عثمان کی شفاعت سے ستر ہزار مستوجب نار بلا حساب جنت میں جائیں گے (ابن عساکر)۔ فرمایا ان دونوں کی اقتداء اور پیروی کرو جو میرے بعد ہیں، یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ کیونکہ وہ دونوں اللہ کی دراز شدہ رسی ہیں جس نے اُن کو پکڑا اس نے حلقہ مضبوط کو پکڑا اس کو انقطاع نہیں ہے اور رجل اللہ دینِ الٰہی سے کنایہ ہے (طبرانی)۔
فرمایا ابوبکرؓ اور عمرؓ کی دوستی ایمان ہے اور ان کی دشمنی کفر، جو میرے اصحاب کو بُرا کہے اُس پر خدا کی لعنت۔ (ابن عساکر)

سامعین باتمکین! ان احادیث فضائل کے تراجم پڑھ کر آپ اس نتیجہ پر یقیناً پہنچ گئے ہونگے کہ صحابہؓ قطعی طور پر حضور علیہ السلام کے شیدائی و جان نثار تھے، ان میں باہمی کوئی معقول آویزش نہ تھی، وہ آپس میں شیر و شکر تھے، اللہ و رسول کے محبوب و مرغوب تھے، دین کی خاطر انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کو وقف کر رکھا تھا، حسد و کینہ بغض و عداوت حرص و ہوا عناد و نفاق وغیرہ اوصافِ ذمیمہ سے ان کا سینہ نور خزینہ ہمیشہ پاک تھا۔ اوصافِ حمیدہ، عدل و انصاف، امانت و دیانت، صداقت و جباہت، زہد و تقوےٰ نزاہت و نظافت، سلوک و خلوص ایثار و وقار وغیرہ کے پیکر تھے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فضائل اہل بیت رضی اللہ عنہم

فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا آنے ہی مجھ کو سلام کیا (یہ) آسمان سے اُترا اس سے پہلے نہ اُترا تھا، پس مجھکو بشارت دی کہ حسنؓ اور حسینؓ جوانان بہشت کے سردار ہیں، اور فاطمہ زہراء بہشت کی عورتوں کی سردار ہیں، (ابن عساکر)۔

فرمایا کہ حسنؓ و حسینؓ دنیا میں میرے باغ کے دو پھول ہیں۔ (ترمذی) حضور علیہ السّلام صبح کے وقت گھر سے باہر تشریف لائے اور صوف کا ایک کمبل اوڑھے ہوئے تھے جس پر کجاوہ شتر کی صورت کے نقش تھے کہ حسنؓ ابن علی آگئے آپ نے انکو کمبل

میں لے لیا پھر حسین آئے، اُن کو بھی داخل کیا، پھر حضرت فاطمۃ الزہرا تشریف لائیں، اُن کو بھی اسی میں داخل کیا، پھر حضرت علیؓ۔ اُن کو بھی اسی میں لے لیا اور یہ آیت پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ۔

"اے اہل بیت اللہ تعالےٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہاری پلیدی دُور کر دے" (مسلم) یعنے پہلی مرتبہ یہ آیت ازداج مطہرات کے لئے نازل ہوئی اور اب دوسری مرتبہ بطریق اولیت ان نفوس اربعہ طاہرہ کے حق میں۔ فرمایا مجھ کو اپنی اہل میں زیادہ محبوب فاطمہؓ ہیں۔ (ترمذی) فرمایا کہ حسنؓ و حسینؓ دونوں عرش کے گوشوارے ہیں اور اسکی زینت (طبرانی) فرمایا جو حسنؓ و حسینؓ کو دوست رکھتا ہے وہ مجھکو دوست رکھتا ہے اور جو اُن کو دشمن جانتا ہے وہ مجھکو دشمن جانتا ہے (ابن ماجہ) فرمایا میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے نوح کی کشتی، جو اس پر سوار ہو گیا وہ ہلاک ہونے سے بچ گیا اور جو رہ گیا اور سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا۔ یعنی جو ان سے محبت رکھتا ہے اور ان کی معیت اور موافقت کرتا ہے، خدا کی نصرت اور حمایت میں آجاتا ہے (ترمذی بزاز) فرمایا کہ میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا جو کہ بزرگ ہے، کہ میں اپنی امت میں سے کسی سے نکاح نہ کروں اور نہ کوئی میری اُمت میں سے نکاح کرے مگر وہ جنت میں میرے ہمراہ ہو۔ پس خدا تعالےٰ نے مجھکو یہ بات عطا فرمائی (طبرانی و حاکم) فرمایا تم میں پلصراط پر زیادہ ثابت قدم وہ شخص ہے جس کو میرے اہل بیت اور اصحاب کی محبت زیادہ ہے۔ (ابن عدی فردوس)، فرمایا یہ دو یعنی حسنؓ و حسینؓ میرے نواسے ہیں، الٰہی میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ، اور جو اُن کو دوست رکھے اس کو دوست رکھ (ترمذی) فرمایا اللہ کو دوست رکھو اسلئے کہ تم کو نعمتیں کھلاتا ہے اور اللہ کی دوستی کی وجہ سے مجھکو دوست رکھو اور میری دوستی کی وجہ سے میرے اہل بیت کو۔ (ترمذی)۔

ائمہ کرام ـــــ کے فضائل

امام زین العابدین بن حسینؓ سے "صحیفہ کاملہ" جو کہ شیعہ کے ہاں بڑی معتبر کتاب ہے۔

میں یوں منقول ہے' ترجمہ اے خدا اصحاب سب پیغمبروں کے کہ کفار کی تکذیب کے وقت ان لوگوں نے انبیاء کی تصدیق کی اور اُن پر ایمان لائے۔ اُن کو تو مغفرت اور رضامندی کے ساتھ یاد فرما اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت باقی سب پیغمبروں کے اصحاب پر ہے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردار انبیاء ہیں' اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب اصحاب باقی سب پیغمبروں کے اصحاب کے سردار ہیں (تو اس واسطے اُنکے حق میں جناب امام زین العابدین نے خاص طور پر یہ دعا فرمائی) اے خدا خصوصاً اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نہایت نوازش فرما اور ان لوگوں کو مغفرت و خوشی کے ساتھ یاد فرما۔ اور وہ صحابہ جنہوں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ اچھی صحبت رکھی اور حق صحبت بجالائے اور وہ لوگ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی مدد میں اپنا مال و جان بہتر طور پر صرف فرمایا اور حضور علیہ السلام کو اپنے درمیان لے لیا اور دشمنوں کے شر سے حضور علیہ السلام کی محافظت کی اور آپ کی خدمت کی اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے میں جلدی کی اور آپ کی دعوت اسلام کو جلد قبول کر لیا۔ اور حضور علیہ السلام کا کلمہ اور دین ظاہر کرنے میں اپنی عورتوں لڑکیوں کو چھوڑ دیا یعنی ہجرت کی' اللہ کیلئے اور کوئی دنیاوی غرض نہ تھی۔ اور استحکام دین کے لئے اپنے باپ دادوں کے ساتھ اور لڑکوں کے ساتھ جنگ و جدال کی اور حضور علیہ السلام کی مدد کی اور بوجہ خدمت وہ لوگ کفار پر غالب آگئے۔

ناظرین کرام ! ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ یہ مجموعہ بالا اوصاف جمیع صحابہؓ کے ہیں جو کہ مہاجرین اور انصار کا مجموعہ ہے۔ سب نے مل کر آپ کی مدد کی برادریوں سے لڑے' استحکام اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی میں پیش پیش تھے' یہ نہیں کہ صحابہؓ سے صرف دو چار کے واسطہ یہ سارا کام سرانجام پاگیا' اور یوں کہا جائے کہ صرف مقدادؓ جابرؓ ابوذرؓ سے فتوحات اور استحکامی حدود حاصل ہوئیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ غزوۂ بدر میں ۳۱۳ صحابی حاضر ہوئے اور جنگ اُحد ہزار صحابی

موجود تھے، اور جنگ حنین میں بارہ ہزار صحابی تھے اور تبوک میں تیس ہزار ایسے ہی اکثر غزوات میں ہزاروں صحابی موجود ہوتے، اور سب کے سب مصروف مدد و نصرت میں رہتے اور سب کو مجموعی طور پر غلبہ حاصل ہوتا تھا۔

ثابت ہوا کہ امام زین العابدین کا مسلک یہ ہے کہ سب صحابہ کی مغفرت ہوئی اور سب صحابہؓ بہشتی ہیں اور لائق مدح وثنا انہوں نے حضور علیہ السلام کے ارشادوں پر اپنی جانوں اور مالوں کو صرف کر دیا، ان کے خلوص اور صحیح جذبات کے پیش نظر اللہ تعالےٰ نے اپنی رضا اور ان کی مغفرت کا اعلان فرمایا اور ابدی طور پر اپنے جوارِ رحمت میں ان کو ٹھکانا عطا فرمایا اور ان کی اتباع کی ترغیب دی، ان کے نظریات کو سراہا اور ان کی شانِ امتیاز کا اظہار کیا حضور علیہ السلام نے ان کی مخلصانہ خدمات کو پسند فرمایا، ان سے راضی ہوئے اور ابدی طور پر حیاتِ طیبہ سرمدیہ سے مالا مال ہونے کا مژدہ سُنایا اور ان کے قول و فعل کو حجت اور باعث نجات قرار دیا۔ ان کی محبت کو ایمان اور ان کی عداوت کو کفر و نفاق بنایا، ہر طرح سے ان کے روابط کو بنظر استحسان دیکھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید اور حدیث شریف اور اقوالِ ائمہ رُشد و ہدایت پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین

فہرست مضامین